عبد اللہ بن سبا اور دوسرے تاریخی افسانے

پہلی جلد

علامہ سید مرتضیٰ عسکری

مترجم: سید قلبی حسین رضوی

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

فہرست مطالب

حرف اول ۶

خطوط اور مقدمے ۹

کتاب عبد اللہ بن سبا کی علمی قدر و قیمت ۹

ایک محترم شیعہ دانشور شیخ محمد جواد مغنیہ کا نظریہ ۱۵

الازہر یونیورسٹی مصر کے مجلۂ '' جامع الازہر '' میں شائع شدہ اعتراضات کا جواب ۱۸

سید مرتضی سکری مباحث پر ایک نظر ۲۵

آغاز بحث ۲۸

مسلمان تاریخ نویسوں کی نظر میں عبد اللہ بن سبا کی داستان ۳۶

غیر مسلم مؤرخین کی نظر میں عبد للہ بن سبا کی داستانیں ۴۵

دوسرا حصہ ۵۸

سیف کی روایت میں سقیفہ کی داستان ۵۸

سیف کی احادیث میں سقیفہ کی داستان ۶۴

پیغمبر خدا کی وفات ۷۷

خلافت کا دوسرا امیدوار ۸۷

سقیفہ میں ابو بکر کی بیعت.. ۸۸

سقیفہ کی بیعت کا اختتام.. ۹۴

ابو بکر کی عام بیعت اور پیغمبر اکرمؐ کی تدفین.. ۹۵

ابو بکر کی بیعت سے علیؑ کی مخالفت.. ۱۰۷

مبارزات کا خاتمہ اور علیؑ کی بیعت.. ۱۱۱

ابو بکر سے بیعت کی قدر و قیمت.. ۱۱۳

بو بکر کی بیعت کے بارے میں بزرگ اصحاب کے فیصلے.. ۱۱۴

حضرت ابو بکر کی حکومت کے خلاف ابو سفیان کی بغاوت.. ۱۲۶

تیسرا حصہ.. ۱۴۸

سیف کی روایتوں میں ارتداد او رمرتد.. ۱۴۸

پیغمبر کے زمانے میں مرتد.. ۱۴۸

ابو بکر کے زمانے میں ارتداد.. ۱۴۹

سیف کی روایت میں مالک بن نویرہ کا ارتداد.. ۱۶۵

گزشتہ فصلوں کا ربط.. ۱۷۰

راویوں کے طبقات.. ۱۷۱

ام زمل کا ارتداد اور حوأب کی داستان......۱۸۵

غیر سیف کی روایت میں حوأب کی داستان......۱۸۸

چھان بین اور موازنہ کا نتیجہ......۱۹۱

چوتھا حصہ......۱۹۲

ابو سفیان سے زیاد کا رشتہ جوڑنے کی داستان......۱۹۲

سیف کے علاوہ دوسروں کی روایت میں زیاد کا نسب......۱۹۵

تحقیق و جستجو کا نتیجہ......۱۹۶

مغیرہ بن شعبہ کے زنا کی داستان......۱۹۷

چھان بین کا نتیجہ......۲۰۴

ابو محجن کی شراب خواری کی داستان......۲۰۵

سیف کی روایت میں ابو محجن کی داستان......۲۱۰

شوریٰ اور حضرت عثمان کی بیعت کی داستان......۲۱۳

زیاد بن عبید......۲۲۹

پانچواں حصہ......۲۳۴

تاریخ کے صفحات پر سیف کی روایتوں کے بدنما داغ......۲۳۴

خاتمہ.......... ۲۶۱

بحث کا نتیجہ.......... ۲۶۴

کتاب کے مطالب کا خلاصہ.......... ۲۶۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف اول

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت و ظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچہ و کلیاں رنگ ونکھار پیدا کرلیتی ہیں تاریکیاں کا فور اور کوچہ و راہ اجالوں سے پرنور ہوجاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت و قابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔لام کے مبلغ و مؤسس سرور کائنات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم غار حراء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم و آگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمہ حق و حقیقت سے سیراب کردیا، آپؐ کی تمام الہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھی، اس لئے ۲۳ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمران ایران و روم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑگئیں ، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت و عمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہب عقل و آگہی سے روبرو ہونے کی توانائی کھودیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب و روایات پر غلبہ حاصل کرلیا۔

اگرچہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ گرانبہا میراث کہ جس کی اہل بیت علیہم السلام اور ان کے پیرووں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کے بے توجہی اورناقدری کے سبب ایک

طویل عرصے کے لئے تنگنائیوں کا شکار ہوکر اپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کر دی گئی تھی، پھر بھی حکومت و سیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیت علیہم السلام نے اپنا چشمہ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء و دانشور دنیائے اسلام کو تقدیم کئے جنھوں نے بیرونی افکار و نظریات سے متاثر اسلام و قرآن مخالف فکری و نظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگیں تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشتپناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام و قرآن او رمکتب اہل بیت علیہم السلام کی طرف اٹھی او رگڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکری و معنوی قوت و اقتدار کو توڑنے کے لئے اور دوستداران اسلام اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب و کامراں زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین و بے تاب ہیں، یہ زمانہ علمی اور فکری مقابلے کا زمانہ ہے اور جو مکتب بھی تبلیغ او رنشر و اشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھا کر انسانی عقل و شعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیا تک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔ (عالمی اہل بیتؑ کونسل) مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام نے بھی مسلمانوں، خاص طور پر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کے پیرووں کے درمیان ہم فکری و یکجہتی کو فروغ دینا وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر انداز سے اپنا فریضہ ادا کرے، تا کہ موجود دنیا ئے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف وشفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہو سکے، ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوتؐ و رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدو خال میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق وانسانیت کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خونخواروں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔

ہم اس راہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققین و مصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفین و مترجمین کا ادنی خدمتگار تصور کرتے ہیں، زیر نظر کتاب، مکتب اہل بیت علیہم السلام کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، فاضل علامہ سید مرتضی عسکری کی گرانقدر کتاب عبد اللہ بن سبا کو فاضل جلیل مولانا سید قلبی حسین رضوی نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیاہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں، اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں او رمعاونین کا بھی صمیم قلب سے شکر یہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنی جہاد رضائے مولی کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر امور ثقافت، مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

خطوط اور مقدمے

کتاب عبد اللہ بن سبا کی علمی قدر و قیمت

مصر کی الازہر یونیورسٹی کے پروفیسر جناب ڈاکٹر حامد حفنی داؤد کا خط کتاب عبداللہ بن سبا ، آخر میں دوسرے ایڈیشن کے عنوان سے مصر میں دوسری بار شائع ہوئی ہے،اس کتاب نے اہل سنت ممالک میں گہرا اثر ڈالا ہے اور مصر کی یونیورسٹیوں خاص کر الازہر یونیورسٹی کے دانشوروں اور اساتذہ کی توجہ کا سبب بنی ہے اور مصر کی یونیورسٹیوں میں غیر معمولی اثر ڈالا ہے، مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے دانشوروں کی طرف سے مؤلف کو اس کتاب کو پسند کرنے کے سلسلہ میں کئی خطوط ملے ہیں، ان میں سے ایک جناب ڈاکٹر حامد کا خط ہے، وہ مصر کے ایک نامور دانشور ہیں، جو کئی قابل قدر تحقیقی تالیفات کے مالک ہیں ۔چونکہ یہ خط انصاف و عدالت کا ایک نمونہ اور تعصب اور ہٹ دھرمی کی سرحدوں کو توڑنے والا ایک عنوانہے اس لئے ہم اسے ترجمہ کرکے شائع کرتے ہیں[1] ۔

خط کا مضمون تاریخ اسلام کی تیرہ صدیاں اختتام کو پہنچی ہیں ان تیرہ صدیوں کے دوران ہمارے دانشوروں کے ایک گروہ نے حتی الامکان شیعوں کے خلاف آواز اٹھائیہے اور حقائق کو اپنی نفسانی خواہشات سے مخلوط کیا ہے اس ناپسندیدہ روش کی وجہ سے اسلامی فرقوں کے درمیان گہرے اختلافات پیدا ہوئے ہیں، نتیجہ کے طورپر شیعہ دانشوروں کے فکر و اندیشہ کے گوہر کو حقیر سمجھا گیا ہے اسی روش کی بنا پر علمی دنیا کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا ہے ۔

شیعہ دانشوروں کے افکار سے علم محروم رہا ہے کیونکہ دشمنوں نے شیعوں کے پاک و صاف دامن کو داغدار بنا کر انھیں ایک توہمات و خرافات کے حامل گروہ کے طور پر پہچنوایا ہے، بے شک ہم شیعوں کے صاف و شفاف علمی چشمۂ زلال سے ایک گھونٹ پی سکتے

---

[1] نشریہ سالانۂ مکتب تشیع ۴،۳۰۲۔

تھے نیز اس مذہب کے سرمایہ سے فائدہ اٹھا سکتے تھے، لیکن افسوس کہ ہمارے گزشتہ دانشوروں نے تعصب سے کام لیا اور عقل کو ہوا و ہوس پر ترجیح نہیں دی، اے کاش کہ وہ لوگ عقل کی پیروی کرتے اور جذبات کے کھلونے نہ بن تے !! جو کوئی تعصب کے عینک کو اتار کر فقہی مباحث کیلئے اقدام کرے اور فقہ مذاہب چہارگانہ پر تحقیق کرے، وہ شیعہ فقہ سے بھی استفادہ کرنے پر مجبور ہے اور بے شک جب فقہ اہل سنت پر تحقیق کرے تو اس وقت شیعہ فقہ کا بھی مطالعہ کرنا چاہئے اور اس سے آگاہ ہونا چاہئے ۔ ہم کب تک خواب غفلت میں رہیں گے ؟! کیا فقہ شیعہ کے پرچم دار، امام جعفر صادق علیہ السلام سنی مذہب کے دو اماموں کے استاد نہیں تھے؟ یہ دو امام اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے اس مکتب میں زانوئے ادب تہہ کیا ہے ۔ ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت[۲] کہتے ہیں '': لولا السنتان لهلک النعمان'' اگر امام صادق علیہ السلام کے درس میں دو سال شرکت نہ کی ہوتی تو بے شک میں ہلاک ہوجاتا، اوردین سے منحرف ہوتا ۔ اس کی مراد وہی دو سال ہیں جس میں انہوں نے حضرت امام صادق علیہ السلام کے علم کے میٹھے اور زلالی چشمہ سے استفادہ کیا ہے ۔ اور یہ مالک بن انس ہیں جو واضح طور پر اعتراف کرتے ہیں '': ما رأیت أفقه من جعفر بن محمد'' میں نے جعفر بن محمد سے فقیہ تر کسی کو نہیں دیکھا ہے[۳]

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ علم کے بارے میں صرف دور سے کچھ سننے والوں نے اپنے آپ کو دانشور سمجھ کر اپنے قلم سے تحقیق کی بنیادوں کو اکھاڑ کر حق و حقیقت کو اپنی نفسانی خواہشات پر قربان کیا ہے، نتیجہ کے طور پر گلستان علم کے دروازے ان پر بند ہوگئے اور اس طرح وہ شمع معرفت کے نور سے محروم ہوگئے ہیں، اس مذموم روش نے فتنہ کی آگ کو بھڑکانے کے علاوہ مسلمانوں میں، دن بدن اختلافات کو بڑھا وا دیا ہے ۔ افسوس کہ ہمارے استاد '' احمد امین ''[۱] بھی انہیں افراد میں سے تھے، جنہوں نے معرفت کے نور سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور ظلمت کے پردوں کے پیچھے زندگی بسر کرتے رہے، یہ وہ کرنیں ہیں جو تشیع کے سورج سے چمکی ہیں اور جہالت کی تاریک رات کو نور میں تبدیل کرکے اسلام کے عظیم تمدن کو اس وقت وجود بخشا، جبکہ دوسرے لوگ بہت پیچھے

---

[۱] وفات ۱۴۸ ھ
[۲] وفات ۱۵۰ ھ
[۳] وفات ۱۷۹ ھ

تھے۔تاریخ نے اس ناپاک رویہ کی بنا پر ، احمد امین اور ان جیسے تمام اساتذہ اور دانشوروں کے دامن پر عظیم داغ لگادیا ہے، جنہوں نے آنکھیں بند کر کے تعصب کی وادی میں قدم رکھا ہے، یہ دانشوروں اور محققین کا طریقۂ کار نہیں ہے کہ ایک جگہ بیٹھے رہیں اور جمود کی بیڑی کو اپنی فکر کے پاؤں سے نہ اتاریں اور بے جا پر تعصب سے کام لے کر آنکھیں بند کر کے کسی مذہب کی پیروی کریں!! ان کی فکر و قلم سے بہت ساری غلطیاں اور لغزشیں سرزد ہوئی ہیں اور انہیں الجھن اور بد حواسی سے دوچار کیا ہے، شاید مذکورہ داستان اس کی ایک مثال ہوسکتی ہے ۔

انہوں نے جھوٹ بول کر بعض مطالب کو شیعوں سے نسبت دیگران کے دامن کو داغدار بنادیا ا۔ ''فصل '' پیدائش افسانہ دور راویان آن '' شمارہ ہفتم ،کی طرف رجوع کیا جائے تو وہاں پر احمد امین کی باتوں سے واضح ہوجاتا ہے کہ اس نے جو کچھ لکھا ہے جس کا سبب شیعوں کے ساتھ اس کی دشمنی اور کینہ ہے ۔ہے کہ ہم نے ان میں سے بعض کی طرف اپنی کتاب میں اشارہ کیا ہے ،انہوں نے تصور کیا ہے کہ جتنے بھی خرافات اور جعلی چیزیں اسلام کی تاریخ میں موجود ہیں ، سب کی سب شیعہ علما کی گڑھی ہوئی ہیں اور انہوں نے اپنے خود ساختہ گمان سے شیعوں پر حملہ کیا اور ان کو برا بھلا کہا ہے۔

جلیل القدر محقق ''جناب مرتضیٰ عسکری '' نے اپنی کتاب '' عبداللہ بن سبا '' میں کافی دلائل سے مکمل طور پر ثابت کیا ہے کہ '' عبداللہ بن سبا '' ایک خیالی اور جعلی موجود ہے ۔تاریخ نویسوں نے جو حکایتیں بیان کی ہیں اور ان کی بناء پر اسے (عبداللہ بن سبا) مذہب شیعہ کا مروج بیان کیا ہے البتہ یہ جھوٹ کے علاوہ کچھ نہیں ہے، مؤرخین نے ان گڑھی ہوئی داستانوں کو اس لئے مرتب کیا ہے تا کہ فریب کاری کے جال کو پھیلا کر شیعوں پر حملے کر کے بے جا ان کے خلاف تہمت و افتراء پردازی کریں۔ ہم عصر دانشور ،جناب مرتضیٰ عسکری نے اس کتاب میں اپنی فکر و اندیشہ کے سہارے تاریخ کے سمندر میں غوطہ لگا کر ، بہت سی کتابوں کا مطالعہ فرمایا ہے اور انتہائی تلاش و جستجو کے بعد اس سمندر سے کافی مقدار میں موتی لے کر ساحل تک آئے ہیں۔انہوں نے زیر بحث حقائق

کو ثابت کرنے کیلئے نزدیک ترین راستہ طے کیا ہے، شیعوں کے مخالفوں سے بحث کے دوران ان کے ہی بیانات کو مآخذ قرار دیکر ان کی باتوں کو باطل ثابت کرتے ہیں ۔ ا۔ڈاکٹر حامد حفنی داؤد کی کتاب ''مع احمد امین '' کے مقدمہ کی طرف رجوع کیا جائے ۔

۲۔ خود غرض مورخین نے اسے شیعہ مذہب کا بانی و مروج خیال کیاہے۔تاریخ اسلام کے آغاز سے عصر حاضر تک '' سیف بن عمر '' کی روایتوں نے مؤرخین کو الجھا رکھا ہے جو عام طور پر قابل اعتماد ہے،اس کتاب میں ان روایتوں کے بارے میں ایک گراں بہا تحقیق کی گئی ہے کہ قارئین بڑی آسانی سے انھیں سمجھ سکتے ہیں ۔خدا کی حکمت اسی میں ہے کہ بعض محققین مردانہ وار قلم ہاتھ میں اٹھا کر حقائق سے پردہ اٹھائیں ، اور اس راستہ میں دوسروں کی سرزنش اور ملامت کی پروانہ کریں ، مصنف محترم پہلی شخصیت ہیں جس نے اپنی گہری تحقیقات کے نتیجہ میں اہل سنت محققین کو اس امر پر مجبور کیا ہے کہ وہ طبری کی کتاب ''تاریخ الامم و الملوک '' کے بارے میں تجدید نظر کریں ، نیز انھیں اس بات پر مجبور کیا ہے کہ اس کتاب اورتاریخ کی دوسری بنیادی کتابوں کے بارے میں از سر نو دقت سے غور کرتے ہوئے اور خوب و بد کو ایک دوسرے سے جدا کریں،مزید ان تاریخی حوادث کے بارے میں بھی نئے سرے سے غور کریں، جنھیں وہ نازل شدہ وحی کے مانند صحیح اور نا قابل تغییر سمجھتے تھے!!

محترم مصنف نے کافی ، واضح اور روشن شواہد کی مدد سے ان تاریخی وقائع سے ابہام کے پردے کو ہٹا دیا ہے اور حقیقت کو اس کے متوالوں کیلئے آشکار کیا ہے حتی کہ بعض حقائق انتہائی بھیانک اور حیرت انگیز دکھائی دیتے ہیں کیونکہ ایک عمر کے عادات و رسومات چند صدیوں کی اعتقادی میراث کے مخالف ہیں، لیکن حق کی پیروی کرنالازم و واجب ہے ہر چند کہ یہ امر دشور ہو '' الحق احق ان یتبع '' ۔مذکورہ مطالب سے آگاہی چاہتے ہیں تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس کتاب کا مطالعہ کریں او رتاریخ کے اختلافی حوادث جیسے ، اسامہ کی لشکر کشی ، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت اور سقیفہ کی داستان (جس پر مؤلف نے تنقیدی تجربہ کیا ہے) کا دقت کے ساتھ مطالعہ کریں۔ جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم موت کا شیرین جام نوش فرمارہے تھے ، اسامہ کے لشکر سے بعض افراد حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے مدینہ لوٹے اور ریاست و خلافت کی امید سے جہاد سے منہ موڑ لیا ، مؤلف

نے ان افراد کو پہنچوایا ہے ۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بستر مرگ پر جب وصیت لکھنے کا حکم دیدیا، کچھ لوگوں نے اس حکم پر عمل کرنے میں رکاوٹ ڈالی اور اسے ہذیان سے تعبیر کیا (گویا انہوں نے گمان کیا کہ پیغمبر ہذیان کہہ رہے ہیں)کیونکہ وہ اس امر سے خائف تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس وصیت میں علی علیہ السلام کی خلافت کی خبر دیں گے اور ان آخری لمحات میں بھی اسے اپنے وصی کے طور پر تعارف کرائیں گے ۔ مؤلف اس حادثہ کی حقیقت و کیفیت کو بھی آشکار کرتے ہیں عمر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت سے انکار کرنے کا مقصد کیا تھا ؟کیوں وہ ان افراد کو موت کی دھمکی دیتے تھے جو یہ کہتے تھے کہ پیغمبرا سلام صلی اللہ علیہ و الہ وسلم نے رحلت کی ہے ؟جس وقت امام علی علیہ السلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچیرے بھائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا عباس اور چند بوڑھے اور سن رسیدہ اصحاب کی مدد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بدن نازنین کو غسل دینے میں مشغول تھے، تو اس وقت کس غرض سے عمر اور ابو عبیدہ نے انتہائی عجلت کے ساتھ اپنے آپ کو سقیفہ کے اجتماع میں پہنچا دیا اور لوگوں سے ابوبکر کے حق میں بیعت لے لی ؟!

بے شک، اگر تھوڑا سا انتظار کرتے تا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سپرد لحد کرکے اور علی علیہ السلام بھی اس اجتماع میں حاضر ہوتے تو علی علیہ السلام خلافت کے مستحق قرار پاتے اور بنی ہاشم ان کے علاوہ کسی اور کو امام المسلمین کے طور پر قبول نہیں کرتے! مؤلف نے مذکورہ تین مباحث میں صحیح کو غلط سے اور برے کو بھلے سے جدا کرکے ان مسلم حقائق تک رسائی حاصل کی ہے اور ان کی اس تحقیق کے نتیجہ میں فریب کاروں کیلئے مکرو فریب کے دروازے بند ہوگئے ہیں ۔

کتاب کے دوسرے مباحث بھی مذکورہ بالا تین مباحث کی طرح، دقت کے ساتھ حقائق کو ایسے آشکار کرتے ہیں کہ بہت جلد ہی تاریخ اسلام کے اندر گہرے اثرات رونما ہوں گے ۔ میں اس مقالہ کو ختم کرنے سے پہلے چاہتا ہوں کہ درج ذیل تین سوالات کا جواب دیدوں: ۱۔ کیا پیغمبر خداء کا صحابی غلطی کرسکتا ہے اور لغزش سے دوچار ہوسکتا ہے ؟

۲۔ کیا اس کے کام اور کردار پر تنقیدی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے ؟

۳۔ کیا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صحابی کو منافق یا کافر کہا جا سکتا ہے ؟

سوال نمبر ایک اور دو کا میں مثبت جواب دیتا ہوں، لیکن تیسرے سوال کا جواب منفی ہے ۔ اس لئے نہیں کہ میں تعصب سے کام لیتا ہوں اور علم کے اصول کے خلاف کہتا ہوں، بلکہ ایک ایسا استدلال رکھتا ہوں کہ عقل اس کو قبول کرتی ہے اور منطق اسکی تائید کرتی ہے کیونکہ کفر و نفاق کا تعلق قلب و دل سے ہے اور وہاں تک خدا کے سوا کسی کی رسائی نہیں ہے، علمی تجربہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا ہے، صرف خداوند عالم ہے جو انسان کے اندرونی اسرار سے واقف ہے اور پوشیدہ چیزوں کا مکمل طور پر علم رکھتا ہے[1] مذکورہ روش، وہی جدید روش ہے، جس کا واضح مشاہدہ میری تمام تالیفات میں کیا جا سکتا ہے۔ مجھے اس بات پر انتہائی مسرت ہے کہ علم کے لحاظ سے اس عظیم کتاب اور اس کے عالی قدر مصنف استاد علامۂ محقق جناب مرتضی عسکری کے تئیں انتہائی احترام و محبت کا قائل ہوں، اسی طرح جناب مرتضیٰ رضوی کشمیری کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کو پوری ظرافت اور دیدہ زیب صورت میں شائع کیا ہے، علامہ نے اس فریضہ کو انجام دے کر اسلام کی ایک عظیم خدمت کی ہے اور اس ذمہ داری کو انجام دے کر اسلام کے تاریخی حقائق کو زندہ کرنے کیلئے ایک عظیم اثر چھوڑا ہے ۔

قاہرہ اول جمادی الاول ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۲، اکتوبر ۱۹۶۱ء ڈاکٹر حامد حفنی داؤد ۱۔ ڈاکٹر حامد نے اس خط کو نصف کتاب کے شائع ہونے کے پیش نظر مصر میں لکھا ہے ۔

[1] نمبر ۳، سال ۱۳۸۱ ھ صفحہ ۲۳۰۔

ایک محترم شیعہ دانشور شیخ محمد جواد مغنیہ کا نظریہ

سنی دانشور محترم جناب ڈاکٹر حامد کے نظریہ سے آگاہ ہونے کے بعد مناسب ہے یہاں پر اس کتاب کے بارے میں ایک شیعہ دانشور علامۂ نابغہ جناب شیخ محمد جواد مغنیہ جبل عاملی کے نظریہ سے بھی آگاہ ہوجائیں، علامہ موصوف لبنان میں مروج مذہب تشیع ہیں۔ موصوف کی گراں بہا تالیفات میں من جملہ ''تفسیر قرآن مجید'' ''معالم الفلسفۃ الاسلامیہ''، ''الشیعہ و الحاکمون'' ''اصول الاثبات فی الفقہ الجعفری'' اور دسیوں دوسری تالیفات سنجیدہ فکر اور ان کے علمی بلند مقام کو آشکار کرتی ہیں، ذیل میں مجلۂ ''العرفان''[۱] میں شائع ہوئے ان کے مقالہ کا ترجمہ ہے: مذہب شیعہ کے خلاف لکھنے کے علاوہ دنیا کی تمام چیزوں میں دگرگونی اور تغیرات پیدا ہوئے ہیں ...شیعوں پر تہمت و افتراء کے علاوہ ہر آغاز کا خاتمہ ہے ..شیعوں کے خلاف جاری کئے جانے والے احکام کے علاوہ ہر حکم کی ایک دلیل و علت ہے ..آخر کیوں ؟کیا شیعہ شورشی اور فتنہ گر ہیں اور لوگوں کے سکون و اطمینان کو درہم برہم کرنا چاہتے ہیں ؟اس سوال کا جواب یہ ہے کہ : سیف بن عمر تمیمی[۱] نامی ایک شخص نے گزشتہ دوسری صدی کے دوران دو کتابیں لکھی ہیں، اس کی پہلی کتاب '' الفتوح و الردۃ'' اور دوسری کتاب '' الجمل و مسیر عائشۃ و علی'' ہے ان دونوں کتابوں میں درج ذیل مطالب کی ملاوٹ کی گئی ہے: ۱۔ ایسے حوادث و اتفاقات کی تخلیق کرنا، جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

۲۔ رونما ہوئے حقیقی حوادث و واقعات میں تحریف کرکے مثبت کو منفی اور منفی کو مثبت دکھانا ۔اس بے لگام اور جھوٹے شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کیلئے چند من گھڑت اصحاب جعل کئے جن کے سعیر، ہزہاز، اط، حمیضہ، وغیرہ ...نام رکھے ہیں ۔ اس نے تابعین اور غیر تابعین کے کچھ اشخاص جعلکئے ہیں اور ان کی زبانی اپنی جعلی احادیث نقل کی ہیں ۔اس کی انہیں تخلیقات میں سے ایک سورما ہے جس کی شخصیت کو اس نے جعلکیا ہے اور اس کا فرضی نام بھی معین کیا ہے، اور چند داستانوں کو گڑھ کر اس سے نسبت دی ہے ...یہ افسانوی سورما ''عبد اللہ بن سبا'' ہے جس کسی نے بھی شیعوں پر تہمتیں لگائی ہیں اور ان کے بارے میں جہل یا نفاق کے سبب افترا پردازی کی ہے، ان سب نے اسی پر اعتماد کیا اور اس کی باتوں پر تکیہ کیا ہے۔

ا۔وفات دوسری صدی ہجری ۔ ''سیف'' کے بعد مؤرخین کی ایک جماعت نے فریب اور دھوکہ سے بھری ان دو کتابوں کو سند بنا کر کسی قسم کے تأمل و تدبر کے بغیر دروغ پرداز اور چالباز سیف کے نظریات اور اندیشہ کو نقل کیا ہے،اس طرح اس کے مذموم تفکر سے استفادہ کیا گیا ہے ۔ ''طبری'' پہلا شخص تھا جو ''سیف'' کے دام فریب میں پھنس گیا تھا اس کے بعد ابن اثیر ،ابن عساکر اور ابن کثیر اور دوسرے لوگ ''طبری'' سے آنکھیں بند کرکے روایت نقل کرنے کے سبب اس گڑھے میں گر گئے ہیں ۔

اس طرح جھوٹے ''سیف'' کی تخلیقات کی تاریخی کتابوں اور منابع میں بلاواسطہ طور پر ملاوٹ ہوئی ہے لیکن ان کی جڑ اور بنیاد، وہی سیف کی دو کتابیں ''الفتوح'' اور ''الجمل'' ہیں ۔علامہ سید مرتضیٰ عسکری کی کتاب ''عبد اللہ بن سبا'' مذکورہ حقائق کو صحیح دلائل کی بنا پر آشکار کرتی ہے اور قارئین کو صاف اور واضح راہنمائی کرکے حقیقت کی منزل تک پہنچاتی ہے ۔انہوں نے اس کتاب کی تالیف میں انتہائی دقت سے کام لیا ہے اور موصوف کی تمام تر سعی و تلاش اس امر پر متمرکز رہی ہے کہ حق و حقیقت کے علاوہ کوئی چیز کاغذ پر نہ لکھی جائے ،قارئین کرام جس قدر بھی مفکر اور دانشور ہوں، موصوف کے حاصل کئے ہوئے نتائج سے نہ تو انکار کر سکتے ہیں اور ہی نہ شک و شبہ ،کیونکہ اس کتاب کے بہت سے دقیق مباحث کی بنیاد بدیہی قضایا پر مبنی ہے اور بدیہیات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے ۔میں نے مختلف افراد سے بارہا بحث کی ہے،اور ان کے اعتراضات اور شبہات کا جواب دیا ہے، لیکن اس گفتگو میں میں نے شیخ مفیدؒ، سید مرتضیٰؒ،اور علامہ حلیؒ سے آگے قدم نہیں بڑھایا ہے، میری روش صرف یہ تھی کہ میں ان بزرگوں کے طرز بیان کو بدل دیتا تھا اور مخاطب کے لئے مطالب کو آشکار اور واضح تر بیان کرتا تھا ،کیونکہ کوئی تازہ اعتراض نہیں تھا کہ میں اس کا تازہ اور نیا جواب دیتا بلکہ اعتراض وہی تھا جو پچھلے لوگوں نے کر رکھا تھا اور اس کا جواب سن چکے تھے ،چونکہ یہ لوگ بھی گزشتہ لوگوں کی طرح اعتراض کرتے ہیں لہذا مجبور ہیں وہی جواب سنیں،میں اپنے علمائے سلف کی باتوں کی تکرار کرتا تھا ،کیونکہ میںیہ سمجھتا تھا کہ بے خبر، معترضین علماء کی باتوں پر اعتراض کرتے ہیں، لہذا ضروری ہے کہ ان کی ہی باتوں سے آگاہ ہوجائیں۔بے شک میں علمائے

تشیع کی پیروی کرتے ہوئے '' عبدا للہ بن سبا '' کے وجود کا معترف تھا ، لیکن اس کی رفتار کو حقیر اور شرم آور سمجھتا اور اس کی باتوں کا انکار کرتا تھا ۔

علامۂ عالیقدر جناب سید مرتضیٰ عسکری نے اس عمارت کی بنیاد ہی اکھاڑ کرکے رکھدی اور اپنی گہری تحقیقات سے ثابت کردیا کہ '' عبد اللہ بن سبا '' کی حقیقت ایک افسانہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے !اور یہی وہ حقیقت ہے جو اس کتاب میں بے نقاب ہوئی ہے ،اگر میں یہ کہوں کہ عربی میں یہ تنہا کتاب ہے ، جس میں تاریخ کی علمی بنیادوں پر تحقیق کرکے اس پر غور کیا گیا ہے تو یہ ہرگز مبالغہ نہیں ہے ، اور میرا یہ کہنا بھی ہر گز بیجا نہیں ہوگا کہ اس دانشور مصنف نے دین و علم اور خاص طور پر شیعوں اورمذہب تشیع کی ایک ایسے زمانے میں بے مثال اور عظیم خدمت کی ہے کہ جب ان پر تہمتوں ، افتراء پردازیوں اور بہتان تراشیوں کی بھر مار ہورہی ہے ، موصوف نے اسلام کی ایک عظیم اور درخشان خدمت کی ہے ، کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے درمیان رخنہ ڈال کر ان کے اتحاد و یکجہتی کو درہم برہم کرکے انھیں کمزوراوربے بس کردیا ہے ۔ ہم نے فرمانرواؤں اور ظالم حکام کی طرف سے بد ترین عذاب اور مشکلات برداشت کی ہیں تا کہ اسلام کی یکجہتی کا تحفظ کرکے دشمنی سے پرہیز کریں ، لیکن وہ روز بروز اپنی دروغ بیانی میں تشویق ہوتے رہے ہیں ...اور ان کی پہلی اور آخری سند '' ابن سبا '' کا افسانہ اور '' ابن السوداء '' کا خرافہ تھا کہ افسانہ ساز ''سیف '' نے انھیں ، خدا اوراپنے ضمیر کے سامنے کسی ذمہ داری کا احساس کئے بغیر جعلکیا ہے ۔ لیکن آج '' عبدا للہ ابن سبا '' نام کی کتاب لکھی جانے کے بعد یہ کاسہ لیس اور چاپلوس لوگ کیا جواب دیں گے ؟!آخر میں میری تجویز ہے کہ یہ کتاب دیدہ زیب طباعت کے ساتھ دوبارہ شائع کی جائے اور عالم اسلام کے تمام شہروں میں نصف قیمت پر بیچی جائے تا کہ عام مسلمان اسے خرید کر اس کے عالی مطالب سے استفادہ کرسکیں ۔ نجف اشرف کے دانشوروں اور مراجع عظام کو چاہئے مذکورہ مقصد کی جانب توجہ کرتے ہوئے رقومات شرعیہ سے مدد کریں یا خیر افراد کی اس سلسلے میں راہنمائی فرمائیں ۔ میری تجویز ہے کہ یہ حضرات تاکید کے ساتھ حکم فرمائیں تا

کہ یہ کتاب دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر سستے داموں میں دنیا کے لوگوں تک پہنچ جائے، یہ دین اسلام کیلئے ایک عظیم خدمت ہوگی۔ لبنان ۔ شیخ محمد جواد مغنیہ

الازہر یونیورسٹی مصر کے مجلۂ ''جامع الازہر'' میں شائع شدہ اعتراضات کا جواب

مجلہ ''جامع الازہر'' مصر میں کتاب ''عبدا للہ بن سبا'' کے بارے میں دو مقالے لکھے گئے ہیں[1] اہم ترین مطلب جوان دو تنقیدی مقالوں میں ملاحظہ کے قابل ہے عبارت ہے: رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب اور ان کے باہمی اختلافات، چودہ صدی پرانی بات ہے اور وہ سب اپنے مالک حقیقی سے جاملے لہذا چاہئے کہ ان مسائل سے صرف نظر کیا جائے۔[2] اس بات کے جواب میں ہم کہتے ہیں: اولاً: ہم سیف کی روایتوں کی تحقیق کی فکر میں تھے، جس موضوع پر اس نے روایتیں نقل کی تھیں، ہم نے مجبور ہو کر ان ہی موضوعات پر بحث و تحقیق کی ہے، چونکہ کتاب ''عبدا للہ بن سبا'' میں عبد اللہ بن سبا کے افسانہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب کے باہمی اختلافات کے بارے میں سیف ابن عمر کی نقل کی گئی روایتوں پر بحث کی گئی ہے، لہذا ہم مجبور ہوئے کہ ہر موضوع کے بارے میں بحث کو جاری رکھتے ہوئے تجزیہ و تحقیق کریں، جس طرح میں نے اپنی کتاب ''خمسون و مأة صحابی مختلق'' (۱۵۰ جعلی اصحاب) میں اصحاب کے فتوحات اور صدر اسلام کی جنگوں کو اپنا موضوع قرار دیگر بحث و تحقیق کی ہے ۔ سیف کی روایتوں پر تحقیق نے ہمیں اس بات پر مجبور کردیا ہے کہ ایسی بحثوں میں داخل ہوجائیں جنھیں بہت سے دانشوروں نے پردے میں رکھا ہے، لہذا ان موضوعات پر بحث و تحقیق نے انھیں برہم اور رنجیدہ کیا ہے، البتہ ہم بھی ان کی طرح ایسے وقائع اور روداد کے رونما ہونے سے خوشحال نہیں ہیں اور ان سے پردہ اٹھانے اور ان پر غور و فکر کرنے سے ہمارا رنج و غم بھڑک اٹھتا ہے لیکن کیا کیا جائے کہ خداوند عالم نے پیغمبر خداؐ کے اصحاب کو ملک و فرشتہ خلق نہیں کیا ہے کہ جبلت انسانی سے عاری

---

[1] پہلا مقالہ کتاب کی نجف اشرف میں طبع شدہ پہلی اشاعت پر ایک تنقید ہے ، اور یہ مقالہ مجلہ کی جلد ۳۳ ج۱۰، ۱۳۸۰ ؁ھ " باب الکتب " کے صفحہ ۱۱۵۰ ۔۱۱۵۱ میں شائع ہوا ہے ۔ دوسرا مقالہ اسی کتاب کے مصر میں طبع شدہ نسخہ پر ایک تنقید ہے اور یہ مقالہ مجلہ کی جلد ۳۲ ،ج ۶، ۱۳۸۱ ؁ ھ کے صفحہ ۷۶۰ ۔۷۶۱ میں شائع ہوا ہے۔

[2] یہ جملہ پہلے مقالہ کے آخر پر لکھا گیا ہے اور باقی تمام مطالب اسی جملہ کی تفسیر اور تشریح میں لکھے گئے ہیں۔

ہوں بلکہ وہ دوسرے افراد کی طرح انسانی جبلت میں ان کے شریک ہیں، اور ایمان اور اسلام میں استقامت کے مراتب میں بھی ایک دوسرے سے متفاوت ہیں، اس حد تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان میں سے بعض پر حد جاری کی ہے (کوڑے لگائے ہیں) اور ان میں سے بعض کے بارے میں ''آیات افک'' نازل ہوئی ہیں جن میں ان کی اس بات پر ملامت کی گئی ہے کہ انہوں نے پیغمبر خداؐ کی بیوی کی جانب نازیبا نسبت دی تھی، اور ان میں سے بعض کے بارے میں نفاق کی آیات نازل ہوئی ہیں ۔

ان تمام مطالب کے باوجود ہم نہیں سمجھتے کہ پیغمبر خداؐ کے اصحاب کو ان اختلافات اور تحولات کے ساتھ کیسے چھوڑدیں جبکہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے احکام اور عقائد کو ہم تک پہنچانے کے واسطہ میں کیا اس طرح صرف پیغمبرؐ کو درک کرنے کی بنا پر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا عزت واحترام کرنا بحث و تحقیق کیلئے رکاوٹ اور دینداری کے نام پر علم ودانش کے دروازہ کو بند کرنے کے مترادف نہیں ہے ؟ چونکہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے صدیوں سے اپنے اوپر اجتہاد کا دروازہ بند کررکھتا ہے، لہذا تحقیق و علم کا دروازہ بھی ان پر بند ہوگیا ہے ۔

خدارا ! ہم نے اس مطلب کو قبول نہیں کیا ہے اور اسکی تائید نہیں کرتے ہیں بلکہ دین و اسلام کے نام پر اور اس پر عمل کرنے کیلئے اسلام کی راہ میں بحث و تحقیق کیلئے قدم اٹھاتے ہیں ۔ثانیاً : کاش کہ ہم یہ جانتے کہ قدیم و جدید دانشور جو پیغمبر خداؐ کے اصحاب کی عزت واحترام میں جو غیرت و حمیت دکھاتے ہیں، کیا اس میں پیغمبر خدا کے تمام اصحاب شامل ہیں خواہ اس کے سزاوار ہوں یا نہ، خواہ وہ عیش پرست ہوں یا زاہد و پرہیزگار ؟ کیا یہ احترام عام طور پر اس لئے ہے کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دیدار کیا ہے ؟ یا ان کیلئے مخصوص ہے جو سرمایہ دار و قدرتمند تھے اور حکومت تک ان کی رسائی تھی ؟ اور ایسا لگتا ہے کہ یہ احترام شعوری یا لاشعوری طور پر صرف ان افراد سے مخصوص ہوکے رہ گیا جو حکومت اور ایوان حکومت سے وابستہ و مربوط ہیں ۔

جو کچھ ایک دوررس اور نکتہ شناس محقق کیلئے قابل اہمیت ہے وہ دوسرا مطلب ہے کیونکہ اگر تاریخ طبری میں سنہ ۳۶ ھ کے روئدادوں

اور حوادث پر غور کیا جائے تو دیکھا جاتا ہے کہ اس نے یوں لکھا ہے: اس سال، یعنی سنہ ۳۰ھ میں جو کچھ ابوذر اور معاویہ کے درمیان پیش آیا، اور سرانجام ابوذر کے شام سے مدینہ جلا وطن کئے جانے پر تمام ہوا، اس سلسلے میں بہت سی روایتیں نقل کی گئی ہیں کہ جنکو میں نقل کرنا پسند نہیں کرتا ہوں، لیکن اس سلسلہ میں معاویہ کیلئے عذر پیش کرنے والوں نے ایک داستان نقل کی ہے، اس داستان میں کہا گیا ہے: شعیب نے اسے سیف سے نقل کیا ہے ....

اس کے بعد طبری نے ابو ذر اور معاویہ کے بارے میں نقل کی گئی داستان کے سلسلے میں سیف کی باقی روایت کو اپنی تاریخ میں ثبت کیا ہے ۔ اگر ہم اس سلسلے میں تاریخ ابن اثیر کی طرف رجوع کریں گے تو دیکھتے ہیں کہ وہ کہتا ہے: اس سال (سنہ ۳۰ھ) ابوذر کی داستان اور معاویہ کے توسط سے اسے شام سے مدینہ جلاوطن کرنے کا مسئلہ پیش آیا، اس رفتار کی علت کے بارے میں بہت سے مطالب لکھے گئے ہیں، من جملہ یہ کہ : معاویہ نے انھیں گالیاں بکیں اور موت کی دھمکی دی، شام سے مدینہ تک انھیں ایک بے کجاوہ اونٹ پر سوار کرکےنہایت ہی بیدردی سے ایک ناگفتہ بہ حالت میں مدینہ کی طرف جلاوطن کردیا، مناسب نہیں ہے اسے یہاں بیان کیا جائے .... میں اسے نقل کرناپسند نہیں کرتا ہوں، لیکن جنھوں نے اس سلسلے میں عذر پیش کیا ہے، یوں کہا ہے......:

اس بنا پر طبری نے یہاں پر ان بہت سی روایتوں کو درج نہیں کیا ہے جن میں معاویہ اور ابوذر کی روئداد بیان ہوئی ہے اور ان کو بیان کرنا پسند نہیں کرتا تھا، پھر بھی اس نے ان روایتوں کو بالکل ہی درج کرنے سے چشم پوشی نہیں کی ہے ۔ بلکہ سیف کی ان تمام روایتوں میں سے ایسی روایت کا انتخاب کیا ہے کہ معاویہ کا عذر پیش کرنے والوں کیلئے سند کی حیثیت رکھتی ہے اور اسے اس کے کام کی توجیہ کے طورپر پیش کرتے ہیں، جبکہ اس روایت میں پیغمبر اسلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بزرگوار صحابی ''ابو ذر'' کی حد سے زیادہ توہین کی گئی ہے ۔ اس کی دینداری پر طعنہ زنی کی گئی ہے، اسے بیوقوف اور احمق کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور اس پرناروا تہمتیں لگائی گئی ہیں ۔

کیونکہ اس روایت میں معاویہ کو حق بجانب ٹھہرایا گیا ہے اور اس کے عذر کو درست قرار دیا گیا ہے، اور اس طرح مؤرخین کا یہ قائد، رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس تہی دست صحابی کی شخصیت اور احترام سے چشم پوشی کرتا ہے اور ان کی عظمت کو معاویہ جیسے حاکم اور ثروتمند شخص کے حرمت کے تحفظ میں قربان کرتا ہے، یہی کام ابن اثیر، ابن خلدون اور دوسروں نے بھی انجام دیا ہے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے، بنیادی طور پر اسی سبب سے تاریخ طبری نے رواج پیدا کیا ہے اور دوسروں کی نسبت زیادہ شہرت پائی ہے، اور اس لئے سیف (بے دینی کا ملزم ٹھہرائے جانے کے باوجود) کی روایتوں کو اس قدر اشاعت ملی ہے اور اسی لئے مشہور ہوئی ہیں[1]۔

اس بنا پر ایسے دانشوروں نے صرف ایسے صحابیوں کے احترام کے تحفظ کیلئے اقدام کیا ہے جو صاحبِ قدرت و حکومت تھے، اور ''معاویہ بن ابو سفیان'' جیسے شخص کی اس لئے عزت کرتے ہیں کہ وہ صاحب حکومت و اقتدار تھا، جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسے اور اس کے باپ کو ''المؤلفۃ قلوبھم''[2] میں شمار فرمایا ہے اور اس کی نفرین کرتے ہوئے فرمایا: خداوند عالم اس کے شکم کو کبھی سیر نہ کرے''[3] اسی طرح ''عبداللہ بن سعد بن ابی سرح''[4] جو ابتداء میں مسلمان ہوا تھا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کاتبوں میں شمار ہوتا تھا، لیکن ایک مدت کے بعد مرتد ہوگیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور قرآن مجید پر تہمت لگائی، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اس کا خون بہانا مباح قرار فرمایا تھا، ایسے شخص کو ان خصوصیات کے باوجود مصر کا گورنر ہونے کے ناطے اس کا نام تاریخ میں درج کرکے اس کا احترام کیا گیا ہے۔ اس طرح خلیفہ عثمان کے بھائی ولید، جس کے بارے میں آیۂ نبا نازل ہوئی ہے: (یا ایّھا الذین آمنوا اذا جاءکم فاسق بنبأٍ فتبیّنوا ان تصیبوا قوماً بجھالۃٍ فتصبحوا علیٰ ما

---

[1] کتاب کے فصل '' پیدائش افسانہ '' کی طرف رجوع کیا جائے ۔
[2] تمام سیرت لکھنے والوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فتح حنین کے بعد معاویہ اور اس کے باپ کو '' المؤلفۃ قلوبھم '' میں شمار فرمایا ہے ، اس لئے انھیں کچھ چیزیں دیدی ہیں ۔
[3] صحیح مسلم کے اس باب کی طرف رجوع کیا جائے کہ ''پیغمبر خدا نے جن پر لعنت کی ہے ''
[4] اس کے حالات پر اگلے صفحات میں روشنی ڈالی جائے گی۔

فَعلَتُمْ نادِمِین [۱]) لیکن کوفہ کا حاکم ہونے کی وجہ سے اس کا احترام کیا گیا ہے ۔یا ایک اور شخص، '' مروان حکم [۲]''جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کے باپ کے ساتھ طائف جلا وطن کیا تھا ،بعد میں ایک حاکم واقع ہونے کی وجہ سے عزت وا حترام کا مستحق بن جاتا ہے اور تاریخ میں اس کا نام عظمت کے ساتھ لیا جاتا ہے ۔ قریش کے بزرگوں اور حکمراں، فرماں روا اور امراء طبقے کے ایسے لوگوں کیلئے ضروری ہے کہ ان کی عزت و احترام محفوظ رہے اور ہم ان کی شخصیت کی حرمت کے محافظ بنیں، لیکن اس کے مقابلے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متقی و پرہیز گار تہی دست صحابی ''ابو ذر غفاری'' یا باتقویٰ اور خدا ترس صحابی '' سمیہ ''نامی کنیز کے بیٹے ''عمار یاسر '' یا '' عبدا لرحمان بن عدیس بلوی '' نامی نیک و پارسا صحابی جو اصحاب بیعت شجرہ میں سے تھے اور ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی: لَقَد رَضِیَ اللّٰہ عَنِ المؤمنین اِذْ یُبایِعُونَکَ تَحْتَ الشَّجَرۃِ فَعَلِمَ مافی قُلُوبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِینَۃَ عَلَیْھِمْ وَ اَثابَھُمْ فَتْحاً قَرِیباً [۳]) یا رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دوسرے صحابی جیسے، '' صوحان عبدی '' کے بیٹے زید اور ''صعصعہ'' اور ان جیسے دسیوں صحابی اور تابعین جو ریاست و حکومت کے عہدہ دار نہ تھے اور قریش کے سرداروں میں سے بھی نہ تھے ،انھیں اہمیت نہ دی جائے بلکہ ان کی ملامت اور طعنہ زنی کی جائے اور یمن کے صنعا سے ایک یہودی کو خلق کرکے اس خیالی اور جعلی شخص کو فرضی طور پر ان مقدس اشخاص میں قرار دیکر صاحبان قدرت اور حکومت سے ان کو ٹکرایا جائے اور...اس طرح سیف کی جعلی روایتیں شہرت پاکر رائج ہوجاتی ہیں اور ان کے بارے میں کسی قسم کی چھان بین اور تحقیق نہیں ہوتی ہے ۔

اس قسم کی داستانوں اور افسانوں (جنھیں جعل کرنے والوں نے صاحبان قدرت و حکومت کے دفاع اور ان کے مخالفوں کی سرکوبی کیلئے گڑھ لیا ہے) کی اشاعت ہوئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رائج ہوگئی ہیں ۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض افسانے

---

[۱] اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو ، ایسا نہ ہو کہ ایسی قوم تک ناواقفیت میں پہنچ جاؤ کہ جس کے بعد اپنے اقدام پر شرمندہ ہونا پڑے (حجرات ۶۰)

[۲] اسی کتاب کی فصل " پیدائش افسانہ شیبہ " اور دیگر فصلوں میں اس کے حالات کے بارے میں دی گئی تشریح کی طرف رجوع کیا جائے۔

[۳] یقیناًخدا صاحبان ایمان سے اس وقت راضی ہوگیا ، جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کررہے تھے پھر اس نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جو ان کے دلوں میں تھا تو ان پر سکون نازل کردیا اور انھیں اس کے عوض قریبی فتح عنایت کردی (فتح ۱۸)

اس حد تک مسلم تاریخی حقائق میں تبدیل ہوگئے ہیں کہ کوئی شک و شبہہ باقی نہیں رہا ہے اور بعض دانشور حضرات اس کے تحفظ کو اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں ۔جبکہ یہ اس حالت میں ہے کہ جسے انہوں نے دین کا نام دیا ہے وہ حکمراں طبقے اور ان سے مربوط افراد کی عزت و احترام کے تحفظ کے علاوہ کچھ نہیں ہے ۔ لیکن اصحاب و تابعین سے مربوط وہ لوگ جو مجبور ہوکر قدرت و حکومت سے دور رہ کر کمزور واقع ہوئے ہیں، ان دانشوروں کی نظروں میں قابل اہمیت و موردتوجہ قرار نہیں پائے ہیں، کیونکہ انہوں نے صاحبان قدرت و دولت کی پیروی نہیں کی ہے بلکہان کے موافق نہیں تھے ۔یہاں پر میں ایک بار پھر خداوند عالم کو شاہد قرار دیکر کہتا ہوں کہ جس چیز نے مجھے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب کی زندگی کے حالات کے بارے میں مطالعہ و تحقیق کرنے کی ترغیب دی، وہ یہ ہے کہ مجھے بچپنے ہی سے اسلام، رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اوران کے اصحاب کے متعلق جاننے و پہچاننے کی دلچسپی تھی اور میں نے اپنی اکثر زندگی اسی راہ میں گزاری ہے، تب جاکر اس زمانے کے وقائع اور روئدادوں کو پہچاننے اور ان کی طرف بڑھنے کی راہ کو آسان کرنے کیلئے اپنی تحقیقات کے نتیجہ کو شائع کیا ہے اور اس امید میں بیٹھا ہوں کہ محققین اس کام کو آگے بڑھائیں گے اور اس چھان بین کو دقیق اور مضبوط تر صورت میں انجام دیں گے، میں اس کتاب کے قارئین کو اطمینان دلاتا ہوں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب کے تئیں میری محبت اور وفاداری ان سے کم نہیں ہے جو اس سلسلے میں تظاہر کرتے ہیں، البتہ اس سلسلہ میں اصحاب کے وہ افراد جن کا تاریخ میں اسلام کی نسبت نفاق اور دو رخی ثابت ہو چکی ہے، اس کے علاوہ میں احترام اوران کی پرستش میں فرق کا قائل ہوں، کیونکہ میں مشاہدہ کررہا ہوں کہ ان دانشوروں نے اصحاب کی عزت و احترام کو تقدیس و ستائش کی اس حد تک آگے بڑھایا ہے کہ ان میں سے بعض افراد اپنے شائستہ اسلاف کی (خدا کی پنا ہو) غیر شعوری طور پر پرستش کرنے لگے ہیں، خداوند ہمیں، ان کو اور تمام مسلمانوں کو اس غلطی سے نجات دے ۔

بعض لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ جس کسی نے بھی پیغمبر خدا کو دیکھا ہے اور اس دیدار کے دوران اگر ایک لمحہ کیلئے بھی مسلمان ہوگیا ہے، وہ صحابی ہے اور ان کے اعتقاد کے مطابق صحابی فرشتہ جیسا ہے جس کی فطرت میں خواہشات اور غریزے کا دخل نہیں ہوتا، لہذا وہ جب اس کے برعکس کچھ سنتے ہیں تو برہم ہوجاتے ہیں اور ایسی باتوں کو پسند نہیں کرتے ہیں اور اس طرز تفکر کی وجہ سے یہ لوگ کافی مشکلات سے دوچار ہوئے ہیں فی الحال ان پر بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے ۔آخر کلام میں امید رکھتا ہوں کہ باریک بین اور تیز فہم حضرات، اس کتاب کی پہلی طباعت کے مقدمہ میں چھپے ہوئے میرے اس جملہ کو پڑھ لیں '': جو لوگ تاریخ میں لکھی گئی چیزوں کو بوڑھی عورتوں کے خرافات اور بیہودگیوں کی نسبت تعصب کے مانند اعتقاد رکھتے ہیں، وہ اس کتاب کو نہ پڑھیں'' اس کے علاوہ بھی چند تنقیدیں ہوئی ہیں، مثلاً اعتراض کیا گیا ہے کہ کیوں اس کتاب کا نام '' عبد اللہ بن سبا '' رکھا گیا ہے جبکہ اس میں ''عبد اللہ بن سبا '' کی بہ نسبت دوسری داستانیں زیادہ ہیں ؟

اس سوال کا ہم نے اس کتاب کی پہلی طباعت کے مقدمہ میں جواب دیدیا ہے اور اس کے علاوہ کتاب کے سرورق پر واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ یہ کتاب '' عبد اللہ بن سبا '' اور دیگر تاریخی داستانوں پر مشتمل ہے مزید ہم نے پہلی طباعت کے مقدمہ میں کہا ہے '':قارئین کرام جلدی ہی سمجھ لیں گے کہ یہ کتاب صرف عبد اللہ بن سبا اور اس کی داستان سے مربوط نہیں ہے،بلکہ بحث کا دامن اس سے وسیع تر ہے''... ہم نہیں سمجھتے کہ اس کے باوجود تنقید کرنے والوں کیلئے یہ مطلب کیونکر پوشیدہ رہ گیا ؟!ضمناً ہم نے کتاب کے آخر میں مصر کے معاصر دانشور جناب ڈاکٹر احسان عباس کی عالمانہ تنقید اور ان کے سوالات درج کرنے کے بعد ان کا جواب لکھا ہے ۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب اس تحریر کو میں نے ذی الحجۃ ۱۳۸۷ھ عید قربان کے دن منی کے خیموں میں مکمل کیا ہے خداوند عالم مسلمانوں کیلئے ایسی عیدیں باربار لائے اور وہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے احکام الٰہی کو انجام دینے میں تلاش و جستجو کریں تاکہ خداوند عالم ان کی حالت کو بدل دے ۔اِنّ اللّٰہ لایُغیّرُ ما بقومٍ حتّیٰ یُغیّروا ما بانفسھم صدق اللہ العلیّ العظیم

[1] کتاب الاصابہ، (۱/۱۰) الفصل الاول " فی تعریف الصحابی " کی طرف رجوع کیا جائے ۔
[2] خدا کسی قسم کے حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک خود اپنے کو تبدیل نہ کرے رعد ۱۱/۱۳)

سید مرتضی عسکری مباحث پر ایک نظر

کتاب کی دوسری طباعت پر مصنف کا مقدمہ یں نے حدیث اور تاریخ اسلام کی چھان بین اور تحقیق کے دوران حاصل شدہ نتیجہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے اور فیصلہ کرچکا ہوں کہ ہر حصے میں اپنی تحقیق کے نتائج کو براہ راست شائع کروں، یہ چار حصے حسب ذیل ہیں: اول : حدیث و تاریخ پر اثر ڈالنے والے تین بنیادی اسباب کی تحقیق۔ الف۔پوجا اور پرستش کی حد تک بزرگوں کی ستائش کا اثر ب۔

وقت کے حکام کا حدیث اور تاریخ پر اثر ج۔ حدیث اور تاریخ پر مذہبی تعصب کا اثر اس بحث میں مذکورہ تین مؤثر کی وجہ سے دیث اور تاریخ میں پیدا شدہ تحریف اور تبدیلیوں پر چھان بین ہوئی ہے لیکن آج تک اسے نشر کرنے کی توفیق حاصل نہیں ہوئی ہے۔ دوم : ام المؤمنین عائشہ کی احادیث یہ بحث دو حصوں میں تقسیم ہوئی ہے، اس کا پہلا حصہ حضرت عائشہ کی حالات زندگی سے متعلق ہے، جو عربی زبان میں ۳۱۴ صفحات پر مشتمل ۱۳۸۰ھ میں تھران میں شائع ہوا ہے اور اس کا دوسرا حصہ ام المؤمنین کی احادیث کے تجزیہ و تحلیل پر مشتمل ہے یہ حصہ ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے ۔

سوم : صحابہ کی احادیث اس حصہ میں بعض اصحاب کی احادیث، جن میں ابو ہریرہ کی احادیث اہم تھیں، جمع کی گئی ہیں اور میں اس کو شائع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، لیکن جب میں نے آیت اللہ سید عبدالحسین شرف الدین کی کتاب ''ابو ہریرہ'' دیکھی تو اسے اس سلسلے میں کافی سمجھ کر اپنی کتاب کو شائع کرنے سےمنصرف ہوگیا ۔

چہارم : سیف کی احادیث: اس حصہ میں سیف بن عمیر کی روایتوں کی چھان بین کی گئی ہے جن میں اس نے ۱۱ھ سے ۳۷ھ تک کے تاریخی وقائع نقل کئے ہیں ۔ سیف نے پہلے سقیفہ، پھر مرتدوں سے جنگ اور اس کے بعد خلفائے ثلاثہ کے دوران مسلمانوں کی فتوحات کے بارے میں لکھا ہے اور آخر میں اسلامی شہروں میں حضرت عثمان کی حکومت اور بنی امیہ کے خلاف بغاوتوں کو عثمان

کے قتل تک کے واقعات کی وضاحت کی ہے پھر امیر المؤمنین کی بیعت اور جنگ جمل کی بات کی ہے، اور ان وقائع میں بنی امیہ کی بدکرداریوں کی پردہ پوشی کرنے کیلئے عبد اللہ بن سبا اور سبائیوں کا افسانہ گڑھ لیا ہے، اس طرح ان تمام وقائع کو بنی امیہ اور قریش کے تمام اشراف کے حق میں خاتمہ بخشتا ہے ۔ میں نے اس حصہ میں سیف کے چند افسانوں کو تاریخ کی ترتیب سے درج کرکے '' احادیث سیف '' کے عنوان سے طباعت کیلئے آمادہ کیا ،مرحوم شیخ راضی آل یاسین کو میری تصنیف کے بارے میں اطلاع ملی اور انہوں نے فرمایا کہ : سیف بن عمیر ناشناختہ ہے لہذا '' احادیث سیف '' کا عنوان جذابیت نہیں رکھتا ہے، چونکہ سیف کا سب سے بڑا افسانہ '' عبد اللہ بن سبا '' اور سبائی ہے، لہذا بہتر ہے اس کتاب کا نام ''' عبد اللہ بن سبا '' رکھا جائے، اس لئے اس کتاب کا نام بدل کر '' عبد اللہ ابن سبا '' رکھا اور اسے طباعت کے لئے پیش کیا ۔ اس کتاب کی طباعت کے دوران مجھے معلوم ہوا کہ سیف کے افسانوں کے بہت سے سورما پیغمبر خداء کے اصحاب کے طور پر پیش کئے گئے ہیں لہذا اس کتاب کی پہلی جلد کے آخر میں اس کے بارے میں اشارہ کرنے کے بعد اس سلسلے میں اصحاب پیغمبرء کے بارے میں حالات درج کئے گئے منابع اور کتابوں کی تحقیق کی، اور مطالعہ کرنے لگا اس تحقیق کے نتیجہ میں '' ایک سو پچاس جعلی اصحاب '' کے عنوان سے ایک الگ کتاب تألیف کی اور طباعت کے حوالے کی ۔ لہذا سیف کی احادیث کے بارے میں بحث تین حصوں میں انجام پائی: ١۔ عبد اللہ بن سبا اور چند دیگر افسانے ۔

٢۔ عبد اللہ بن سبا اور سبائیوں کا افسانہ۔

٣۔ ایک سو پچاس جعلی اصحاب ۔

پہلے حصہ میں سیف کی پندرہ قسم کی روایتوں کی حیات پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عثمان کی خلافت تک ان کے واقع ہونے کے سالوں کی ترتیب سے چھان بین کی گئی ہے ۔ یہ حصہ کتاب '' عبداللہ بن سبا '' کی پہلی جلد پر مشتمل ہے، جس میں درج ذیل دو موضوعات پر بحث کی گئی ہے:ا۔ اسامہ کا لشکر

۲۔ سقیفہ اور ابوبکر کی بیعت اس کتاب کی دوسری جلد میں مندرجہ ذیل موضوعات پر بحث کی گئی ہے ۔

۳۔ اسلام میں ارتداد ۔

۴۔ مالک بن نویرہ کی داستان۔

۵۔ علاء حضرمی کی داستان۔

۶۔ حوأب کی سرزمین اور وہاں کے کتے۔

۷۔ نسلِ زیاد کی اصلاح۔

۸۔ مغیرہ بن شعبہ کے زنا کی داستان ۔

۹۔ ابو محجن کی شراب نوشی ۔

۱۰۔ سیف کے ایام ۔

۱۱۔ شوریٰ اور عثمان کی بیعت ۔

۱۲۔ ہرمزان کے بیٹے قاذبان کی داستان۔

۱۳۔ تاریخ کے سالوں میں سیف کی دخل اندازی۔

۱۴۔ سیف کے افسانوی شہر

۱۵۔ خاتمہ کتاب کی اس جلد کو عربی متن کے ساتھ مطابقت کرنے کے بعد اس میں روایتوں کے مآخذ کی چھان بین اور جعلی اصحاب کو مشخص کرنے کے سلسلے میں چند اہم حصوں کا اضافہ کرکے طباعت کیلئے پیش کیا گیا ۔ خدائے تعالی سے استدعا ہے کہ ہمیں اس کتاب کی دوسری جلد اور کتاب "۱۵۰ جعلی اصحاب" کو طبع کرنے کی توفیق عنایت فرمائے سید مرتضی عسکری تہران جمعہ ۱۴،۴، ۱۳۸٦ھ

آغاز بحث

پہلی طباعت کا مقدمہ میں ۱۳٦۹ھ میں حدیث و تاریخ کے بارے میں چند موضوعات کا انتخاب کرکے ان پر تحقیق و مطالعہ کررہا تھا، منابع و مآخذ کا مطالعہ کرنے کے دوران میں نے حدیث اور تاریخ کی قدیمی، مشہور اور معتبر ترین کتابوں میں موجود بعض روایتوں کے صحیح ہونے میں شک کیا، اس کے بعد میں نے شک وشبہہ پیدا کرنے والی راویتوں کو جمع کرکے انھیں دوسری روایتوں سے موازنہ کیا اس موازنہ نے مجھے ایک ایسی حقیقت کی راہنمائی کی جو فراموشی کی سپرد ہوچکی تھی اور تاریخ کے صفحات میں گم ہوکر زمانے کے حوادث کی شکار ہوچکی تھی ۔ جب اس قسم کی روایتوں کی تعداد قابل توجہ حد تک بڑھ کر ایک مستقل کتاب کی شکل اختیار کرگئی تو میں نے اخلاقی طور پر اس ذمہ داری کا احساس کیا کہ اس ناشناختہ حقیقت کے چہرہ سے پردہ اٹھاؤں۔

اس کے بعد میں نے اس سلسلے میں لکھی گئی یادداشتوں کو چند فصلوں میں تقسیم کیا اور انھیں "احادیث سیف" کا نام دیا، میرے اس کام سے "کتاب صلح حسن" کے مؤلف جناب شیخ راضی یاسین طاب ثراہ آگاہ ہوئے اور انہوں نے مجھے اس بحث کو جاری رکھنے کی حوصلہ افزائی فرمائی اور یہ تجویز پیش کی کہ اس کتاب کا نام "عبد اللہ بن سبا" رکھوں، اور میں نے بھی ان کی تجویز سے اتفاق

کیا۔ میری تحقیق کا یہ کام سات سال تک یوں ہی پڑا رہا اور اس دوران گنے چنے چند دانشوروں کے علاوہ اس سلسلے میں کوئی اور آگاہ نہ ہوا، جس چیز نے مجھے اس مدت کے دوران اس کتاب کی طباعت سے روکا، وہ یہ تھا کہ میں اس امر سے ڈرتا تھا کہ بعض مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے، کیونکہ احادیث اور روایات کا یہ مجموعہ ان واقعات کے بارے میں تھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کے بعد ۳۷ھ تک گزرے ہیں، اس مدت کے بارے میں لکھی گئی تاریخ، عام مسلمانوں کیلئے امر واقعی کے طور پر ثبت ہوچکی تھی اور ان کے اعتقادات کے مطابق اس میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں تھی عام لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ اس زمانے کے بارے میں لکھی گئی تاریخ ان کے دینی عقائد کا جز ہے اور پسماندگان کو کسی قسم کے چون، چرا کے بغیر اسے قبول کرنا چاہئے ۔ یہ مباحث، تاریخ کی بہت سی ایسی بنیادوں کو تہس نہس کرکے رکھ دیتے ہیں، جنھیں تاریخ دانوں نے بنیاد قرار دیکر ناقابل تغیر سمجھا ہے ۔ اس کے علاوہ یہ مباحث اسلام کی بہت سی تاریخی داستانوں کو غلط ثابت کرتے ہیں اور بہت سے قابل اعتماد منابع و مآخذ کے ضعیف ہونے کا ثبوت بھی پیش کرتے ہیں[1]۔ قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں گے کہ یہ بحث ''عبد اللہ بن سبا'' اور اس کے افسانوں تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا دامن کافی وسیع اور عمیق تر ہے ۔

اس سبب اور چند دیگر اسباب کی بنا پر اس کتاب کو شائع کرنے کے سلسلے میں میرے دل میں خوف پیدا ہوا تھا، لیکن جب میں نے اس موضوع کے ایک حصہ کو تاریخ پر تحقیقاتی کام انجام دینے والے دو عالیمقام دانشوروں کی تحریروں میں پایا تو میرے حوصلے بڑھ گئے اور میں نے ان مباحث کو شائع کرنے کا فیصلہ کیا ۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ میں نے ان مباحث میں قدیمی ترین تاریخی منابع و مآخذ سے استفادہ کیا ہے اور پانچویں صدی کے بعد والے کسی شخص سے کوئی بات نقل نہیں کی ہے مگر یہ کہ پانچویں صدی کے بعد نقل کی گئی کسی بات کی بنیاد متقدمین سے مربوط ہو اور صرف اس کی شرح و تفصیل اس کے بعد والوں کسی نے کی ہو۔ وللہ الحمد و منہ التوفیق بغداد ۱۵ رمضان ۱۳۷۵ھ مرتضی عسکریعبد اللہ بن سبا کا افسانہ

[1] اس لئے " پیرزال " کے مانند تاریخ میں لکھے گئے خرافات و توہمات پر ایمان و اعتقاد رکھنے والے حضرات کو یہ کتاب پڑھنی چاہئے ۔

افسانہ کی پیدائش ۔افسانہ کے راویوں کا سلسلہ ۔سیف بن عمر ۔ عبد اللہ بن سبا کے افسانہ کو گڑھنے والا۔عبد اللہ بن سبا کے افسانہ کی پیدائش '' ھٰذہ ہی أسطورۃ ابن سبأ یا یجاز ''یہ افسانۂ عبد اللہ بن سبا اور اس کی پیدائش کا خلاصہ ہے۔ایک ہزار سال سے زائد عرصہ پہلے مؤرخین نے ''ابن سبا '' کے بارے میں قلم فرسائی کرکے اس سے اور سبائیوں (اس کے ماننے والوں) سے حیرت انگیز اور بڑے بڑے کارنامے منسوب کئے ہیں ۔ لہذا دیکھنا چاہئے کہ یہ ابن سبا کون ہے ؟اور سبائی کون ہیں ؟ابن سبا نے کونسے دعوے کئے ہیں اور کیا کارنامے انجام دئے ہیں؟مؤرخین نے جو کچھ ''ابن سبا '' کے بارے میں لکھا ہے ،اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے صنعا ،یمن کے ایک یہودی نے عثمان کے زمانے میں بظاہر اسلام قبول کیا ،لیکن خفیطور پر مسلمانوں کے درمیان اختلاف و افتراق پھیلانے میں مصروف تھا اور مسلمانوں کے مختلف بڑے شہروں جیسے ،شام ،کوفہ ،بصرہ اور مصر کا سفر کرکے مسلمانوں کے اجتماعات میں شرکت کرتا تھا اور لوگوں میں اس امر کی تبلیغ کرتا تھا کہ پیغمبر اسلامؐ کیلئے بھی حضرت عیسیؑ کی طرح رجعت مخصوص ہے اور دیگر پیغمبروں کی طرح حضرت محمد مصطفیؐ کیلئے بھی ایک وصی ہے اور وہ حضرت علی علیہ السلام ہیں وہ خاتم الاوصیاء ہیں جیسے کہ حضرت محمدؐ خاتم الانبیاء ہیں ۔ عثمان نے اس وصی کے حق کو غصب کرکے اس پر ظلم کیا ہے،لہذا شورش اور بغاوت کرکے اس حق کو چھین لینا چاہئے ۔

مؤرخین نے اس داستان کے ہیرو کا نام ''عبد اللہ بن سبا ''اور اس کا لقب ''ابن امۃ السوداء '' (سیاہ کنیز کا بیٹا)رکھا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اسی عبد اللہ بن سبا نے اپنے مبلغین کو اسلامی ممالک کے مختلف شہروں میں بھیج کر انھیں حکم دیا تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بہانے، وقت کے حاکموں کو کمزور بنادیں ،نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت اس کی گرویدہ بن گئی اور انھوں نے اس کے پروگرام پر عمل کیا ،حتی ابوذر، عمار بن یاسر اور عبدا لرحمان بن عدیس جیسے پیغمبرؐ کے بزرگ صحابی اور مالک اشتر جیسے بزرگ تابعین اور مسلمانوں کے دیگر سرداروں کو بھی ان میں شمار کیا ہے ۔کہتے ہیں کہ سبائی جہاں کہیں بھی ہوتے تھے ،اپنے قائد کے پروگرام کو آگے بڑھانے کی غرض سے لوگوں کو علاقہ کے گورنروں کے خلاف بغاوت پر اکساتے تھے

او روقت کے حکام کے خلاف بیانات اور اعلانیہ لکھ کر مختلف شہروں میں بھیجتے تھے ۔ اس تبلیغات کے نتیجہ میں لوگوں کی ایک جماعت مشتعل ہوکر مدینہ ک طرف بڑھی اور عثمان کو ان کے گھر میں محاصرہ کرکے انھیں قتل کر ڈالا ۔ کہ سب کام سبائیوں کی قیادت میں اور انھیں کے ہاتھوں سے انجام پاتے تھے ۔اس کے علاوہ کہتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے علی علیہ السلام کی بیعت کی اور عائشہ، عثمان کی خونخواہی کیلئے طلحہ و زبیر کے ہمراہ، راہی بصرہ ہوئی تو شہر بصرہ کے باہر علی علیہ السلام اور عائشہ کی سپاہ کے سرداروں، طلحہ و زبیر کے درمیان گفت و شنید ہوئی ۔ سبائی جان گئے کہ اگر ان میں مفاہمت ہوجائے تو قتل عثمان کے اصلی مجرم، جو سبائی تھے ،ننگے ہوکر گرفتار ہوجائیں گے ۔ اس لئے انہوں نے راتوں رات یہ فیصلہ کیا کہ ہر حیلہ و سازش سے جنگ کی آگ کو بھڑکا دیں ۔اس فیصلہ کے تحت خفیہ طور پر ان کا ہی ایک گروہ علی علیہ السلام کے لشکر میں اور ایک گروہ طلحہ و زبیر کے لشکر میں گھس گیا ۔ جب دونوں لشکر صلح کی امید میں سوئے ہوئے تھے تو، علی علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہوئے گروہ نے مقابل کے لشکر پر تیر اندازی کی اور دوسرے لشکر میں موجود گروہ نے علی علیہ السلام کے لشکر پر تیر اندازی کی ۔ نتیجہ کے طور پر دونوں فوجوں میں ایک دوسرے کے خلاف بدگمانی اور بے اعتمادی پیدا ہوگئی جس کے نتیجہ میں جنگ بھڑک اٹھی ۔

کہتے ہیں کہ اس بنا پر بصرہ کی جنگ، جو جنگ جمل سے معروف ہے چھڑ گئی ورنہ دونوں لشکروں کے سپہ سالاروں میں سے کوئی ایک بھی اس جنگ کیلئے آمادہ نہ تھا اور وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اس جنگ کا اصلی عامل کون تھا ۔اس افسانہ ساز نے داستان کو یہیں پر ختم کیا ہے اور سبائیوں کی سرنوشت کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں کیا ہے ۔یہ تھا ''سبائیوں'' کے افسانہ کا ایک خلاصہ۔اب ہم اس کی بنیاد پر بحث کرنے سے پہلے مناسب سمجھتے ہیں کہ ''سبائیوں'' میں شمار کئے گئے بزرگوں میں سے بعض کے بارے میں جانکاری حاصل کریں ۱۔ ابوذر

۲۔ عمار بن یاسر

۳۔ عبد الرحمان بن عدیس

۴۔ صعصعہ بن صوحان

۵۔ محمد بن ابی حذیفہ

٦۔ محمد بن ابی بکر، خلیفہ اول کے بیٹے۔

۷۔ مالک اشتر

ا۔ابوذران کا نام جندب بن جنادۂ غفاری تھا ،وہ اسلام لانے میں سبقت حاصل کرنے والے پہلے چار افراد میں چوتھے شخص تھے، وہ جاہلیت کے زمانے میں بھی خدا پرست تھے اور بت پرستی کو ترک کر چکے تھے، جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو مکہ مکرمہ میں بیت اللہ الحرام کے اندر اپنے اسلام کا اظہار کیا اس لئے قریش کے بعض سرداروں نے انھیں پکڑ کر اس قدر ان کی پٹائی کی کہ وہ لہو لہان ہوکر زمین پر بیہوش گر پڑے، وہ اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ کر چلے گئے، ہوش میں آنے کے بعد وہ پیغمبر خداؐ کے حکم سے واپس اپنے قبیلہ میں چلے گئے اور بدر و احد کے غزوات کے اختتام تک وہیں مقیم رہے۔

اس کے بعد مدینہ آئے او رآنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلمؐ کی رحلت کے بعد انھیں شام بھیجا گیا ، لیکن عثمان کے زمانے میں معاویہ نے ان کے بارے میں خلیفہ کے یہاں شکایت کی اور عثمان نے انھیں مکہ و مدینہ کے درمیان ''ربذہ '' نام کی ایک جگہ پر جلا وطن کردیاا ور آپ ۳۲ھ میں وہیں پر وفات پاگئے ۔ابوذر کی مدح و ستائش میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بہت سی احادیث موجود ہیں من جملہ آپ نے فرمایا '': ما أظلّت الخضراء و لا اقلّت الغبراء علی ذی لھجۃ اصدق من ابی ذر''آسمان اور زمین نے ابوذر جیسے راستگو شخص کو نہیں دیکھا ہے[1] ۲۔ عمار بن یاسر

[1] ابو ذر کی تشریح ، طبقات ابن سعد، ج ۴. ص ۱۶۱ ۔ ۱۷۱، مسند احمد، ج ۲، ۱۶۳و ۱۷۵، ۲۶۳، ج۵، ۱۴۷ و ۱۵۵، ۱۵۹، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۷۲، ۱۷۴، ۳۵۱، ۳۵۶، و ج ۶، ۴۴۲، اور صحیح بخاری و صحیح ترمذی اور صحیح مسلم کتاب مناقب میں ملاحظہ ہو۔

ان کی کنیت ابو یقظان تھی اور قبیلہ بنی ثعلبہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کی والدہ کا نام سمیہ تھا، ان کا بنی مخزوم کے ساتھ معاہدہ تھا۔ عمار اور ان کے والدین اسلام کے سابقین میں سے تھے، وہ ساتویں شخص تھے جس نے اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا، عمار کے والد اور والدہ نے اسلام قبول کرنے کے جرم میں قریش کی طرف سے دی گئیں جسمانی اذیتوں کا تاب نہ لا کر جان دیدی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے عمار کی ستائش میں کئی صحیح احادیث روایت ہوئی ہیں، من جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: عمار کی سرشت ایمان سے لبریز ہے[1]۔ انہوں نے جنگِ جمل اور صفین میں حضرت علی علیہ السلام کی رکاب میں شرکت کی ہے اور جمعرات ۹ صفر ۳۷ھ کو ۹۳ سال کی عمر میں شہید ہوئے ہیں۔[2]

۳۔ محمد بن ابی حذیفہ ان کی کنیت ابو القاسم تھی۔ وہ عتبہ بن ربیعہ عبشمی کے فرزند تھے، ان کی والدہ سہلہ بنت عمرو عامریہ تھیں، محمد بن ابی حذیفہ، رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانے میں حبشہ میں پیدا ہوئے ہیں، ان کے باپ ابو حذیفہ یمامہ میں شہید ہوئے تو عثمان نے اسے اپنے پاس رکھ کر اس کی تربیت کی ابن ابی حذیفہ کے بالغ ہونے اور عثمان کے خلافت کے عہدے پر پہنچنے کے بعد اس نے عثمان سے مصر چلے جانے کی اجازت چاہی۔ عثمان نے بھی اجازت دیدی، جب مصر پہنچے تو دوسروں سے زیادہ لوگوں کو عثمان کے خلاف اکسانے پر معروف ہوئے، جب ۳۵ھ میں عبد اللہ بن ابی سرح اپنی جگہ پر عقبہ بن عامر کو جانشین قرار دے کر مدینہ چلا گیا تو محمد بن ابی حذیفہ نے اس کے خلاف بغاوت کی اور عقبہ بن عامر کو مصر سے نکال باہر کیا اس طرح مصر کے لوگوں نے محمد بن ابی حذیفہ کی بیعت کی اور عبد اللہ بن ابی سرح کو مصر سے واپس آنے نہ دیا، اس کے بعد محمد بن ابی حذیفہ نے عبد الرحمان بن عدیس کو چھ سو سپاہیوں کی قیادت میں عثمان سے لڑنے کیلئے مدینہ روانہ کیا، جب حضرت علی علیہ السلام خلیفہ ہوئے تو آپ نے محمد بن ابی حذیفہ کو مصر کی حکمرانی پر بدستور برقرار رکھا، وہ اس وقت تک مصر کے حاکم رہے جب معاویہ صفین کی طرف جاتے ہوئے محمد

[1] ان عماراً ملیء ایماناً الی مشاشہ''

[2] ملاحظہ ہو: مروج الذہب، مسعودی، ج ۲، ۲۱ ـ ۲۲، طبعی و ابن اثیر میں حوادث سال ۳۶ ـ ۳۷ ھ، انساب الاشراف بلاذری، ج۵، ص ۴۸ ـ ۸۸، طبقات ابن سعد، ج ۳، ق ۱، ۱۶۶ـ ۱۸۹، مسند احمد، ج ۱، ۹۹ و ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۳۰، ۱۳۷، ۲۰۴، اور ج ۲، ۱۶۱، ۱۶۳، ۲۰۶، و ج ۳، ۲۲، ۵، ۲۸۔

بن ابی حذیفہ کی طرف بڑھا، محمد مصر سے باہر آئے اور معاویہ کو ''قطاط'' میں داخل ہونے سے روکا، آخر کار نوبت صلح پر پہنچی اور طے یہ پایا کہ محمد بن ابی حذیفہ تیس افراد من جملہ عبد الرحمان بن عدیس کے ہمراہ مصر سے خارج ہوجائیں اور معاویہ کی طرف سے انھیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا، لیکن ان کے مصر سے خارج ہونے کے بعد معاویہ نے انھیں مکر و فریب سے گرفتار کرکے دمشق کے زندان میں مقید کر ڈالا کچھ مدت کے بعد معاویہ کے غلام ''رشدین'' نے محمد بن ابی حذیفہ کو قتل کر ڈالا، محمد بن ابی حذیفہ ان افراد میں سے ایک تھے جنہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیصحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا[1]۔

۴۔ عبد الرحمان بن عدیس بلوی وہ صاحب بیعت شجرہ تھے ۔ مصر کی فتح میں شریک تھے اور وہاں پر ایک زمین کو آباد کرکے اس کے مالک بن گئے تھے، مصر سے عثمان کے خلاف لڑنے کیلئے روانہ ہوئے لشکر کی سرپرستی اور کمانڈری ان کے ذمہ تھی، معاویہ نے محمد بن ابی حذیفہ سے صلح کا عہد وپیمان باندھنے کے بعد مکرو فریب سے عبد الرحمان بن عدیس کو پکڑ کر فلسطین کے ایک جیل میں ڈالدیا، ۳۶ھ میں اس نے جیل سے فرار کیا لیکن اس کو دوبارہ پکڑ کر قتل کردیا گیا[2]۔

۵۔ محمد بن ابی بکر ان کی والدہ کا نام اسماء تھا اور وہ عمیس خثعمیہ کی بیٹی تھی، جعفر ابن ابیطالبؑ کی شہادت کے بعد ان کی بیوی اسماء نے ابوبکر سے شادی کی تھی اور حجۃ الوداع میں مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ پیدا ہوئے پھر ابوبکر کی وفات کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی آغوش تربیت میں پروان چڑھے، اور جنگ جمل میں آنحضرت کے ہمرکاب رہے اور پیادہ لشکر کی کمانڈری بھی کی۔ حضرت علی علیہ السلام کی حمایت میں تلوار چلائی اور اس جنگ میں پیدل فوج کی کمانڈر تھے ۔ انہوں نے جنگ صفین میں بھی شرکت کی ہے اور اس جنگ کے بعد امیر المؤمنین کی طرف سے مصر کے گورنر مقرر ہوئے اور ۱۵ رمضان المبارک ۳۷ھ کو مصر پہنچ گئے، معاویہ نے ۳۸ھ کو عمرو عاص کی سرکردگی میں مصر پر فوج کشی کی، عمرو عاص نے مصر پر قبضہ جمانے کے بعد محمد بن ابوبکر کو

---

[1] اصابہ ، حرف میں ق ۱/ ج۳/ ۵۴، اسد الغابہ، ج ۴/ ص ۳۱۵، الاستیعاب ،ج ۳/ ۳۲۱۔۳۲۲۔
[2] اصابہ، ج ۴/ ۱۷۱ ق ۱، حرف عین ، استیعاب حرف عین کی طرف مراجعہ کریں۔

گرفتار کرکے اسے قتل کر ڈالا پھران کی لاش کو ایک مردار خچر کی کھالمیں ڈال کر نذر آتش کیا[1]۔ ۶۔ صعصعہ بن سوہان عبدی انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانے میں اسلام قبول کیا ہے، وہ فصیح تقریر کرنے والا ایک شخص تھا انہوں نے جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کی حمایت میں معاویہ سے جنگ کی ہے، جب معاویہ نے کوفہ پر تسلط جمایا تو صعصعہ کو بحرین جلا وطن کردیااور انہوں نے وہیں پر وفات پائی[2]۔

۷۔ مالک اشترانہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو درک کیا ہے، تابعین کے ثقات میں شمار ہوتے تھے، مالک اشتر اپنے قبیلے کے سردار تھے، چونکہ یرموک کی جنگ میں ان کی آنکھ زخمی ہوگئی تھی اس لئے انہیں ''اشتر'' لقب ملا تھا ،انہوں نے جنگ جمل اور صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے رکاب میں آپ کے دشمنوں سے جنگ لڑی اور نمایاں کامیابی حاصل کی، ۳۸ھ میں حضرت علی علیہ السلام نے انھیں مصر کا گورنر مقرر کیا ور وہ مصر کی طرف بڑھ گیے، جب وہ قلزم (بحر احمر) پہنچے تو معاویہ کی ایک سازش کے تحت انھیں زہر دیا گیا جس کے نتیجہ میں وہ وفات پاگئے!یہ تھا صدر اسلام کے بزرگ مسلمانوں کے ایک گروہ کے حالات کا خلاصہ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ مؤرخین کی ایک جماعت نے انھیں ایک نامعلوم یہودی کی پیروی کرنے کی تہمت لگائی ہے؟!!!اب جب کہ ہمیں معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن سبا کا افسانہ کیاہے، تو اب مناسب ہے اس افسانہ کے سرچشمہ اور آغاز کی تلاش کریں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس کو کس نے گڑھ لیا ہے اور اس کے راوی کون ہیں ۔

بارہ صدیاں گزر گئیں کہ مؤرخین ''عبدا للہ بن سبا'' کے افسانہ کو لکھتے چلے آرہے ہیں ۔ جتنا بھی وقت گزرتا جارہاہے، اس افسانہ کو زیادہ سے زیادہ شہرت ملتی جارہی ہے، یہاں تک کہ آج بہت کم ایسے قلم کار دکھائی دیتے ہیں جنہوں نے اصحاب کے بارے میں قلم فرسائی کی ہو اور اپنی تحریرات میں اس افسانہ کو لکھنا بھول گئے ہوں!بے شک گزشتہ اور موجودہ قلم کاروں میں یہ فرق ہے کہ

---

[1] تاریخ طبری ، سال ۳۸.۳۷ ھ کے واقعات کے ذیل میں، اصابہ، ج ۳/۴۵۱ق، حرف میم ، استیعاب ،ج ۳/ ۳۲۸ و ۳۲۹ ملاحظہ ہو

[2] اصابہ، ج۳/ ۱۹۲ حرف ص ، استیعاب، ج۲/ ۱۸۹۔ استیعاب ، ابی بکر کے ترجمہ کے ذیل میں ج ۳/ ۳۲۷، اصابہ ج ۳/ ۴۶۹، اور افسانۂ عبدا للہ بن سبا کے راوی'' اکثر من عشرة قرون و المؤرّخون یکتبوں هذه القصة''دس صدیوں سے زیادہ عرصہ سے مورخین اس افسانہ کو صحیح تاریخ کے طورپر لکھتے چلے آئے ہیں ۔

قدیمی مؤلفین نے اس افسانہ کو حدیث اور روایت کے روپ میں لکھا ہے اور اس افسانہ کو اپنی گڑھی ہوئی روایتوں کی صورت میں بیان کیا ہے جبکہ معاصر مؤلفین نے اس کو علمی اور تحقیقاتی رنگ سے مزین کیا ہے ۔اس لحاظ سے اگر ہم اس موضوع کی علمی تحقیق کرنا چاہئیں تو ہم مجبور ہیں پہلے اس افسانہ کے سرچشمہ اور اس کے راویوں کی زندگی کے بارے میں ابتداء سے عصر حاضر تک چھان بین کریں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ کن لوگوں اور کن منابع کی بنا پر اس داستان کی روایت کی گئی ہے اس کے بعد اصلی داستان پر بحث کرکے اپنا نظریہ پیش کریں ۔

مسلمان تاریخ نویسوں کی نظر میں عبداللہ بن سبا کی داستان

ا۔ سید رشید رضا[1] متأخرین میں سے سید رشید رضا نے یوں کہا ہے '' : چوتھے خلیفہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے نام پر شیعیت، امت محمدی میں دینی اور سیاسی اختلاف کا آغاز تھا ،پہلا شخص جس نے تشیع کے اصول گڑھے ہیں، وہ عبد اللہ بن سبا نامی ایک یہودی تھا جس نے مکر و فریب کی بنا پر اسلام کا اظہار کیا تھا ۔ وہ لوگوں کو علی علیہ السلام کے بارے میں غلو کرنے کی دعوت دیتا تھا تا کہ اس طرح امت میں اختلاف اور تفرقہ پھیلا کر اسے تباہ و برباد کرے[2] سید رشید رضا اس داستان کو اپنی کتاب کے چھٹے صفحہ تک جاری رکھتے ہوئے اس پر اپنا خاطر خواہ حاشیہ لگایا ہے، جب ہم اس سے اس خیالی داستان کے ثبوت اور مصادر کے بارے میں پوچھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ داستان کو نقل کرنے کے بعد یوں لکھا ہے '' : اگر کوئی تاریخ ابن اثیر کی تیسری جلد کے صفحہ ۹۵ ۔ ۱۰۳پر جنگ جمل کے واقعہ کی خبر کا مطالعہ کرے تو اسے بخوبی معلوم ہوگا کہ '' سبائیوں '' نے کس حد تک اختلاف اندازی کی ہے اور نہایت ذہانت اور چالاکی سے اپنی مہارت کا اظہار کیا ہے اور صلح کی راہ میں کتنی روکاوٹیں ڈالی ہیں، اس بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ سید رشید رضا نے اس داستان کو ''تاریخ ابن اثیر '' پر بھروسہ کرکے نقل کیا ہے ۔

[1] متولد ۱۳۶۵ھ
[2] سید رشید رضا کی الشیعہ و السنۃ ،ص ۶۔۴۔

۲۔ ابو الفداء: ابو الفداء جس نے ۷۳۲ھ میں وفات پائی ہے، ''المختصر'' نامی اپنی تاریخ میں چند دوسری غیر صحیح داستانوں کے ساتھ ضمیمہ کرکے اپنی کتاب کے دیباچہ میں اس داستان کے ایک حصہ کو یوں لکھا ہے '': میں نے اس کتاب کو شیخ عز الدین علی معروف بہ ابن اثیر جزری کی تالیف ''تاریخ کامل'' سے لیا ہے اور ابن اثیر کے مطالب کو خلاصہ کے طور پر میں نے اپنی اِس کتاب میں درج کیا ہے''

۳۔ ابن اثیر: ابن اثیر وفات ۶۳۰ھ نے اس داستان کو ۳۰۔۳۶ھ کے حوادث کے ضمن میں مکمل طور پر نقل کیا ہے، لیکن اس بات کی طرف کسی قسم کا اشارہ نہیں کیا ہے کہ اس نے اس داستان کو کس مآخذ سے نقل کیا ہے ، صرف کتاب کے دیباجہ میں[1] جس کا پورا نام ''الکامل فی التاریخ'' ذکر کیا ہے لکھا ہے '' : میں نے اس کتاب کے مطالب کو ابتداء میں امام ابو جعفر محمد طبری کی تالیف ''تاریخ الامم و الملوک'' سے نقل کیا ہے، کیونکہ وہ تنہا کتاب ہے جو عام لوگوں کی نظروں میں قابل اعتماد ہے اور اگر کبھی کوئی اختلاف پیدا ہوجائے تو اس اختلاف کو دور کرنے کیلئے اس کتاب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، لہذا میں نے بھی اس کتاب کی روایتوں کو کسی دخل و تصرف کے بغیر من و عن نقل کیا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اس نے اکثر واقعات کے بارے میں متعد روایتیں ذکر کی ہیں لیکن میں نے ان تمام روایتوں کے مطالب کو جمع کرکے ایک جگہ بیان کیا ہے، نتیجہ کے طور پر جو کچھ اس نے ایک واقعہ کے بارے میں نقل کیا ہے اور اسے مختلف مآخذ کے حوالہ سے بیان کیا ہے، میں نے اُسے ایک روایت کی شکل میں ذکر کیا ہے ''

یہاں تک کہ کہتا ہے '': لیکن اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اختلافات کے بارے میں جو کچھ تھا اسے میں نے مذکورہ تاریخ سے من و عن نقل کرکے درج کیا ہے اور اس میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا ہے، صرف مطالب کی وضاحت کی ہے یا اشخاص کے نام ذکر کئے ہیں اور یا خلاصہ کے طور پر ان کی تشریح اس طرح کی ہے کہ کسی صحابی کی بے احترامی نہ ہو''

---

[1] صفحہ ۵ ،طبع مصر ۱۳۴۸ ھ۔

اس لحاظ سے ابن اثیر، (جس سے ابو الفداء اور سید رشید رضا نے نقل کیا ہے) نے اس داستان کو تاریخ طبری سے نقل کیا ہے چونکہ یہ داستانیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب کے درمیان رونما ہوئے حوادث کی تفصیلات سے مربوط جعل کی گئی ہیں، لہذا ابن اثیر کے کہنے کے مطابق اس نے طبری کے نقل کردہ مطالب پر کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا ہے ۔

۴۔ ابن کثیر: ابن کثیر (وفات ۷۷۴ھ) نے بھی اس داستان کو اپنی تاریخ ''البدایۃ و النہایۃ'' کی ساتویں جلد میں طبری سے نقل کیا ہے اور اس کتاب کے صفحہ ۱۶۷ میں لکھا ہے: سیف بن عمر نے کہا ہے کہ عثمان کے خلا فمختلف پارٹیوں کی بغاوت کا سبب یہ تھا کہ ''عبداللہ بن سبا'' نامی ایک شخص نے ظاہری طور پر اسلام لانے کے بعد مصر میں جاکر خود کچھ عقائد اور تعلیمات گڑھ کر وہاں کے لوگوں میں ان عقائد کو پھیلایا''....

اس کے بعد عبداللہ بن سبا نے مربوط داستانوں کو تمام خصوصیات کے ساتھ اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۴۶ تک نقل کرتا ہے اور اس کے بعد لکھتا ہے '': یہ اس کا ایک خلاصہ ہے جو کچھ ابو جعفر بن جریر طبری ؒ نے نقل کیا ہے ''۔اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بھی مذکورہ داستان کو ''تاریخ طبری'' سے نقل کیا ہے ۔

۵ ۔ ابن خلدون: عبد الرحمان بن محمد بن خلدون نے بھی ''المبتداء و الخبر'' نامی اپنی تاریخ میں ابن اثیر اور ابن کثیر کے ہی طریقہ کار کو اپناتے ہوئے عبداللہ بن سبا کی داستان کو قتل عثمان اور جنگ جمل کے واقعہ میں ذکر کیا ہے پھر اسی کتاب کی جلد ۲ صفحہ ۴۲۵ میں جنگ جمل کا واقعہ درج کرنے کے بعد لکھا ہے: یہ ہے جنگ جمل کا واقعہ جسے میں نے خلاصہ کے طور پر ابو جعفر طبری کی کتاب سے نقل کیا ہے، طبری اس لحاظ سے قابل اعتماد ہے کہ وہ باوثوق ہے اور اس کی کتاب، ابن قتیبہ اور دوسرے مؤرخین کے یہاں موجود مطالب کی نسبت صحیح و سالم ہے ''.... اور صفحہ نمبر ۴۵۷ پر لکھا ہے: میں نے جو کچھ اس کتاب میں اسلامی خلافت کے موضوع، مرتدوں کے بارے میں فتوحات، جنگوں اور اس کے بعد مسلمانوں کے اتحاد و اجتماع (امام حسن اور معاویہ کے درمیان

صلح) کے بارے میں درج کیا ہے، وہ سب امام ابو جعفر طبری کی عظیم تاریخ سے خلاصہ کے طور پر نقل کیا ہے، چونکہ یہ تاریخ دیگر تواریخ کی نسبت قابل اعتماد ہے اور اسمیں ایسے مطالب درج کرنے سے پرہیز کیا گیا ہے جو اس امت کے بزرگوں، اصحاب اور تابعین کی بے احترامی کا سبب بنیں''

۶۔ فرید وجدی: فرید وجدی نے بھی اپنے '' دائرۃ المعارف '' میں لغت '' عثم ''، جنگ جمل اور حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے حالات بیان کرنے کے ضمن میں ان داستانوں میں سے بعض کا ذکر کیا ہے اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۰، ۱۶۸، اور ۱۶۹ میں اشارہ کیا ہے کہ اس کا مآخذ ''تاریخ طبری '' ہے۔

۷۔ بستانی: بستانی (وفات سنہ ۱۳۰۰ھ) نے عبد اللہ ابن سبا کی داستان کو ''تاریخ ابن کثیر '' سے نقل کرکے اپنے دائرۃ المعارف میں مادہ '' عبد اللہ '' کے تحت ذکر کیا ہے اور '' خطط مقریزی[1] '' کے بیان کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے اپنی بات تمام کی ہے۔

۸۔ احمد امین: عصر حاضر کے مصنفین، جو تاریخی حوادث کو تجزیہ و تحلیل کے طریقے سے لکھنا چاہتے ہیں اور ہر حادثہ کے سرچشمہ پر نظر رکھتے ہیں، ان میں سے ایک احمد امین مصری ہیں۔ جنھوں نے '' فجر الاسلام '' نامی اپنی کتاب میں ایرانیوں اور اسلام پر ان کے اثر انداز ہونے کے بارے میں بحث کرتے ہوئے اس کے صفحہ نمبر ۱۰۹ سے ۱۱۱ تک '' مسلمانون پر زرتشت عقائد و افکار کے اثرات '' کے باب میں '' مزدک '' کےبارے میں بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی بات کا خلاصہ حسب ذیل ہے[2]'' مزدک کی اہم دعوت اس کا اشتراکی نظام مقصد تھا، مزدک کہتا تھا '' لوگ مساوی طور پر دنیا میں آئے ہیں اور انھیں مساوی زندگی بسر کرنی چاہئے، اہم ترین چیز جس میں لوگوں کو مساوات کا لحاظ رکھنا چاہئے، دولت اور عورت ہے، کیونکہ یہی دو چیزیں لوگوں کے درمیان دشمنی اور جنگ کا سبب بنتی ہیں، لہذا لوگوں کو ان دو چیزوں میں ایک دوسرے کا شریک ہونا چاہئے تاکہ

---

[1] یہ احمد بن علی مقریزی وفات ۸۴۸ ھ سنہ ہے
[2] احمد امین سے پہلے رشید رضا نے اپنی کتاب " الشیعہ و السنۃ " میں یہی بات کہی ہے ۔

دشمنی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے '' وہ دولتمندوں کی دولت کو محتاجوں اور فقیروں میں تقسیم کرنا واجب جانتا تھا، لہذا حاجتمندوں نے فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس کے اس اعتقاد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی حمایت کی اور اس طرح وہ اس قدر قوی ہوگیا کہ کوئی اس کی مخالفت کی جرأت نہیں کرسکتا تھا، لوگوں کے گھروں پر حملہ کرکے ان کے مال و ناموس کو لوٹ لیتا تھا، اس طرح ایسے حالات رونما ہوئے کہ نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو پہچان سکتا تھا اور نہ بیٹا باپ کو جانتا تھا اور نہ کسی کی دولت باقی رہی تھی ''...اس کے بعد احمد امین لکھتے ہیں کہ یہ دین اسلام کے پھیلنے کے زمانے اور بنی امیہ کی خلافت کے آخری ایام تک ایران کے بعض دیہاتی باشندوں میں موجود تھا ۔

اس مطلب کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں '': ہم مالی امور کے سلسلے میں ابوذر کے نظریہ اور مزدک کے نظریہ میں شباہت پاتے ہیں ،کیونکہ طبری کہتا ہے ابوذر نے شام میں انقلاب کرکے یہ نعرہ بلند کیا تھا کہ '' اے دولتمندو حاجتمندوں کی مدد و یاری کرو '' اور یہ کہتا تھا : (اَلَّذِین یکنزون الذهب و الفضۃ و لاینفقونها فی سبیل اللہ فبشّرهم بعذابٍ الیم[۱]) اس نعرہ کو اس قدر دہرایا کہ تنگدستوں نے اسے اپنا منشور قرار دیا اور مساوات کو ثروتمندوں پر واجب سمجھنے لگے، یہاں تک کہ دولتمندوں نے تنگ آکر شکایت کی اور معاویہ نے اس ڈر سے کہ کہیں ابوذر شام کے لوگوں کو اس کے خلاف بغاوت پر نہ اکسائیں، اسے عثمان کے پاس مدینہ بھیج دیا۔ عثمان نے ابوذر سے پوچھا : کیوں لوگ تیری زبان درازی پر تجھ سے شکایت کرتے ہیں؟ ابوذر نے جواب میں کہا : دولتمند سزاوار نہیں ہیں کہ وہ اپنے مال کو جمع کریں! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مال اور دولت کے بارے میں ابوذر کا طرز تفکر مزدک کے نظریہ سے بہت نزدیک تھا یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابوذر نے نظریہ کہاں سے سیکھا تھا ؟ ہم اس سوال کے جواب کو طبری کی تحریر میں پاتے ہیں جب وہ یہ کہتا ہے : ابن سوداء عبداللہ بن سبا نے ابوذر سے ملاقات کرکے اسے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے، البتہ عبداللہ بن

[۱] مال و دولت کو جمع کرکے راہ خدا میں خرچ نہ کرنے والوں کو خبردار کرو کہ ان کی پیشانی اور پہلو کو داغ کرنے کیلئے اوزار آمادہ ہے ۔

سبا ابود رداء اور عبادہ بن صامت[1] کے پاس بھی گیا تھا لیکن وہ اس کے فریب میں نہیں آئے تھے، حتی عبادۃ بن صامت نے ابن سوداء کے گریبان پکڑ کر اسے معاویہ کے پاس لے گیا اور معاویہ سے کہا: خدا کی قسم یہ وہ شخص ہے جس نے ابوذر کو تیرے خلاف اکسایا ہے.... اس کے بعد احمد امین بیان کو اس طرح جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں: ہم جانتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا صنعاء کا رہنے والا ایک یہودی شخص تھا، اس نے عثمان کے زمانے میں ظاہری طور پر اسلام قبول کیا تھا تا کہ اسلام کو نابود کردے، اس لئے اس نے مختلف شہروں میں اپنے گمراہ کن اور مضر افکار کو پھیلادیا جن کے بارے میں بعد میں ہم اشارہ کریں گے۔

چونکہ ابن سبا نے حجاز، بصرہ، کوفہ، شام اور مصر جیسے بہت سے شہروں کا سفر کیا تھا اس لئے اس کا قوی امکان ہے کہ اس نے اس طرز تفکر کو عراق یا یمن کے مزدکیوں سے حاصل کیا ہوگا اور ابوذر نے اس سے حسن نیت رکھنے کی بنا پر اس نظریہ کو قبول کیا ہوگا'' اور حاشیہ میں لکھا ہے '': تاریخ طبری کا حصۂ پنجم ملاحظہ ہو'' وہ اس بحث کو جاری رکھتے ہوئے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱۲ میں اس طرح نتیجہ اخذ کرتے ہیں '': مزدک و مانی وہ سرچشمہ تھے جن سے رافضیوں (شیعوں) نے اپنے عقائد اخذ کئے ہیں، انہوں نے علی علیہ السلام اور آل علی علیہ السلام کے بارے میں شیعوں کا عقیدہ اپنے ایرانی اسلام کے اس عقیدہ سے لیا ہے جو وہ ساسانی بادشاہوں کے بارے میں رکھتے تھے، کیونکہ وہ پادشاہوں کی پادشاہی کو ایک قسم کا خدائی حق جانتے تھے۔

احمد امین نے وعدہ کیا تھا کہ '' مختلف شہروں میں ان گمراہ کن اور مضر عقیدوں و و افکار کو پھیلنے کے بارے میں بعد میں اشارہ کریں گے '' وہ اس وعدہ کو پورا ر کرتے ہوئے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۵۴ پر اسلامی فرقوں کے بارے میں بحث کرتے ہوئے اس طرح لکھتے ہیں: عثمان کی خلافت کے آخری ایام میں بعض گروہ مخفی طور پر جگہ جگہ پھیل گئے اور لوگوں کو عثمان کا تختہ الٹنے، اس کی جگہ پر دوسروں کو بٹھانے کی ترغیب دلانے لگے۔ان فرقوں میں سے بعض فرقے علی علیہ السلام کے حق میں پروپگنڈہ کرتے تھے، ان کے سرغنوں میں سب سے مشہور شخص عبداللہ بن سبا تھا، جو یمن کا ایک یہودی تھا اور اس نے ظاہری طور پر اسلام قبول کیا تھا

[1] یہ دونوں پیغمبر خدا کے اصحاب ہیں ، اس کتاب کے آخر میں ان کے حالات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

اور بصرہ ، شام و مصر کے شہروں کا دورہ کرتا تھا اور لوگوں سے کہتا تھا : ہر پیغمبر کا ایک وصی تھا اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصی، علی علیہ السلام ہیں اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وصیت پر عمل نہ کرے اور اس کے وصی کے خلاف بغاوت کرے ؟ ابن سبا ان معروف افراد میں سے تھا جس نے لوگوں کو عثمان کے خلاف بغاوت پر اکسایا ''.... اس کے بعد صفحہ ٢٥٥ پر لکھتے ہیں '' : یہ اس تاریخ کا خلاصہ ہے جس کو نقل کرنے پر میں مجبور تھا ، کیونکہ مسلمانوں کے سب سے بڑے تین فرقے اسی کی بناء پر وجود میں آئے ہیں جو عبارت ہیں .... شیعہ اور ''....

اپنی کتاب کے ٢٦٦ ـ ٢٧٨ پر شیعوں سے مربوط فصل میں ایسے مطالب کو واضح تر صورت میں بیان کیا ہے ۔ وہ صفحہ ٢٧٠ پر رقم طراز ہیں: رجعت کے عقیدہ کو ابن سبا نے مذہب یہود سے لیا ہے کیونکہ وہ لوگ اس امر کے معتقد ہیں کہ الیاس پیغمبر نے آسمان کی طرف عروج کیا ہے اور وہ واپس آئیں گے .... اس عقیدہ نے شیعوں کو ائمہ کے غائب ہونے او ر مھدی منتظر کے اعتقاد رکھنے پر مجبور کیا ہے[1]۔

اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ٢٧٦ پر مذکورہ مقدمات کا حسب ذیل نتیجہ اخذ کرتے ہیں: '' حقیقت میں تشیع ایسے لوگوں کی پناہ گاہ تھی جو اسلام کے ساتھ دشمنی اور کینہ رکھنے کی بناء پر اسے نابود کرنا چاہتے تھے ۔ جو بھی گروہ اپنے اسلام یعنی یہودی ، عیسائی اور زردشتی... دین کو اسلام میں داخل کرنا چاہتا تھا ، اس نے اہل بیت پیغمبر کی دوستی کو وسیلہ قرار دیا اور اس آڑ میں جو بھی چاہا انجام دیا ، شیعوں نے رجعت کے عقیدہ کو یہودیوں سے سیکھا ہے[2] اور صفحہ ٢٧٧ پریوں تحریک کرتے ہیں: ولھاوزن کا عقیدہ یہ ہے کہ تشیع ایرانیوں کے دین کی بہ نسبت ،دین یہود سے زیادہ متاثر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تشیع کا بانی عبداللہ بن سبا نامی ایک یہودی شخص تھا ۔ احمد امین کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ شیعوں نے رجعت اور امامت کے عقیدہ کو عبد اللہ بن سبا سے لیاہے اور ائمہ کی عصمت اور غیبت

---

[1] مؤلف نے مصری عالم شیخ محمود ابوریہ کے نام لکھے گئے اپنے خط میں مھدی موعود (عج) کے بارے میں شیعوں کے عقیدہ کے سلسلہ میں کچھ دلائل لکھے ہیں، اس خط کا ایک حصہ مذکورہ عالم کی کتاب " اضواء علی السنۃ المحمدیہ '' میں درج ہوا ہے ، طبع صور لبناں ١٣٨٣ ھ میں ملاحظہ ہو۔

[2] کتاب " فجر اسلام '' اور " تاریخ الاسلام السیاسی '' دنیا کی یونیورسٹیوں میں تاریخی مآخذمیں جانی جاتی ہیں یہ شیعہ تاریخ یونیورسٹیوں میں یوں پڑھا ئی جاتی ہے تو کیاصحیح تاریخ سمجھانے کا کوئی وسیلہ موجود ہے ؟

مھدی (عج) کے عقیدہ کا سرچشمہ بھی یہی ہے اور ابوذر نے جو اشتراک کی تبلیغ کی ہے یہ تبلیغات اور تعلیمات بھی عبداللہ بن سبا سے سیکھی ہے اور ابن سبا نے بھی رجعت کے عقیدہ کو دین یہود سے لیا ہے اور اشتراکی نظریہ کو مزدک کے دین سے اخذ کیا ہے اور عبداللہ بن سبا نے یہ کام علی علیہ السلام کے حق کے مطالبہ کی آڑ میں انجام دیا ہے اور اس طرح اسلام میں شیعہ عقیدہ کو ایجاد کیا ہے ،اس طرح یہاں سے نتیجہ نکلتا ہے کہ حب اہل بیت، دشمنان اسلام کے لئے وسیلہ قرار پایا ہے اور شیعیت کے روپ میں یہود وغیرہ کی تعلیمات اسلام میں داخل ہوئی ہیں!!! احمد امین کے ان تمام مفروضوں کا منبع اور دلیل ابن سبا کے افسانے ہیں اور مآخذ تاریخ طبری ہے اس نے صرف ایک جگہ پر ولھاوزن سے نقل کیا ہے، ہم ثابت کریں گے کہ ولھاوزن نے بھی طبری سے نقل کیا ہے ۔

۹ ۔ حسن ابراہیم: معاصر کے مصنفین میں سے ایک اور شخص جس نے ان داستانوں کو تجزیہ و تحلیل کے ساتھ پیش کیا ہے وہ مصر کی یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ اسلام کے استادپروفیسر ڈاکٹر حسن ابراہیم ہیں، انھوں نے ''تاریخ الاسلام السیاسی '' نامی اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۳۴۷ پر خلافت عثمان کے آخری ایام میں مسلمانوں کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے یوں لکھا ہے '': یہ ماحول مکمل طور پر عبد اللہ بن سبا اور اس کے پیرکاروں ،اور اس کے اثرات قبول کرنے والوں کا تھا، رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک دیرینہ صحابی، ابوذر غفاری (جو تقوی اورپرہیز گاری میں مشہور تھے اور خود ائمہ حدیث کی عظیم شخصیتوں میں شمار ہوتے تھے)نے فتنہ کی آگ کو بھڑکادیا ،اس نے صنعا کے رہنے والے ایک شخص عبد اللہ بن سبا کے کئے گئے زبردست پروپگنڈے کے اثر میں آکر عثمان اور اس کے شام میں مقرر کردہ گورنر معاویہ کی سیاست کی مخالفت کی، عبد اللہ بن سبا ایک یہودی تھا جس نے اسلام قبول کرکے مختلف شہروں کا دورہ کیا اس نے اپنے دورے کو حجاز سے شروعکیا اور کوفہ ،شام اور مصر تک چھان ڈالا ''.... اس نے اس صفحہ کے حاشیہ پر تاریخ طبری[1] کو اپنا مآخذ قرار دیا ہے اور کتاب کے صفحہ نمبر ۳۴۹ پر یوں لکھا ہے '': عبداللہ بن سبا سب سے پہلا شخص ہے جس نے عثمان کے خلاف عوام میں نفرت پھیلائی اور عثمان کا تختہ الٹنے کی راہ ہموار کی ''

[1] طبری طبع یورپ حصہ اول صف ۲۸۵۹

کتاب کے حاشیہ پر تاریخ طبری کے صفحات کی طرف چار بار اشارہ کرتا ہے کہ اس خبر کو میں نے اس سے نقل کیا ہے اور اسی طرح داستان کو ص ۳۵۲ تک جاری رکھتا ہے اور بارہ دفعہ اس داستان کے تنہا مآخذ تاریخ طبری کے صفحات کی طرف اشارہ کرتا ہے اس کے باوجود کہ جنگِ جمل کے بارے میں طبری کی نقل کردہ بات کو بیان کرنے سے گریز کرتا ہے، جبکہ ابن سبا دونوں داستانوں میں موجود ہے، اور دونوں قصے ایک ہی داستان پر مشتمل ہیں اور داستان گڑھنے والا بھی ایک ہی شخص ہے!!!

۱۰۔ ابن بدران :ابن بدران (وفات ۱۳۴۶ھ) نے تاریخ ابن عساکر کا خلاصہ لکھا ہے اور اس کا نام ''تہذیب ابن عساکر'' رکھا ہے اس نے اپنی اس کتاب میں اکثر روایتوں کو راوی کا نام لئے بغیر نقل کیا ہے ۔ اس نے ابن سبا کے افسانے کے بعض حصوں کو نقل کیا ہے اس نے بعض جگھوں پر اس کے راوی سیف بن عرم کا نام لیا ہے اور بعض جگھوں پر راوی کا ذکر کئے بغیر افسانہ نقل کیا ہے اور بعض مواقع پر سیف کی روایتوں کو تاریخ طبری سے نقل کیا ہے چنانچہ اس سے زیادہ ابن ابیہ کے حالات بیان کرتے ہوئے سیف کی روایتوں کو اس کی کتاب سے نقل کیا ہے[1] لہذا معلوم ہوتا ہے کہ سبائیوں کی داستان نقل کرنے میں اسلام کے مؤرخین کا مآخذ و مدرک ''تاریخ طبری'' تھا۔

۱۱۔ سعید افغانی: سعید افغانی نے ''عائشہ و السیاسۃ'' نامی اپنی کتاب میں ابن سبا کے افسانہ سے کچھ حصے، ''عثمان کا احتجاج'' ابن سبا مرموز اور خطرناک ہیرو، سازش و دسیسہ کاری پر نظر''' کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے، اس نے اپنی کتاب کے دوسرے حصوں میں ان افسانوں کے چند اقتباسات درج کئے ہیں۔ اس کا مآخذ، پہلے درجہ پر تاریخ طبری، دوسرے درجہ پر تاریخ ابن عساکر اور اس کی تہذیب اور تیسرے درجہ پر تمہید ابن ابی بکر ہے، وہ اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۵ پر طبری کے اوپر اکثر اعتماد کرنے کا سبب یوں بیان کرتا ہے :۔ میں نے بیشتر اعتماد تاریخ طبری پر کیا ہے، کیونکہ یہ کتاب دوسرے تمام مصادر سے حقیقت کے

[1] ص ۴۳ اور ۴۵ پر تاریخ ابن عساکر ، صفحہ ۴۲ ، ۴۹، ۵۲ اور ۱۸۷ پر تہذیب ابن عساکر سے اور صفحہ ۳۴ اور ۳۵ میں تمہید سے استفادہ کیا ہے ۔

نزدیک تر اور اس کا مصنف دوسروں سے امین تر اور اس کے بعد آنے والے ہر با اعتبارر مؤرخ نے اس پر اعتماد کیا ہے ۔ میں نے اس کے الفاظ میں کسی قسم کے رد و بدل کے بغیر اپنی کتاب میں درج کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے ۔

غیر مسلم مؤرخین کی نظر میں عبداللہ بن سبا کی داستانیں

۱۔ فان فلوٹن: وہ ایک مستشرق ہے وہ اپنی کتاب ''السیاسۃ العربیۃ و الشیعۃ و الاسرائیلیات فی عھد بنی امیۃ'' ترجمہ ڈاکٹر حسن ابراہیم و محمد زکی ابراہیم طبع اول، مصر ۱۹۳۴ء کے صفحہ ۷۹ پر شیعہ فرقہ کے بارے میں نقل کرتے ہوئے، یوں لکھتا ہے '': امام، سبائی، عبداللہ بن سبا کے پیرو، ہیں نیز ان افراد میں ہیں جو عثمان کے پورے دور خلافت میں علی علیہ السلام کو خلافت کیلئے سزاوار جانتے تھے'' اس نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۸۰ کے حاشیہ پر تاریخ طبری کو اپنے مآخذ و مدرک کے طور پر پیش کیا ہے ۔

۲۔ نکلسن: نکلسن اپنی کتاب ''تاریخ الأدب العربی'' طبع کمبریج کے صفحہ نمبر ۲۱۵ پر لکھتا ہے '': عبداللہ بن سبا، سبائیوں کے گروہ کا بانی ہے، وہ یمن کے شہر صنعا کا باشندہ تھا، کہا جاتا ہے کہ وہ یہودی تھا اور عثمان کے زمانے میں اسلام لایا تھا اور ایک سیاح مبلغ تھا، مؤرخین اس کے بارے میں یوں کہتے ہیں: وہ ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر میں رہا کرتا تھا تاکہ مسلمانوں کو گمراہ کرکے ان میں اختلاف پیدا کرے، سب سے پہلے وہ حجاز میں نمودار ہوا اس کے بعد بصرہ اور کوفہ اس کے بعد شام اور آخر کار مصر پہنچا، وہ لوگوں کو رجعت کے اعتقاد کی دعوت دیتا تھا، ابن سبا کہتا تھا: بے شک تعجب کا مقام ہے کہ کوئی شخص حضرت عیسیٰ کے پھر سے اس دنیا میں آنے کا معتقد ہو لیکن حضرت محمدؐ کی رجعت کے بارے میں اعتقاد نہ رکھتا ہو جبکہ قرآن مجید نے اس کا واضح طور پر ذکر کیا ہے اس کے علاوہ ہزاروں پیغمبر آئے اور ان میں سے ہر ایک کا ایک وصی و جانشین تھا، محمدؐ کا بھی ایک وصی ہے جو علی علیہ السلام ہے، چونکہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آخری پیغمبر اور خاتم الانبیاء ہیں اس لئے علی علیہ السلام بھی آخری وصی اور ان کے جانشین ہیں'' اس نے بھی اپنا مآخذ کو تاریخ طبری کو قرار دیکر مذکورہ بیانات کے حاشیہ میں اس کی وضاحت کی ہے ۔

۳۔ اسلامی دائرۃ المعارف لکھنے والے مستشرقین ہو تسمن، ولاینسنگ، اورنلڈ، برونسال، ھیونک، شادہ، پاسیہ، ہارٹمان اور کیب جیسے مشرق شناس استادوں کے ایک گروہ کے تصنیف کردہ اسلامی دائرۃ المعارف میں یہ داستان حسب ذیل درج ہوئی ہے[1]: ''اگر ہم صرف طبری اور مقریزی کی بات پر اکتفا کریں تو ہمیں کہنا چاہئے کہ جن چیزوں کی طرف عبد اللہ بن سبا دعوت دیتا تھا، ان میں رجعت محمدؐ بھی تھی وہ کہتا تھا: ہر پیغمبر کا ایک جانشین ہے اور علی علیہ السلام محمدؐ کے جانشین ہیں۔ لہذا ہر مؤمن کا فرض ہے کہ اپنے کردار و گفتار سے علی علیہ السلام کے حق کی حمایت کرے'' کہا جاتا ہے کہ عبد اللہ نے اس طرز تفکر کی تبلیغ کیلئے بعض افراد کو معین کیا تھا اور خود بھی ان میں شامل تھا، وہ شوال ۳۵ھ مطابق اپریل ۶۵۶ء میں مصر سے مدینہ کی طرف روانہ ہوا''....

ہم نے یہاں پر وہ مطلب درج کیا جسے مذکورہ دائرۃ المعارف نے طبری سے نقل کیا ہے چونکہ یہ حوادث مقریزی سے ۸۰۰ سال قبل رونما ہوئے ہیں، اس لئے اس طولانی فاصلۂ زمان کے پیش نظر اور اس کے علاوہ مقریزی نے مآخذ کا ذکر بھی نہیں کیا ہے یا جس کتاب سے نقل کیا ہے اس کا نام بھی نہیں لیا ہے اسلئے مقریزی کے نقل پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا ہے جبکہ طبری اس داستان کی سند کو اس کے راوی تک پہنچاتا ہے اور وہ خود بھی مقریزی سے تقریباً پانچ سو سال پہلے گذرا ہے، اس حالت میں یہ صحیح نہیں ہے کہ ہم مقریزی کی تحریر کو تاریخ طبری کے برابر قرار دیں اس کے باوجود ہم کتاب کے آخر میں مقریزی کی روایت پر بحث کریں گے۔

۴۔ ڈوایت، ایم، ڈونالڈسن: ڈوایت، ایم، ڈونالڈسن، ''عقیدہ الشیعہ'' نامی اپنی کتاب کے صفحہ ۵۸ پر یوں رقمطراز ہے'': قدیم روایتیں ہمیں اس امر کی طرف رہنمائی کرتی ہیں کہ علی علیہ السلام جس خلافت کا دعویٰ کرتے تھے اس کی ان کے حامیوں اور شیعوں کی نظر میں صرف سیاسی اہمیت نہیں تھی بلکہ وہ اسے ایک الہی حق سمجھتے تھے اور ان عقائد و افکار کے پھیلانے میں تاریخ اسلام کے ایک مرموز شخص کی ریشہ دوانیوں کا اہم رول تھا۔ کیونکہ عثمان کی خلافت کے دوران عبداللہ بن سبا نامی ایک شخص پیدا ہوا جس نے وسیع تعلیمات کو پھیلانے کا اقدام کیا، اس نے ان عقائد کو پھیلانے کیلئے اسلامی ممالک کے شہروں کا ایک طولانی دورہ کیا،

[1] اسلامی دائرة المعارف ج١/ ٢٩ طبع لندن

طبری کا کہنا ہے کہ اس کا مقصد اسلام کو نابود کرنا تھا ''....جیسا کہ کتاب کے صفحہ نمبر ۵۹ کے حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ '' عقیدہ الشیعہ '' نامی کتاب کے مصنف نے اس داستان کو براہ راست طبری سے نقل نہیں کیا ہے بلکہ اس نقل میں اس نے دو کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے: ا۔ گذشتہ اشارہ کئے گئے مستشرقین کے دائرۃ المعارف کا مادہ '' عبداللہ '' جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بھی کہا ہے کہ مذکورہ دونوں کتابوں میں جو کچھ عبداللہ بن سبا کے بارے میں لکھا گیا ہے وہ تاریخ طبری سے نقل کیا گیا ہے ۔

۵ ۔ ولھاوزن: ولھاوزن اپنی کتاب '' الدولۃ العربیۃ و سقوطھا '' کے صفحہ نمبر ۵۶ اور ۵۷ پر لکھتا ہے '': سبائیوں نے اسلام میں تبدیلی ایجاد کی، قرآن مجید کے بر عکس اعتقاد رکھتے تھے کہ روح خدا نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جسم میں حلول کیا ہے اور ان کی وفات کے بعد اس روح نے علی علیہ السلام اور آل علی علیہ السلام میں حلول کیا ہے ان کی نظر میں علی علیہ السلام، ابو بکر اور عمر کے ہم پلہ خلیفہ نہیں تھے بلکہ وہ ان دونوں کو علی علیہ السلام کا حق غصب کرنے والے جانتے تھے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس مقدس روح نے علی علیہ السلام کے اندر حلول کیا ہے'' اس کے بعد لکھتا ہے '': کہا جاتا ہے کہ سبائی عبداللہ بن سبا سے منسوب تھے وہ یمن کا رہنے والا ایک یہودی تھا ''

ولھاوزن نے یہاں پر اپنے مآخذ کا ذکر نہیں کیا ہے، لیکن اپنی کتاب کے ۳۹۶ سے ۳۹۹ تک مطلب کو تفصیل کے ساتھ بیان کرکے اپنے مآخذ کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھتا ہے '': سیف کہتا ہے : سبائی پہلے ہی دن سے شر پسند اور بد نیّت تھے ،انہوں نے عثمان کو قتل کرکے مسلمانوں کے اندر افراتفری اور جنگ کے شعلے بھڑکا دیئے ان میں اکثر لوگ موالی اور غیر عرب تھے ۔ سبائی عبد اللہ بن سبا کی پیروی کرتے ہوئے اعتقاد رکھتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رجعت کریں گے اور آپ اپنے اہل بیت کے بدن میں حلول کرتے ہیں چونکہ علی علیہ السلام کی اولاد جو پیغمبر کی بیٹی فاطمہ سے تھی ،نے اسلام اور عربی نسل سے منہ نہیں موڑا اور سبائیوں کو مسترد کردیا اسلئے وہ علی علیہ السلام کے دوسرے بیٹے محمد بن حنفیہ سے منسلک ہوگئے ۔ محمد کی وفات کے بعد ان کا بیٹا ابو ہاشم جو اپنے باپ کی طرح بے قدر تھا ان کا امام بنا ،ابو ہاشم نے اپنے بعد محمد بن علی عباسی کو اپنا وصی اور جانشین مقرر کیا اور

یہاں سے خلافت بنی عباس میں منتقل ہوگئی ۔ سیف کی روایت کے مطابق بنی عباس کا خروج سبائیوں کے خروج کے مانند تھا ، دونوں گروہوں کی دعوت کا مرکز شہر کوفہ تھا ور ان کے پیرو ایرانی تھے اور دونوں گروہوں نے عرب مسلمانوں کے خلاف خروج کیا تھا ''.... یہ ان مطالب کا خلاصہ تھا جنہیں ولھاوزن نے سیف سے نقل کرتے ہوئے وضاحت کے ساتھ دوبار اس کے نام کی تکرار کی ہے، کتاب کے مقدمہ میں جہاں پر وہ سیف کی ستائش کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سیف کی روایتوں کو طبری سے نقل کیا ہے ۔

اس بناء پر ولھاوزن کا مآخذ بھی تاریخ طبری ہے اور طبری کے ہی واسطہ سے اس نے اس افسانہ کو نقل کیا ہے ۔ جیسا کہ معلوم ہوا ، ابن سبا کا افسانہ عجیب شہرت کا حامل ہوا جیسا کہ مشاہدہ ہورہا ہے، کہ جنھوں نے بھی اس افسانہ کو نقل کیا ہے ان سب کی روایتیں بلاواسطہ یا ایک یا اس سے زیادہ واسطوں سے طبری پر ختم ہوتی ہیں ۔

وہ لوگ جنھوں نے عبد اللہ بن سبأکی داستان کو ،مآخذ کا اشارہ کئے بغیر نقل کیا ہے ۔ مؤرخین اور مصنفین کا ایک ایسا گروہ بھی ہے جنھوں نے نہ اپنی روایت کے مآخذ کو لکھا ہے اور نہ اس کتاب کا ذکر کیا ہے جس سے انہوں نے روایت نقل کی ہے، لیکن اس کے باوجود جہاں بھی اجمالی طور پر ان کی کتابوں کے مصادر کا ذکر آتا ہے، طبری ایسی کتابیں نظر آتی ہیں جن میں طبری سے روایت نقل کی گئی ہے، جیسے: ۱۔ میر خواند :اس نے عبداللہ بن سبا کی داستان کو اپنی کتاب روضۃ الصفا '' میں درج کیا ہے، لیکن اس کی سند اور مآخذ کا ذکر نہیں کیا ہے ۔ لیکن تحقیق و مطابقت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بھی اس داستان کو طبری سے نقل کیا ہے ۔

۲۔ غیاث الدین: غیاث الدین فرزند میر خواند (وفات ۹۴۰ھ) نے اپنی کتاب '' حبیب السیر '' میں عبداللہ بن سبا کی داستان اپنے باپ کی کتاب '' روضۃ الصفا '' سے نقل کیا ہے لیکن اس کی سند و مآخذ کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے ۔ عبداللہ بن سبا کی داستان کے اسناد :جیسا کہ ذکر ہوا ، تاریخ طبری قدیمی ترین کتاب ہے جس میں عبداللہ بن سبا کی داستانیں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور

ساتھ ہی اس داستان کے راوی کو بھی معین و مشخص کیا گیا ہے ۔ اس کے بعد لکھی جانے والی تمام کتابوں میں، ابن سبا کی داستان اور سبائیوں کے افسانہ کو طبری سے نقل کیا گیا ہے ۔

ا۔ ابن سبا کی داستانوں کیلئے طبری کی سند: اب دیکھنا چاہئے کہ طبری نے اس داستان کو کہاں سے نقلکیا ہے اا ور اس کی سند کیا ہے ؟ ابو جعفر محمد جریر طبری آملی (وفات سنہ ۳۱۰ھ) نے سبائیوں کی داستان کو اپنی کتاب ''تاریخ الامم و الملوک '' میں صرف سیف بن عمر تمیمی کوفی سے نقل کیا ہے، وہ سنہ ۳۰ھ کے حوادث سے مربوط حصہ میں اس طرح لکھتا ہے '': اسی سال یعنی سنہ ۳۰ھ میں ابوذر کی معاویہ کے ساتھ داستان اور معاویہ کا ابوذر کو شام سے مدینہ بھیجنے کا واقعہ پیش آیا، اس سلسلے میں بہت سے واقعات نقل کئے گئے ہیں، انھیں بیان کرنے کا دل تو نہیں چاہتا، لیکن ان معاملات میں معاویہ کیلئے عذر پیش کرنے والوں نے اس موضوع پر اس کی داستان نقل کی ہے کہ '' سری بن یحییٰ'' نے اس داستان کو میرے لئے لکھا ہے اور اس تحریر میں یوں کہتا ہے '': شعیب بن ابراہیم نے سیف بن عمر سے روایت کی ہے .. جب ابن سودا شام پہنچا تو اس نے ابوذر سے ملاقات کی اور کہا ؛ اے ابوذر ! کیا یہ دیکھ رہے ہو کہ معاویہ کیا کررہا ہے ...؟''

اس کے بعد طبری '' ابن سبا '' کی داستان کو صرف سیف سے نقل کرتا ہے اور ابوذر کے حالات کی تفصیلات کو مندرجہ ذیل جملہ کے ذریعہ خاتمہ بخشتا ہے: دوسروں نے ابوذر کی جلا وطنی کی علت کے بارے میں بہت سی چیزیں لکھی ہیں کہ جی نہیں چاہتا انھیں بیان کروں'' جب سنہ ۳۰ ـ ۳۶ھ کے حوادث لکھنے پر پہنچتا ہے تو عثمان کے قتل اور جنگ جمل کے ضمن میں سبائیوں کی داستان کو سیف سے نقل کرتا ہے، سیف کے علاوہ کسی اور سند کا ذکر نہیں کرتا طبری نے اپنی تاریخ میں سیف کی روایتوں کو مندرجہ ذیل دو سندوں میں سے کسی ایک سے نقل کیا ہے: ا۔ عبید اللہ بن سعد زہری نے اپنے چچا یعقوب بن ابراہیم سے اور اس نے سیف سے جن روایتوں کو طبری نے اس سند سے سیف سے نقل کیا ہے، وہ ایسی روایتیں ہیں جنہیں اس نے خود عبید اللہ سے سنی ہیں اور انھیں کلمہ '' حدثنی''، یا '' حدثنا '' (یعنی '' میرے لئے '' یا ہمارے لئے روایت کی ہے) سے بیان کیا ہے ۔

۲۔ سری بن یحییٰ نے شعیب ابن ابراہیم سے اور اس نے سیف سے ۔ طبری نے اس سند میں سیف کی حدیثوں کو سیف کی دو کتابوں ''الفتوح'' اور ''الجمل'' سے مندرجہ ذیل کلمات میں سے کسی ایک کے ذریعہ سرّی بن یحییٰ سے نقل کیا ہے: ا۔ کتَب الیّ ۔ یعنی سرّی بن یحییٰ نے مجھے لکھا ۔

۲۔ حدثنی، یعنی سرّی بن یحییٰ نے میرے لئے روایت کی ہے۔

۳۔ فی کتابہ الیّ یعنی سرّی بن یحییٰ نے جو خط مجھے لکھا ہے، اس میں روایت کی ہے ۔

۲۔ ابن سبا کی داستانوں کیلئے ابن عساکر دمشقی کی سند طبری کے بعد ابن عساکر (وفات ۵۷۱ھ) نے عبداللہ بن سبا کی داستانوں کو اپنی اسی (۸۰) جلد پر مشتمل تاریخ یعنی ''تاریخ مدینہ دمشق'' میں طلحہ، عبداللہ بن سبا اور دوسروں کے حالات کے ضمن میں اپنی پسند سے سیف سے نقل کیا ہے ۔ سیف کی روایتوں کے مطابق عبداللہ بن سبا کے افسانہ اور دوسری داستانوں کو نقل کرنے کے بارے میں ابن عساکر کی سند یوں ہے: ابن عساکر نے ابو القاسم سمرقندی سے اس نے ابو الحسین نقور سے، اس نے ابو طاہر مخلص سے اس نے ابوبکر سیف سے، اس نے سرّی بن یحییٰ اس نے شعیب سے اور اس نے سیف سے[۲].... اس طرح ابن عساکر کی سند چار اسطوں سے ''سری بن یحییٰ'' تک پہنچتی ہے اور ''سرّی بن یحیی'' طبری کے اسنا کا ایک منبع ہے جس کے بارے میں ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے۔

۳۔ ابن ابی بکر؛ محمد بن یحییٰ بن محمد اشعری مالکی (وفات ۷۴۱ھ) مشہور بہ ابی بکر'' نے عبداللہ بن سبا اور سبائیوں کے افسانہ کو اپنی کتاب ''التمہید و البیان فی مقتل عثمان بن عفان'' میں سیف بن عمر کی کتاب ''الفتوح'' اور تاریخ ابن اثیر سے نقل کیا ہے ۔

---

[۱] اس کلمہ سے صرف ایک دفعہ روایت کی ہے ، ملاحظہ ہو ج۱، ص ۲۰۵۵ طبع یورپ،)

[۲] اخبرنا ابو القاسم السمرقندی عن ابی الحسین النقور عن ابی طاہر االمخلص عن ابی بکر بن سیف، عن السری بن یحییٰ عن شعیب بن ابراہیم ، عن سیف بن عمر ، ...)

اس بناء پر ابن ابوبکر نے سبااور سبائیوں کے بارے میں سیف کے افسانوں کو کبھی سیف کی کتاب سے بلاواسطہ اور کبھیتاریخ ابن اثیر سے نقل کیاے اس طرح معلوم ہوا کہ ابن اثیر نے بھی طبری سے اور طبری نے سیفسے نقل کیا ہے۔

یہاں تک سبائیوں کے بارے میں سیف کے افسانوں کے مندرجہ ذیل تین اسنا د معلوم ہوئے:ا۔ طبری (وفات ۳۱۰ھ) کی سند۔

۲۔ ابن عساکر (وفات ۵۷۱ھ) کی سند۔

۳۔ ابن ابی بکر (وفات ۷۴۱ھ) کی سند۔بعض مؤرخین اور مصنفوں نے مذکورہ اسناد میں سے کسی سے اور بعض نے دو سے اور سعید افغانی جیسے افراد نے تینوں اسناد سے استفادہ کیا ہے۔

۴۔ ذھبی:ابو عبد اللہ محمد بن احمد عثمان ذہبی(وفات ۷۴۸ھ) نے اپنی کتاب ''تاریخ الاسلام '' [2] میں عبداللہ بن سبا سے مربوط بعض افسانوں کو نقل کیا ہے،اس نے ابتداء میں سیف سے ایسی دو روایتیں نقل کی ہیں جو تاریخ طبری میں ذکر نہیں ہوئی ہیں ۔ [3] با وجودیکہ وہ روایتیں افسانہ کو مکل طور پر بیان کرتی ہے اور اس کے بعد اس نے اپنی کتاب کے ص ۱۲۴ ۔ ۱۲۸ طبری نے مفصل طور پر بیاں کئے گئے مطالب کو خلاصہ کے طور پر ذکر کیا ہے ۔مذکورہ کتاب کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیف بن عمر کی کتاب ''الفتوح'' کے بعض نسخے ذہبی کے زمانے (آٹھویں صدی ہجری)تک موجود تھے اور اس کا ایک نسخہ ذہبی کے پاس موجود تھا وہ بھی کتاب ''التمہید '' کے مصنف ابن ابی بکر کی طرح اس سے بلاواسطہ روایتیں نقل کرتا تھا من جملہ وہ روایتیں ہیں کہ اس نے سیف سے نقل کی ہیں جو تاریخ طبری میں موجود نہیں ہیں ۔یہاں تک بیان کئے گئے مطالب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان علماء اور مؤرخین نے عبداللہ بن سبا کے افسانہ کو بلا استثناء سیف بن عمر سے نقل کیا ہے،ان میں سے چار افراد یعنی طبری،ابن عساکر،ابن ابی بکر اور ذہبی نے اس افسانہ کو بلا واسطہ سیف سے نقل کیا ہے اور باقی لوگوں نے اسے بالواسطہ نقل کیا ہے ۔

[1] اس موضوع کو مؤلف نے فارسی ترجمہ میں اضافہ کیا ہے۔ ۲۔ ج ۲ ص ۱۲ ۔ ۱۲۸۔

۳۔ ذہبی ان دو روایتوں کو نقل کرتے ہوئے ۱۲۲ ۔ ۱۲۳ پر یوں لکھتا ہے ؛ و قال سیف بن عمر عن عطیۃ عن یزید الفقعسی قال: لما خرج ابن السوداء.... اس کے بعد صفحہ ۱۲۳۔۱۲۴ دوسری روایت میں یوں بیان کرتا ہے و قال سیف عن مبشر و سھل ابن یوسف عن محمد بن سعد بن ابی وقاص قال: قدم عمار بن یاسر مصر.....

عبداللہ بن سبا کے افسانہ کو گڑھنے والا سیف بن عمرو ھو:کذّاب متروک الحدیث أتّھم بالزندقۃ ابن سبا کے افسانہ کو گڑھنے والا جھوٹا ہے اور اس پر زندیقی ہونے کا الزام ہے، اس کی روایتیں ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہیں علمائے رجال جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزررہا ہے کہ سبائیوں کے افسانے علما اور دانشوروں کے زبان زد ہیں ان افسانوں کا سرچشمہ سیف بن عمر نامی ایک شخص ہے ،تمام روات ان قصوں کو اس سے نقل کرتے ہیں ، اب مناسب ہے کہ سیف کے بارے میں تحقیق کی جائے اور حقیقت تک پہنچنے کے بعد اس کی روایتوں کی بھی چھان بین کی جائے تا کہ معلوم ہو سکے کہ وہ کس قدر حقیقت سے دور تھا اور اس کی کیا قدر ہے ۔

سیف بن عمر کون ہے ؟سیف بن عمر قبیلہ ''اسید '' سے ہے جو تمیم نامی ایک بڑے خاندان کی شاخ تھا ،اس لحاظ سے اسے ''اسید تمیمی'' کہا جاتا ہے اور بعض اوقات اسے ''تمیمی برجمی '' بھی کہتے ہیں ، برجمی ،ا براہیم سے منسوب ہے کہ خاندان تمیم کے چند قبیلوں کا نام تھا ،جنھوں نے آپس میں مل کر عہد و پیمان کیا تھا ، وہ شہر کوفہ کا رہنے والا تھا لیکن اس سے پہلے وہ بغداد میں رہائش پذیر تھا ،اس نے ہارون الرشید کی خلافت کے دوران ۱۷۰ھ کے بعد وفات پائی ہے ۔

سیف کی روایتیں :اس زمانہ کے مؤرخین کی یہ عادت تھی کہ وہ تاریخی حوادث کو سال کے ساتھ نقل کرتے تھے ،اس لئے سیف نے بھی اپنے جعل کئے گئے افسانوں کو صحیح تاریخ کی صورت میں پیش کرنے کیلئے اور انھیں صداقت کا رنگ دینےکیلئے کئی حصوں میں تقسیم کیا ہے اور اس نے ہر حصہ کیلئے علیحدہ سند گڑھ لی ہے اور اس طریقے سے اس نے مندرجہ ذیل دو کتابیں تالیف کی ہیں:۱۔ الفتوح

الکبیر و الردۃ :: اس کتاب میں اس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کے قریب زمانہ سے عثمان کی خلافت کے زمانہ تک گفتگو کی ہے، اسی کتاب میں ابو بکر کی خلافت کی مخالفت کرنے اور اس کی خلافت کو نہ ماننے والے مسلمانوں سے ابو بکر کی جنگ کو '' مرتدوں سے جنگ '' کا نام دیا ہے، اس نے اس کتاب میں لکھے گئے تمام حوادث کو افسانوی روپ دیا ہے اور ان میں مبالغہ آمیزی اور غلو سے کام لیا ہے ۔

۲۔ جمل اور عائشہ اور علی علیہ السلام کی راہ :اس کتاب میں عثمان کے خلاف بغاوت اس کے قتل ہونے اور ''جنگ جمل '' کے بارے میں گفتگو کی ہے، کتاب کی روایتوں کی چھان بین کے بعد واضح ہوتا ہے کہ یہ کتاب صرف بنی امیہ کے وفاع میں لکھی گئی ہے سیف نے ان دو کتابوں کے علاوہ دوسری روایتیں بھی گڑھ لی ہیں جو دسیوں کتابوں میں درج ہوکر آج تک تاریخ اسلام کے سب سے بڑے مآخذ میں شمار ہوتیہیں ۔

طبری نے سیف کی روایتوں کو اپنی تاریخ کی کتاب '' تاریخ الامم و الملوک '' میں سنہ ۱۱ھ سے سنہ ۳۶ھ کے تاریخی حوادث کے ضمن میں نقل کیا ہے ۔اس کے بعد ابن عساکر نے بھی اپنی اسی (۸۰) جلدوں پر مشتمل تاریخ میں دمشق سے گزرنے والے اشخاص کے ضمن میں ان میں سے بعض روایتوں کو نقل کیا ہے ۔اصحاب پیغمبرؐ پر خصوصی شرحیں لکھنے والے علماء، یعنی: ا۔ ابن عبد البر وفات سنہ ۴۳۶ھ، نے کتاب '' استیعاب '' میں،

۲۔ ابن اثیر، وفات سنہ ۶۳۰ھ نے کتاب '' اسد الغابہ '' میں ۔

۳۔ ذھبی وفات سنہ ۷۴۸ھ نے کتاب '' التجرید '' میں ۔

۴۔ ابن حجر، وفات ۸۵۲ نے کتاب '' الاصابہ '' میں سیف کے افسانوں کے بعض ہیروں کو اصحاب پیغمبرؐ کے صف میں لا کھڑا کیا ہے اور ان کی زندگی کے حالات کی تفصیلات لکھی ہیں ان کتابوں کی تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان ہیروں میں سے تقریباً

ایک سو پچاس کا کہیں وجود ہی نہیں تھا بلکہ '' صرف سیف بن عمر ''، تمیمی کے ذہن کی تخلیق ہیں[۱]''لیکن یہ علماء سیف کے افسانوں میں ان کے ناموں کو دیکھتے ہیں لہذا انھیں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی فہرست میں قرار دیا ہے لہذا ان کی زندگی کے حالات کی وضاحت لکھنے کیلئے بھی ہاتھ پاؤں مارا ہے اور اس طرح اصحاب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعداد کو بڑھا دیا ہے[۲] اسلامی شہروں کی جغرافیہ لکھنے والے جیسے یاقوت حموی (وفات ۶۲۶ھ) نے اپنی کتاب '' معجم البلدان '' میں اور صفی الدین نے '' مراصد الاطلاع '' میں سیف کی روایتوں سے استفادہ کرکے بعض ایسی جگہوں کی شرحیں لکھی ہیں جو صرف سیف کے افسانوں میں موجود ہیں : اس طرح سیف بن عمر نے صرف عبد اللہ بن سبا کے افسانہ کو ہی ایجاد کرکے تاریخ اسلام میں ایک ہی ہیرو جعل نہیں کیا ہے بلکہ سینکڑوں دوسرے افسانے اور تاریخی بہادر ہیں جو اس کی فکر کی تخلیق ہیں اور ان کا کہیں وجود نہیں ملتا ۔ ان افسانوں کو حدیث تفسیر ، تاریخ ، جغرافیہ ، ادبیات اور انساب کی سینکڑوں کتابوں میں درج کیا گیا ہے ، سیف کی روایتوں کی قدرو منزلت معلوم کرنے کیلئے ہمیں سب سے پہلے علمائے رجال کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ یہ دیکھ لیں کہ انہوں نے سیف کی روایتوں کے قوی ، ضعیف ، صحیح ، اور مؤثق ہونے کے بارے میں کیا کہا ہے اس کے بعد انشاء اللہ اس کی روایتوں کی چھان بین کریں گے ۔

سیف علم رجال کی کتابوں میں : ا۔ یحییٰ بن معین (وفات ۲۳۳ھ) نے اس کے بارے میں کہا ہے '': اس کی حدیث ضعیف اور کمزور ہے[۳] ۔

۲۔ نسائی ،صاحب صحیح (متوفی ۳۰۳) نے کہا ہے '': ضعیف ہے ، اس کی حدیث کو ترک کیا گیا ہے ، وہ نہ مورد اعتماد ہے اور نہ امین[۱]''

---

[۱] مصنف نے اپنی کتاب " ایک سو پچاس جعلی اصحاب " میں ان کی معرفی کی ہے ۔
[۲] مثال کے طور پر سیف نے اپنے افسانوں میں مذکورہ بہادروں کو سپہ سالاروں کے طور پر معرفی کیا ہے اور یہی دلیل بن گئی ہے کہ وہ بہادر رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب تھے کیونکہ خود سیف کے بقول رسم یہ تھی کہ سپہ سالار اور کمانڈر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے انتخاب ہوتے تھے ۔
[۳] کتاب الضعفاء ج ۲، ص ۲۴۵ ، تہذیب التہذیب ج ۴، ۳۹۵ رقم ۵۰۶ ، الضعفاء الکبیر ج ۲، ۱۷۵ رقم ۶۹۴،)

۳۔ ابو داؤد (وفات ۲۷۵ھ) نے کہا ہے '': بے ارزش ہے اور انتہائی دروغگو ہے[۲] ''

۴۔ ابن حماد عقیلی (وفات ۳۲۲ھ) نے اس کے بارے میں کہا ہے '': اس کی روایتوں پر اعتماد نہیں کیا جاتا ہے اس کی بہت سی روایتوں میں سے ایک پر بھی اعتبار نہیں کرنا چاہئے[۳] ''

۵۔ ابن ابی حاتم (وفات ۳۲۷ھ) نے کہا ہے '': چونکہ وہ صحیح احادیث کو خراب کرتا تھا لہذا لوگ اس کی احادیث پر اعتبار نہیں کرتے تھے، اس کی حدیث کو ترک کیا گیا ہے[۴] ''

٦۔ ابن سکن (وفات ۳۵۳ھ) نے کہا ہے : '' ضعیف ہے ''

۷۔ ابن حبان (وفات ۳۵۴ھ) نے کہا ہے '': اپنی جعل کی گئی حدیثوں کو کسی مؤثق شخص کی زبانی نقل کرتا تھا مزید کہتا ہے '' سیف پر زندیقی ہونے کا الزام ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ حدیث گڑھ کر انھیں مؤثق افراد سے نسبت دیتا تھا[۵] ۔

۸۔ دار قطنی (وفات ۳۸۵ھ) نے کہا ہے '': ضعیف ہے اور اس کی حدیث کو ترک کیا گیا ہے[٦] ''

۹۔ حاکم (وفات ۴۰۵ھ) نے کہا ہے '' : اس کی حدیث کو ترک کیا گیا ہے، اس پر زندیقی ہونے کا الزام ہے[۷]۔

۱۰۔ ابن عدی (وفات ۳۶۵ھ) نے اس کے بارے میں کہا ہے '': اس کی بعض احادیث انتہائی مشہور ہیں لیکن میری نظر میں اس کی تمام احادیث ناقابل اعتبار ہیں اسی وجہ سے اس کی احادیث پر بھروسہ نہیں کیا جاتا ہے ۔

۱۱۔ صاحب قاموس، فیروز آبادی (وفات ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں '' : ضعیف ہے''

---

[1] الضعفاء و المتروکین ص ۵۱ ، رقم ۲۶۵ ۔
[2] تہذیب التہذیب ج ۴، ص ۲۹۵ ، رقم ۵۰۶۔
[3] الجرح و التعدیل ج ۷ ص ۱۳۶ ، رقم ۷۶۲ ، ،تہذیب التہذیب ج ۴. ص ۲۹۵ ۔
[4] المجروحین ج ۱، ص ۳۴۵ ، تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۹۶
[5] تہذیب التہذیب ج ۴. ص ۲۹۶،
[6] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۹۶
[7] تہذیب التہذیب ج ۴ ص۲۹۵ اور ۵۰۶

۱۲۔ محمد بن احمد ذہبی (وفات ۷۴۸ھ) نے اس کے بارے میں کہا ہے '' : تمام دانشوروں اور علمائے اسلام کا اس امر پر اجماع اور اتفاق ہے کہ وہ ضعیف تھا اور اس کی حدیث متروک ہے[1] ''

۱۳۔ ابن حجر (وفات ۸۵۲ھ) نے کہا ہے '' : ضعیف ہے[2] '' ایک اور کتاب میں کہتا ہے '': اگرچہ تاریخ کے بارے میں اس کی نقل کی گئی روایتیں بہت زیادہ اور اہم ہیں، لیکن چونکہ وہ ضعیف ہے، لہذا اس کی حدیث کو ترک کیا گیا ہے[3] ''

۱۴۔ سیوطی (وفات ۹۱۱ھ) نے کہا ہے '': انتہائی ضعیف ہے''

۱۵۔ صفی الدین (وفات ۹۲۳ھ) نے کہا ہے '': اسے ضعیف شمار کیا گیا ہے[4] '' یہ تھا سیف کے بارے میں علم رجال کے دانشوروں اور علماء کا نظریہ اب ہمیں سیف کی روایتوں کی چھان بین کرنا چاہئے تاکہ روایتوں کو جعل کرنے میں اس کی روش معلوم ہوسکے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی روایتوں کی قدر و قیمت کا بھی اندازہوسکے ۔ ہم ابن سبا کے افسانہ کی تحقیق سے پہلے نمونہ کے طورے پر سیف کی چند روایتوں کو نقل کرکے ان کی چھان بین کرتے ہیں اس کے بعد انشاء اللہ ابن سبا کے افسانہ کی چھان بین کریں گے ۔

سیف کی زندگی کے حالات کے منابع عبد اللہبن سبا کے افسانہ کو تخلیق کرنے والے سیف بن عمر کی زندگی کے حالات کے بارے میں مندرجہ ذیل کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے:۱۔ فہرست ابن ندیم

۲۔ الجرح و التعدیل : ابی ابی حاتم رازی: ج ۷، ص ۱۳۶۔

۳۔ الاستیعاب : ابن عبد البر، ج ۴، ۲۵۲ ۔ ۴۔ الضعفاء الکبیر، : عقیلی، ج ۲. ص ۱۷۵۔

---

[1] المغنی فی الضعفاء ج ۱ ،ص ۲۹۲، رقم ۲۷۱۶،
[2] تہذیب التہذیب ج ۴ ،ص ۲۹۵ ، ۲۹۶ ، رقم ۵۰۶۔
[3] تقریب التہذیب ج ۱. ص ۳۴۴ ، رقم ۶۳۳۔
[4] خلاصۃ التہذیب ص ۱۳۶۔

۵۔ المغنی فی الضعفاء : ذہبی، ج ا/ ص ۶۲۹۲۔ میزان الاعتدال : ذہبی، ج ۲/ ۲۵۵۔

۷۔ تہذیب التہذیب : ابن حجر عقلانی، ج ۴/ ص ۲۹۶

۸۔ کتاب الضعفاء و المتروکین: نسائی، ص ۵۱

۹۔ الاصابۃ : ابن حجر عقلانی، ج ۴ ص ۱۷۵۔

۱۰۔ تقریب التہذیب : ابن حجر، ج ا ص ۳۴۴،

۱۱۔ خلاصۃ التہذیب : صفی الدین ص ۱۲۶،

۱۲۔ کتاب المجروحیں : ابن حبان، ج ا ص ۳۴۵۔

۱۳۔ کشف الظنون : حاجی خلیفہ، ج ا ص ۱۲۴

۱۴۔ ھدایۃ العارفین : اسماعیل پاشا، ج ا ص ۴۱۳

۱۵۔ الغدیر : سید عبدالحسین امینی، ج ۵ ص ۱۳۳۔

۱۶۔ الاعلام : زرکلی، ج ۳ ص ۱۵۰۔

دوسرا حصہ

سیف کی روایت میں سقیفہ کی داستان

سپاہ اسامہ : ''قد أعطی السلطۃ رغبتھا و الناس رغبتھم ''سیف نے ان داستانوں میں تحریف کرکے لوگوں کی خواہشات کو پورا کرنے کے علاوہ قدرتمندوں کی خواہشات کو بھی پورا کیاہے ۔

مؤلف:سیف کی روایت میں سپاہ اسامہ :طبری نے اپنی تاریخ کی ج۳، ۲۱۲پر ۱۱ھ کے وقائع اور حوادث بیان کرتے ہوئے اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق کی ج ۱ ص ۴۲۷ میں لشکر اسامہ کے بارے میں درج کیا ہے اس روایت میں سیف کہتا ہے: رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی وفات سے قبل اہل مدینہ اور اس کے اطراف کے باشندوں پر مشتمل ایک لشکر تشکیل دیا تھا ،اور عمر ابن خطاب بھی اس لشکر میں شامل تھا ،رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس لشکر کے سپہ سالار کے طور پر اسامہ بن زید کو مقرر فرمایا تھا ،ابھی یہ لشکر مدینہ کے خندق سے نہیں گزرا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے رحلت فرمائی ۔اسامہ نے لشکر کے آگے بڑھنے سے روکا اور عمر سے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلیفہ کے پاس جا کر ان سے رخصت حاصل کروتا کہ میں لوگوں کو لوٹا دوں''...

مزید کہتا ہے '': اس لشکر میں موجود انصار نے عمر کے ذریعہ ابوبکر کوپیغام بھیجا کہ اسامہ کی جگہ پر کسی اور کو لشکر کا امیر مقرر کریں، عمر نے جب انصار کے اس پیغام کو پہنچا دیا تو ابو بکر ناراض ہوئے اور عمر کی داڑھی کو پکڑ کر کہا : اے ابن خطاب !تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے اور تیرے مرنے پر روئے !اسامہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے لشکر کا سردار مقرر فرمایا ہے، تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اس سے یہ منصب چھین لوں اور کسی دوسرے کو اس کی جگہ پر معین کردوں ؟! اسکے بعد کہتا ہے '': ابو بکر نے اس لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور انھیں رخصت کیا اور رخصت کے وقت یہ دعا پڑھی : خدا کے نام لیکر روانہ ہوجائیے،

خدا تمہیں قتل و طاعون سے نابود ہونے سے بچائے'' یہ تھی لشکر اسامہ کے بارے میں سیف کی روایت۔ سپاہ اسامہ سیف کے علاوہ دوسری روایتوں میں دوسرے راویوں نے لشکر اسامہ کے بارے میں یوں بیان کیا ہے '': رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ۱۱ھ میں سوموار کے دن جبکہ ماہ صفر کے چار دن باقی بچے تھے، رومیوں سے جنگ کی تیاری کا حکم دیدیا، دوسرے دن اسامہ بن زید کو بلایا اور فرمایا: سپہ سالار لشکر کی حیثیت سے اس جگہ کی طرف روانہ ہوجاؤ جہاں پر تیرا باپ شہید ہوا ہے لہذا جاؤ اور ان پر ٹوٹ پڑو۔ بدھ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر سر درد اور بخار کا اثر ہوا اور جمعرات کی صبح کو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے جنگ کے پرچم کو اسامہ کے ہاتھ میں دیدیا، اسامہ پرچم کو ہاتھ میں لینے کے بعد مدینہ سے نکل گئے اور مدینہ سے ایک فرسخ کی دوری پر ''جرف'' کے مقام پر پڑاو ڈال کر کیمپ لگا دیا۔

عام طور پر مہاجر و انصار کے سرداروں کو اس جنگ میں شرکت کی دعوت دی گئی، ابو بکر، عمر، ابو عبیدۂ جراح، سعد و قاص اور سعید بن زید کے علاوہ چند دوسرے لوگ ان میں شامل تھے، کچھ لوگوں نے اعتراض کے طور پر کہا: ''کیوں اس بچہ کو ایک ایسے لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا جاتا ہے جو صف اول کے مہاجرین پر مشتمل ہے!؟یہ باتیں سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سخت برہم ہوگئے، آپؐ کے سر پر ایک رومال بندھا ہوا تھا اور شانوں پر ایک تولیہ رکھا تھا[1]، آپؐ اسی حالت میں گھر سے باہر تشریف لائے اور منبر پر جاکر کر فرمایا'': یہ کیا باتیں ہیں جو اسامہ کی سپہ سالاری کے بارے میں سننے میں آتی ہیں بے شک آپ وہی لوگ ہیں جو اس سے پہلے اس کے باپ کی سپہ سالاری کے بارے میں اعتراض کرتے تھے، جبکہ بخدا اسکا باپ ایک لائق کمانڈر تھا اور اس کا بیٹا بھی اس کی لیاقت و شائستگی رکھتا ہے. اس کے بعد آپؐ منبر سے نیچے تشریف لائے، اسامہ کے ساتھ جانے والے مسلمانوں نے پیغمبر خداؐ کو الوداع کہدیا اور ''جرف'' کے فوجی کیمپ کی طرف روانہ ہوگئے۔ پیغمبر خداؐ کا مرض شدت پکڑتا گیا اس حد تک کہ آپؐ بیماری کی شدت کی وجہ سے بے ہوش پڑے ہوئے تھے، اسامہ آپؐ کے نزدیک آئے اور جھک کر آپؐ کے بوسے

[1] ان دنوں رسم یہ تھی کہ مریضوں کو ردا اور عمامہ کے بجائے ان کے سر پر ایک رومال باندھا جاتا تھا اور شانوں پر ایک تولیا رکھا جاتا تھاا ور یہ اس وقت ہوتا تھا جب بیمار کا سر عمامہ پہننے اور شانے پر ردا ڈالنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔

لئے، پیغمبر خداؐ میں بات کرنے کی طاقت نہیں تھی، اسامہ لوٹے اور سوموار کو دوبارہ پیغمبر خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ اس دن پیغمبرؐ کی حالت بہتر تھی اور آپؐ نے اسامہ سے مخاطب ہوکر فرمایا '' :خوش بختی اور مبارک کے ساتھ روانہ ہوجاؤ''، اسامہ نے پیغمبر خداؐ سے رخصت حاصل کی الوداع کہا اور اپنے فوجی کیمپ کی طرف آگئے اور فوج کو روانہ ہونے کا حکم دیدیا، لیکن جب اپنے گھوڑے پر سوار ہورہے تھے، اسی اثناء میں اسکی ماں کی طرف سے ایک قاصد آیا اور خبر دیدی کہ پیغمبرؐ احتضار کی حالت میں ہیں، لہذا اسامہ، عمر، ابوعبیدہ اور چند دیگر افراد کے ہمراہ واپس لوٹا ، پیغمبر خداؐ نے بھی اسی دن وفات پائی یہ تھی اسامہ کے لشکر کی حالت پیغمبرؐ کی زندگی کے آخری لمحات تک کی ایک اجمالی تشریح ۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمؐ کی رحلت کے بعد والے حالات کے بارے میں ابن عساکر نے اپنی کتاب کے ج ا، ۴۳۳ میں یوں روایت کی ہے '': جب خلافت کیلئے بیعت لینے کا کام تمام ہوا اور لوگوں نے اطمینان کی سانس لی، تو ابوبکر نے اسامہ سے کہا :''اس جگہ کی طرف چلے جاؤ جہاں جانے کا تمہیں پیغمبر خداؐ نے حکم دیا ہے'' مہاجرین اور انصار سے بعض لوگوں نے ابوبکر کو یہ تجویز پیش کی کہ اس لشکر کو روانہ کرنے میں تاخیر کریں لیکن ابوبکر نے ان کی یہ تجویز منظور نہیں کی ۔ ۴۳۸ پر ایک اور روایت میں کہتا ہے ۔

ابوبکر نے لشکر کو روانہ کیا ور اسے رخصت کرتے ہوئے اسامہ سے مخاطب ہوکر کہا '' : میں نے خود سنا ہے کہ پیغمبر خداؐ ضروری ہدایات تجھے دے رہے تھے ان ہی ہدایات پر عمل کرنا میں تجھے کوئی اور حکم نہیں دیتا ہوں ''

تطبیق و موازنہ کا نتیجہ ا۔ سیف اپنی روایت میں کہتا ہے: ابھی اسامہ کے لشکر کا آخری حصہ مدینہ کے خندق سے نہیں گزرا تھا کہ پیغمبرؐ نے رحلت فرمائی، اس جملہ کو سیف نے ایک خاص مقصد کے پیش نظر گڑھ لیا ہے، اس طرح وہ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ پیغمبر کے اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمؐ کے حکم کی تعمیل کرنے میں ایسے آمادہ تھے کہ آپؐ حکم روانگی کے بعد بلا تاخیر روانہ ہوئے

[1] اسی روایت کو ابن سعد نے طبقات ج ۴، ۱۹۰، میں ابن سید نے " عیون الاثر ، ج ۲، ۸۱ میں نقل کیا ہے اور دوسروں نے بھی صراحت کے ساتھ کہ ابو بکر اور عمر اسامہ کے لشکر میں شامل تھے ان میں بلاذری نے انساب الاشراف ج ۱، ۴۷۴ ، یعقوبی نے اپنی تاریخ ۲، ۷۲ میں ، ابن بدران نے تہذیب ج۲، ۷۴ میں ، ابن اثیر نے اپنی تاریخ کی ج۲، ۱۲۰ میں ، ملا متقی نے کنز العمال ج ۵، ۳۱۲ اور منتخب کنز ج ۴، ۱۸۰ میں ، ابن سعد نے بھی طبقات ج ۴، ۶ میں اور مراغی نے " تلخیص معالم دار الهجره ص ۹۰ میں درج کیا ہے

اور ابھی لشکر کا آخری حصہ مدینہ کے خندق سے نہ گزرا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے رحلت فرمائی ...اس طرح وہ اس سے پہلے اور بعد والی مخالفتوں اور نافرمانیوں پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے ! جبکہ دوسری روایتوں میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ حقیقت اس کے برعکس تھی اور اسامہ کے فوجیوں نے '' جرف '' میں کیمپ لگایا تھا اور چند روزتک مدینہ میں رفت و آمد کرتے رہے ۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حالت ٹھیک ہونے پر اسامہ کے لشکر کے روانہ ہونے کے بارے میں سوال فرماتے تھے ، جب آپ کو معلوم ہوتا تھا کہ بعض افراد آپ ؐکے حکم پر عملی جامہ پہنانے میں ٹال مٹول کررہے ہیں اور آپ ؐکے حکم کے اجراء میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں تو آپ سخت برہم ہوتے تھے اور مکرر فرماتے تھے '' : لشکر اسامہ کو روانہ کرو ! لشکر اسامہ کو بھیجدو '' ! لیکن سیف نے اس حقیقت کے بر خلاف تخریب کاروں کو بری کرنے کیلئے مذکورہ جملہ کا اضافہ کیا ہے ۔

٢۔ سیف کہتا ہے '' : اسامہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کی خبر سنتے ہی عمر کو خلیفۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ابوبکر کے پاس بھیج دیا اور ان سے اجازت چاہی تا کہ واپس لوٹیں '' سیف نے اس جملہ کو بھی اپنے خاص مقاصد کے پیش نظر گڑھ لیا ہے ، جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ دوسری روایتوں میں آیا ہے : '' جو خبر اسامہ کو پہنچی وہ پیغمبر ؐکے احتضار کی خبر تھی اور اسامہ عمر اور ابو عبیدہ کے ہمراہ یا بعض روایتوں میں ہے ابو بکر و عمر کے ہمراہ مدینہ واپس لوٹے ۔ پیغمبر ؐکی رحلت کے بعد ابو بکر مدینہآئے اور سقیفہ میں ان کی بیعت انجام پائی جو مسجد النبی میں اختتام کو پہنچی اور جب ابو بکر پیغمبر ؐکے خلیفہ کے عنوان سے پہچانے گئے تو لشکر اسامہ کے سلسلہ میں مداخلت کی ، لیکن سیف اپنے شاطرانہ بیان سے یہ کہنا چاہتاہے کہ ابو بکر کی خلافت کا مسئلہ پیغمبر کے زمانے سے چلا آرہا تھا !!۔

٣۔ سیف روایت کرتا ہے : '' انصار نے ابو بکر سے درخواست کی کہ اسامہ سے سپہ سالاری کا عہدہ چھین کر اس کی جگہ کسی اور کو معین کیا جائے '' ، جبکہ دوسری روایتوں میں خاص کر تاریخ ابن عساکر ج ١ص ٤٣٨ پر واضح طور پر آیا ہے کہ یہ درخواست پیغمبر خداؐ سے ہوئی ہے اور درخواست کرنے والے مہاجرین میں سے صف اول کے کچھ لوگ تھے نہ انصار ، لیکن چونکہ سیف کی ہم عصر

حکومت مہاجرین کے ہاتھوں میں تھی، لہذا اس نے وقت کی حکومت کو راضی رکھنے کیلئے مہاجرین کا کام انصار کے سر پر تھونپ دیا ہے ۔

۴۔ سیف کہتا ہے کہ ابو بکر نے اسامہ اور اس کے لشکر کو دس احکام جاری کئے، جبکہ دوسری روایتوں کے مطابق ضروری احکام پیغمبر خداؐ نے دئے تھے، حتی ان روایتوں میں آیا ہے ابو بکر نے کہا: میں نے سنا ہے کہ پیغمبر خداؐ نے تمھیں ضروری ہدایات دئے ہیں، ان ہی ہدایات پر عمل کرنا میں ان کے علاوہ کوئی اور حکم نہیں دوں گا ۔

۵ ۔ اپنی روایات کے اختتام پر سیف کہتا ہے '': عمر جو پیغام انصار کی طرف سے ابو بکر کے پاس لائے تھے، اس کے سبب ابو بکر نے عمر کی داڑھی پکڑ کر ان کی نفرین کی ''، جبکہ ایسا واقع ہونا بعید لگتا ہے، کیونکہ دوسری روایتوں میں اس سلسلے میں کوئی ذکر نہیں ہے، اور دوسری طرف سے '' وما علی الرسول الآ البلاغ '' بھی ہے ۔

اگر چہ ہم نے اس سے پہلے دیکھا کہ سیف نے اپنی جعل کی گئی روایتوں میں حکومت وقت اور اس کے ہم عصر لوگوں کی خوشنودی اور رضا مندی کے تحفظ کی کوشش کی ہے لیکن یہ آخری جملہ کس لئے گڑھ لیا ہے ؟ کیا اس کے علاوہ کوئی اور علت ہو سکتی ہے کہ علم رجال کے علماء کے بقول وہ زندیق تھا ، اور تاریخ اسلام کا مذاق اڑانا چاہتا تھا ؟ ہمیں تو اس کے علاوہ کوئی اور سبب نظر نہیں آتا ہے!! سیف نے کچھ ایسی روایتیں جعل کی ہیں جن کی بالکل کوئی بنیاد نہیں ہے، سیف کے افسانے خود اس سے مربوط ہیں ان افسانوں میں ایسے ہیرو اور پہلوان نظر آتے ہیں کہ زمانے کی ماتا نے انھیں ابھی جنم ہی نہیں دیا ہے، لیکن سیف کی روایتوں کے منتشر ہونے کے بعد وہ ہیرو، اسلام کی عظیم شخصیتوں میں شمار ہوئے ہیں، انشاء اللہ ہم اس کتاب کے اگلے صفحات میں ان سورماؤں کی معرفی کرادیں گے ۔

سپاہ اسامہ میں موجود نامور اصحاب:اس بحث کے اختتام پر مناسب ہے کہ سپاہ اسامہ میں موجود چند اصحاب رسولؐ کی زندگی کے بارے میں خلاصہ کے طور پر کچھ بیان کیا جائے ۔اول و دوم : ابوبکر و عمر یہ پہلے اور دوسرے خلیفہ ہیں جو محتاج تعارف نہیں ہیں اس لئے ان کے حالات کی تشریح کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے ۔

سوم : ابو عبیدہ جراح ان کے حالت کے بارے میں یوں کہا گیا ہے: [1] ابو عبیدہ ان کی کنیت تھی اور ان کا نام عامر ابن عبد اللہ بن جراح قرشی تھا ۔ ان کی ماں امیمہ بنت غنم بن جابر تھیں ۔ وہ اسلام کے صف اول کے اشخاص میں سے تھے اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے دوبار ہجرت کی ہے ۔ ابو بکر نے انھیں ایک لشکر کا سردار مقررر کر کے شام بھیجدیا ۔ انھوں نے ۱۸ھ میں ''عمواس'' نامی مشہور طاعون کے سبب وفات پائی،اور موجودہ اردن میں ایک جگہ پر انکو سپرد خاک کیا گیا ۔

چہارم : سعد '' وقاص [2] '' ان کی کنیت ابو اسحاق تھی اور ان کے باپ کا نام مالک تھا،وہ قریش کے قبیلۂ زہرہ سے تعلق رکھتے تھے، کہا جاتا ہے کہ وہ ساتوین افراد تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا نیز انھوں نے بدر اور دوسرے غزوات میں شرکت کی ہے، وہ اسلام میں پہلے وہ شخص ہیں جس نے سب سے پہلے دشمن کی طرف تیر پھینکا،وہ عراق کے سرکردہ فاتحین میں سے تھے اور عمر نے انھیں کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا ، عمر ابن خطاب نے ابو لؤلؤ کے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد سعد و قاص کو خلافت کی چھ رکنی شوریٰ کا ممبر معین کیا ۔

سعد نے عثمان کے قتل ہونے کے بعد لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور معاویہ کی خلافت کے زمانے میں مدینہ سے باہر '' عقیق '' نامی ایک جگہ پر رہائش پذیر تھے اور وہیں پر وفات پائی،ان کے جنازہ کو مدینہ لے جا کر بقیع میں دفن کیا گیا ۔

---

[1] ملاحظہ ہو الاستعیاب ج۳، ۲۔۴ اور اسد الغابہ ج ۳، ۸۴ ۔ ۸۶ اور اصابہ ج ۲، ۳۴۵۔
[2] ملاحظہ ہو استیعاب ،ج ۲، ص۱۸۔ ۲۵ اور اسد الغابہ ،ج ۲، ۲۶۰ و اصابہ ،ج ۲، ۳۰۔ ۳۶

پنجم: سعید بن زید[1] : سعید قریش کے قبیلۂ عدی سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت عمر ابن خطاب کا چچیرے بھائی تھے۔ عمر نے سعید کی بہن عاتکہ سے اور سعید نے عمر کی بہن فاطمہ سے شادی کی تھی ۔ عمر کی بہن فاطمہ اور عمر کے چچیرے بھائی سعید نے عمر سے پہلے اسلام قبول کیا، جب عمر کو اس کی اطلاع ملی تو ان کے گھر جا کر اپنی بہن کے چہرے پر ایسا تھپڑ مارا کہ ان کے رخسار سے خون جاری ہوگئے، لیکن اس کے فوراً بعد بہن کی اس حالت پر رحم کھا کر خود بھی مسلمان ہوگئے !!! سعید نے ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں وفات پائی اور مدینہ میں انھیں سپرد خاک کیا گیا۔

ششم ۔ اسامہ: اسامہ کے باپ زید بن حارثہ کلبی، پیغمبر خداﷺ کا آزاد کردہ غلام اور ان کی ماں ام ایمن حضرت کی آزاد کردہ کنیز اور ان کی خادمہ تھیں، اسامہ اسلام کے ابتدائی دنوں میں پیدا ہوئے تھے اور انھوں نے معاویہ کی خلافت کے دوران وفات پائی تھی سپاہ اسامہ روانہ کرنے میں پیغمبر خداﷺ کا مقصد جس کام کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں انجام دیا ، وہ حیرت انگیز تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اصحاب میں سے بعض افراد اور بزرگوں کو انتہائی اصرار کے ساتھ مدینہ سے نکال کر شام اور سوریہ کی سرحد تک روانہ کرکے اسلامی مرکز سے دور بھیجنا چاہتے تھے۔ اس غرض سے ان کو مجبور کیا تھا کہ اسامہ کی کمانڈری میں رہیں، یعنی ایک ایسے شخص کی کمانڈری میں جس کے ماں باپ دونوں غلام تھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انھیں آزاد کیا تھا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کیوں مذکورہ افراد کو اسامہ کی سرکردگی میں مدینہ (جو اس زمانے میں اسلام کا دار الخلافہ تھا) سے دور بھیجنا چاہتے تھے اور اس نازک وقت پر علی علیہ السلام کو اپنے سرہانے رکھنا چاہتے تھے ؟!!!

سیف کی احادیث میں سقیفہ کی داستان

الا و ان لی شیطاناً یعترینی فاذا أتانی فاجتنبونی''... ہوشیار رہو ! میرا ایک شیطان ہے جو بعض اوقات مجھ پر مسلط ہوتا ہے اور اگر تم لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا تو اس وقت مجھ سے دوری اختیار کرنا تا کہ میری طرف سے تمہارے مال و جان کو کوئی نقصان نہ پہنچے....

[1] اسکے حالات زندگی کے سلسلے میں اسد الغابہ ج ۲، ۳۰۸ اور اصابہ و استیعاب کا مطالعہ کیا جائے ۔

ابو بکر سیف نے سقیفہ کی داستان کو سات روایتوں میں نقل کیا ہے ہم اس فصل میں پہلے اس کی ان روایتوں کو نقل کریں گے اور اس کے بعد ان کے اسناد کی تحقیق کریں گے، اگلی فصلوں میں دوسرے راویوں کی روایتوں سے ان کی تطبیق و موازنہ کرکے چھان بین کریں گے اور آخر میں سیف کی روایتوں کے مآخذ اور ان کے مضمون کے بارے میں تحقیق کا نتیجہ علم دوست حضرات کی خدمت میں پیش کریں گے ۔

سیف کی روایتیں :پہلی روایت: ابن حجر نے قعقاع بن عمرو کی زندگی کے حالات کو سیف سے نقل کرتے ہوئے یوں بیان کیا ہے کہ قعقاع نے کہا ہے : میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے وقت وہاں پر حاضر تھا، جب ہم نے ظہر کی نماز پڑھی تو ایک شخص نے مسجد میں داخل ہوکر کہا ؛ انصار متفقہ طور پر سعد بن عبادہ کو جانشینی اور خلافت کے عہدہ پر منتخب کرنا چاہتے ہیں اور اس بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان کو توڑنا چاہتے ہیں ۔ مہاجرین اس خبر کو سننے کے بعد وحشت میں پڑگئے [1] ۔

دوسری روایت: طبری نے ١١ھ میں سیف سے نقل کیا ہے کہ راوی نے سعید بن زید سے پوچھا : کیا تم رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے وقت حاضر تھے ؟اس نے کہا ؛ جی ہاں !ابو بکر کی بیعت کس دن کی گئی؟اس نے جواب میں کہا اسی دن جس روز رسول خداؐ نے رحلت فرمائی، کیونکہ لوگ نہیں چاہتے تھے نصف دن بھی اجتماعی نظم و انتظام کے بغیر گزاریں ۔ کیا کسی نے ابو بکر کی بیعت سے اختلاف کیا ؟نہیں، صرف ان لوگوں نے مخالفت کی جو مرتد ہوئے تھے یا مرتد ہونے کے نزدیک تھے تو انھیں خدا نے انصار کے ہاتھوں نجات بخشی تھی ۔کیا مہاجرین میں سے کسی نے بیعت سے سرپیچی کی ؟نہیں، تمام مہاجرین نے کسی کی تجویز کے بغیر یکے بعد دیگرے بیعت کی۔

---

[1] اصابہ : ۲, ۲۴۰ ، الجرح و التعدیل . رازی ج ۳, حصہ ۲, ۱۳۶۔

تیسری روایت: طبری نے بھی سعد بن عبادہ کیلئے بیعت لینے کی انصار کی کوشش اور ان کی ابوبکر سے مخالفت کے بارے میں یوں روایت کی ہے : کہ[۱] '' سیف نے اپنے مآخذ سے سہل اور ابی عثمان سے اور اس نے ضحاک بن خلیفہ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا : '' جب حباب بن منذر[۲] نے کھڑے ہوکر تلوار ہاتھ میں لی اور کہا :انا جذیلھا المحکک و عذیقھا المرجب، ان ابو شبل فی عریۃ الاسد[۳] '' عمر نے تلوار ہاتھ میں لی اور سعد بن عبادہ کی طرف حملہ کیا ، دوسرے لوگ بھی سعد بن عبادہ پر حملہ آور ہوئے اور پے در پے ابوبکر کی بیعت کی، انصار کا یہ کام ایام جاہلیت کی سی ایک غلطی تھی جس کا ابوبکر نے ڈٹ کر مقابلہ کیا ۔

جس وقت سعد بن عبادہ پایمال ہوا ، ایک شخص نے کہا ؛ کیا تم لوگوں نے سعد بن عبادہ کو قتل کر ڈالا ؟ عمر نے جواب میں کہا : خدا اسے مار ڈالے ، وہ ایک منافق شخص ہے !اس کے بعد عمر نے حباب کی تلوار کو ایک پتھر پر مار کر اسے توڑ دیا ''

چوتھی روایت : اس کے بعد طبری نے مندرجہ ذیل روایت کو نقل کیا ہے ،سیف نے جابر سے روایت کی ہے کہ : '' سعد بن عبادہ '' نے اس دن ابوبکر سے کہا : اے مہاجرین کی جماعت !تم لوگوں نے میری حکمرانی پر رشک کیا ہے !اور اے ابوبکر !کیا تم نے میرے خاندان کی حمایت میں ہمیں بیعت کرنے پر مجبور کیا ہے ؟ابوبکر اور ان کے حامیوں نے جواب میں کہا : اگر ہم تیری دلی چاہت کے خلاف ملت سے جدا ہونے پر تجھے مجبور کرتے اور تم مسلمان کے اجتماع سے اپنے رابطہ کو برقرار رکھتے، تو تم یہ کام کر سکتے، لیکن ہم نے تجھے اجتماع سے پیوست ہونے پر مجبور کیا ، معلوم ہے کہ اس رسالت کو بدلا نہیں جاسکتا ہے ، اگر اطاعت کرنے سے منہ موڑ لوگے اور معاشرے میں تفرقہ ایجاد کروگے تم ہم تیرا سر قلم کریں گے ۔

---

[۱] طبری ج ۳، ۲۱۰

[۲] حباب بن منذر پیغمبر خدا ؐ کے اصحاب میں سے تھے ان کی زندگی کے حالات بعد میں بیان کئے جائیں گے۔

[۳] ہ تین جملے عربی ضرب المثل ہیں اور ان کے معنی یہ ہیں ؛ میں اس لکڑی کے مانند ہوں جسے اونٹوں کے سونے کی جگہ پر رکھا جاتا ہے تا کہ کھجلی آنے پر وہ اپنے بدن کو اس کے ساتھ رگڑ لیں (یہ اس بات کی طرف کنایہ ہے کہ مشکل کے وقت میری رائے کی طرف پناہ لیں) اور میں اس قوی درخت کے مانند ہوں کہ مشکلات میں میرے سائے میں پناہ لیتے ہیں اور حوادث کے طوفان مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچاتے ۔ میں کچھار میں شیر کے بچوں کے باپ کے مانند ہوں ۔

پانچویں روایت: طبری ابوبکر اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی بیعت کے بارے میں بھی سیف سے اس طرح نقل کرتا ہے کہ علی، گھر میں تھے کہ خبر ملی کہ ابوبکر نے بیعت کیلئے نشست کی ہے چونکہ وہ ابوبکر کی بیعت کرنے میں تاخیر کرنا نہیں چاہتے تھے، اس لئے صرف ایک کرتا پہن کر قبا و شلوار کے بغیر پوری عجلت کے ساتھ باہر آئے اور ابوبکر کے پاس دوڑے اور ان کی بیعت کی، اس کے بعد کسی کو بھیج دیا تاکہ ان کی قبا لے آئے پھر قبا کو پہننے کے بعد ابوبکر کے پاس بیٹھ گئے ۔

چھٹی حدیث:اس کے علاوہ طبری نے سیف سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے دوسرے دن ابوبکر نے دو خطبے نسبتاً طولانی بیان کئے جن میں دوسری تمام چیزوں کی نسبت موت، دنیا کے فانی ہونے اور آخرت کے بارے میں بات کی ۔انشاء اللہ ہم ان خطبوں کو کتاب کے آخر میں (روایتوں کی چھان بین کے باب میں) نقل کرکے اس پر تحقیق کریں گے، ان دو خطبوں میں جو چیز قابل توجہ ہے وہ یہ جملہ ہے کہ ابوبکر نے کہا ہے : ألا و إن لی شیطاناً یعتر ینی فاذا اتانی فاجتنبونی لا أؤثر فی اشعارکم و ابشارکم ۔ہوشیار رہو ! میرا ایک شیطان ہے جو کبھی کبھار مجھ پر مسلط ہوتا ہے اگر وہ شیطان میرے نزدیک آیا تو تم لوگ مجھ سے دوری اختیار کرنا تاکہ میں اپنے مفاد میں تمہارے مال و جان پر دست درازی نہ کروں“

ساتویں حدیث :طبری[1] نے مبشر بن فضیل سے اس نے جبیر سے اس نے اپنے باپ صخر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے محافظ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا :پیغمبر خدا، کی وفات کے وقت خالد بن سعید عاصی یمن میں تھا ۔ وہ ایک مہینہ بعد مدینہ کی طرف آیا ۔ اورایک زیبا قبا پہنے عمر اور حضرت علی علیہ السلام کے سامنے حاضر ہوا ، جب عمر نے اسے ایک زیبا قبا میں ملبوس پایا تو اپنے حامیوں سے مخاطب ہوکر بلند آواز میں بولے: خالد کی زیب تن کی ہوئی قبا کو پھاڑ ڈالو!اس نے ریشمی قبا پہنی ہے جبکہ یہ جنگ کا زمانہ نہیں ہے بلکہ صلح کا زمانہ ہے[2] عمر کے حامیوں نے ان کے حکم سے خالد کی زیبا قبا کو پھاڑ ڈالا ۔خالد نے غصے کی حالت میں حضرت علی علیہ السلام کی طرف مخاطب ہوکر کہا اے ابوالحسن !اے عبد مناف کے فرزند !کیا خلافت کو کھونے کے

---

[1] طبری ج ۲، ۵۸۶۔
[2] اسلام میں مردوں کیلئے جنگ کے موقع پرریشمی لباس پہنناجائز ہے اور صلح میں حرام ہے ۔

بعد مغلوب ہوچکے ہو؟ حضرت علی علیہ السلام نے جواب میں کہا : تم اسے غالب و مغلوب دیکھتے ہو یا خلافت کو[1] !؟ عمر نے خالد سے مخاطب ہوکر کہا ؛ خدا تیرے منہ کو توڑ ڈالے !تم نے ایسی بات کہی ہے جو جھوٹوں کیلئے ہمیشہ سند بن جائے گی او راس کو نقل کرنے والا اپنے لئے نقصان کے سوا کچھ نہیں پائے گا !اس کے بعد عمر نے خالد کی باتوں کی رپورٹ ابوبکر کو پیش کی ۔کچھ وقت گزرنے کے بعد جب ابوبکر مرتدوں سے جنگ کرنے کیلئے ایک لشکر کو منظم کررہے تھے تو خالد کے ہاتھ بھی ایک پرچم دینے کی ٹھان لی، عمر نے انھیں ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا : خالد ایک ناتوان اور کمزور شخص ہے اور اس نے ایک ایسا جھوٹ بولا ہے کہ جب تک اسکے اس جھوٹ کو نقل کرنے والا دنیا میں موجود ہو اور لوگ اس کے گرد جمع ہوجائیں اس شخص سے ہرگز مدد طلب نہیں کرنی چاہئے، ابوبکر نے مرتدوں سے جنگ کرنے کے بجائے خالد کو رومیوں سے جنگ کرنے کیلئے بھیجا اور اسے فوج کے ڈپٹی کمانڈر کی حیثیت سے تیماء روانہ کیا اس طرح عمر کی باتوں کے ایک حصہ پر عمل کیا اور ایک حصہ کو مسترد کردیا ۔

سیف کی روایتوں کا مآخذ: علم حدیث کے دانشور اور علماء جب کسی روایت کے بارے میں تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو وہ دو چیزوں کو مد نظر رکھتے ہیں : اول : روایت کا مآخذ، یعنی روایت کرنے والا کن خصوصیات کا مالک ہے اور اس نے روایت کو کن اشخاص سے نقل کیا ہے ۔

دوم : روایت کا متن، یعنی روایت میں بیان ہوئے مطالب کی چھان بین کرنا اس لحاظ سے سقیفہ کے بارے میں سیف کی روایتوں کو متن و مآخذ کے لحاظ سے چھان بین کرنا چاہئے تا کہ ان کی علمی قدر و منزلت اور اعتبار کی حیثیت معلوم ہو سکے اب ہم سیف سے نقل کی گئی روایتوں کے مآخذ کی چھان بین کرتے ہیں ۔ سیف کی سب سے پہلی روایت جسے ہم نے نقل کیا وہ کتاب '' الاصابہ '' سے ہے، جسے سیف نے قعقاع بن عمرو تمیمی سے نقل کیا ہے، قعقاع ایک ایسا سورما ہے جو سیف کے خیالات کی تخلیق ہے اسی قسم کے کسی شخص کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں ہے، لیکن بعض علماء نے تحقیق کئے بغیر صرف سیف کی روایت پر بھروسہ

[1] قال : قال یا ابا الحسن یا بنی عبد مناف اغُلِبتم علیہا ؟ فقال علیٌ أ مغالبۃ تری ام خلافۃ ؟ !خالد نے کہا : اے عبد منا ف کے بیٹو ! " تمہارے سوا کوئی اور خلافت کا سزاوار نہیں ہے ؟ ''

کر کے قعقاع کے نام کو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب کی فہرست میں درج کر کے سیف کی روایتوں سے اس کی زندگی کے مفصل حالات قلم بند کردیئے ہیں سینکڑوں کتابوں میں اس کے اشعار، بہادریوں، جنگوں، جنگی منصوبوں، لشکر کشیوں اور اجتماعی کارکردگی کے بارے میں قلم فرسائی کی ہے، ان افسانوں کا سرچشمہ صرف اور صرف سیف کی روایتیں ہیں ۔ ہم نے اس موضوع اور سیف کے اس قسم کے افسانوی بہادروں کے بارے میں اپنی کتاب '' خمسون و مأۃ صحابی مختلق '' میں تفصیلات بیان کی ہیں[1] ۔

سیف نے تیسری روایت کو سہل سے نقل کیا ہے اور اسے یوسف بن سلمی انصاری کا بیٹا بتایا ہے ہم نے جس کتاب میں اس کے بارے میں لکھا ہے وہاں یہ ثابت کیا ہے کہ حقیقت میں اس نام کا کوئی راوی ہی وجود نہیں رکھتا تھا اور یہ بھی سیف کے خیالات کی تخلیق ہے ۔

چوتھی روایت سیف نے مبشر سے نقل کی ہے، یہ نام بھی صرف سیف کی روایتوں میں درج ہے اس کا کہیں اور سراغ نہیں ملتا، علم حدیث کے علماء نے اس کے بارے میں کہا ہے '' : سیف اس سے روایت کرتا ہے لیکن اسے کوئی نہیں جانتا[2] ''آخری روایت کو سیف نے صخر نامی ایک شخص سے نقل کیا ہے، سیف نے اس کا پیغمبر خداؐ کے خصوصی محافظ کے عنوان سے تعارف کرایا ہے، جبکہ علم رجال کی کتابوں اور پیغمبر خداؐ کے اصحاب کی زندگی کے حالات میں اس قسم کے کسی شخص کا ذکر تک نہیں ہے اور پیغمبر خداؐ کا کوئی محافظ اس نام کا نہیں تھا ۔ اس کے مآخذ میں اور بھی مجہول راوی ہیں کہ اس خلاصہ میں ان کا ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے ۔ یہ تھیں سیف کی روایتیں مآخذ اور قدر و منزلت کے لحاظ سے، اب ہم ان روایات کے متن کے بارے میں قارئین کو جانکاری دیں گے ۔

---

[1] اس کتاب کا ترجمہ اردو زبان " ۱۵۰ جعلی اصحاب " کے عنوان اسی مترجم کے قلم سے ہوا ہے ۔
[2] ملاحظہ ہو لسان المیزان ج۵، ۱۳

سیف کی روایتوں کے مآخذ سیف کی روایتوں میں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اسے روایت گڑھنے میں خاص مہارت تھی ۔ کیونکہ وہ روایتوں کے ایک حصہ میں حقائق کی تحریف کرتا ہے اور حوادث کے دوسرے حصہ کو ایسے نقل کرتا ہے کہ پڑھنے والا غیر شعوری طور پر مطلب کو واقعیت کے خلاف سمجھتا ہے اس مطلب کی وضاحت کیلئے سیف کی روایت گڑھنے کی مہارت کے سلسلے میں یہاں پر ہم ایک نمونہ پیش کرتے ہیں: قعقاع سے نقل کی گئی سیف کی روایت میں (جسے اسی کتاب میں پہلی روایت کے طور پر درج کیا گیا ہے) آیا ہے '' :پیغمبر خداؐ کی رحلت کے دن ظہر کی نماز کے بعد یہ خبر ملی کہ انصار سعد بن عبادہ کی بیعت کرکے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کئے گئے عہد وپیمان کو توڑنا چاہتے ہیں ''

پڑھنے والا اس روایت سے یہ سمجھتا ہے کہ لوگوں نے خلافت کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کوئی عہد وپیمان باندھا تھا ، جسے انصار توڑنا چاہتے تھے۔اس کے علاوہ لشکر اسامہ کے بارے میں دوسری روایت میں(جسے ہم نے اس سے پہلے بیان کیا) تاریخ طبری اور تاریخ ابن عساکر سے نقل کرکے سیف بیان کرتا ہے '': جب پیغمبر خداؐ کی رحلت کی خبر فوجی کیمپ میں پہنچی،تو اسامہ نے عمر کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ابوبکر کے پاس بھیجا ''...اس روایت سے اس امر کا استنباط ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ لوگوں کا عہد و پیمان ابو بکر کی خلافت کے بارے میں تھا ۔ سیف نے سقیفہ کہ داستان نقل کرنے میں مذکورہ چابک دستی اور مہارت سے کافی استفادہ کیا ہے ۔

سقیفہ کا واقعہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جس میں حقیقت اپنی اصلی راہ سے مکمل طور پر منحرف ہوئی ہے، سیف نہیں چاہتا تھا اس تاریخی امانت میں خیانت کئے بغیر اسے دوسروں تک پہنچادے، سقیفہ کے بارے میں نقل کی گئی اس کی تمام روایتیں خلاف واقع اور حقیقت سے دور ہیں، سقیفہ اور ابوبکر کی بیعت کے بارے میں حقیقت قضیہ جاننے سے سیف کے جھوٹ کا پول کھلنے کے علاوہ سقیفہ کے بارے میں معاویہ کے زمانے تک کے تاریخی حقائق کھل کر سامنے آتے ہیں ۔لہذا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے سقیفہ کے

واقعہ کو مکمل طور پر اور استناد کے ساتھ علمائے اہل سنت کی معتبر کتابوں میں موجود مورد اعتماد روایتوں سے نقل کر کے پیش کریں اور اس کے بعد اس سلسلے میں سیف کی نقل کی گئی روایتوں کی چھان بین کریں ۔

داستان سقیفہ کی داغ بیل: ھلم اکتب لکم کتاباً لن تضلوا بعدہ ابداً آؤ ! میں تمہارے لئے ایک ایسا وصیت نامہ لکھدوں گا ، جس کے ہوتے ہوئے تم لوگ ہرگز گمراہ نہیں ہوگے پیغمبر اکرم ؐان النبی غلبہ الوجع و عندکم کتاب اللہ پیغمبر خداؐ بخار اور بیماری کے سبب بولتے ہیں، تمھیں کتابِ خدا کے ہوتے ہوئے ان کی تحریر کی ضرورت نہیں ہے ۔

عمر، خلیفہ دوم :وہ فرمان جس کی اطاعت نہیں ہوئی سقیفہ کے واقعہ کی پیغمبر خداؐ کی رحلت سے پہلے داغ بیل ڈالی گئی تھی، چنانچہ ہم نے گزشتہ فصل میں دیکھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یہ کوشش اور تلاش تھی کہ اسلام کے دار الخلافہ مدینہ کو سرکردہ مہاجر اور انصار سے خالی کریں اسی لئے انھیں شام کی سرحدوں پر جاکر جہاد کرنے کی ذمہ داری دیدی تھی، صرف علی علیہ السلام کو مدینہ میں اپنے سرا ہنے رہنے کی اجازت دی تھی، لیکن ان لوگوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس فرمان کی اطاعت نہیں کی اورا س حکم کی تعمیل کرنے میں لیت و لعل اور لاپرواہی سے کام لیا اور اسی دوران پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رحلت فرما کر اپنے مالک حقیقی سے جاملے، اس رونما شدہ واقعہ کے دوران ایک ایسا اہم حادثہ پیش آیا، جس نے تاریخ کی راہ کو مکمل طور پر موڑ کے رکھ دیا ۔

وصیت نامہ، جو لکھا نہ جاسکا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زندگی کے آخری لمحات قریب سے قریب تر ہوتے جارہے تھے، مدینہ منورہ کی فضا میں اضطراب اور وحشت کے بادل منڈلارہے تھے، ہر ایک یہ محسوس کررہا تھا کہ عالمِ بشریت جلدی ہی اپنے عظیم الشان قائد سے محروم ہونے والی ہے ۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے تربیتی منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے بستر علالت پر ہی آخری خاکہ کھینچ رہے تھے ۔ آپ ؐنے فیصلہ کیا کہ کسی تاخیر کے بغیر اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنائیں اور اپنی کئی برسوں کی

زحمتوں اور خدمات کو ضائع ہونے نہ دیں، لیکن افسوس کا مقام ہے کہ وہی افراد جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مرضی کے خلاف مدینہ سے باہر نہ نکلے تھے، حالات کا جائزہ لے رہے تھے تاکہ پہلیفرصت میں اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنائیں ۔ لہذا انہوں نے اس امر کی اجازت نہیں دی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، کا آخری پروگرام بشریت کی راہنمائی کیلئے ایک تحریری سند کے طور پر باقی رہے ۔ عمر ابن خطاب بذات خود کہتے ہیں '': ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے اور خواتین پردے کے پیچھے بیٹھی تھیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: مجھے سات خوشبو والے پانی سے غسل دینا اور میرے لئے ایک کاغذ اور قلم لاؤ تاکہ تمہارے لئے ایک ایسی تحریر لکھدوں کہ اس کے بعد تم لوگ ہرگز گمراہ نہ ہوگے''

خواتین نے کہا: جو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چاہتے ہیں اس چیز کو حاضر کرو[1] ''مقریزی لکھتا ہے '': اس بات کو جحش کی بیٹی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیوی زینب اور اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی دوسری عورتوں نے کہا : ''عمر'' کہتے ہیں : '' میں نے کہا چپ رہو، تم وہی عورتیں ہو، جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بیمار ہوتے ہیں تو اپنی آنکھوں پر زور دیکر روتی ہو اور جب آپ دوبارہ صحت یاب ہوجاتے ہیں تو ان کی گردن پکڑ کر ان سے نفقہ مانگتی ہو ! رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا '' :یہ عورتیں تم سے بہتر ہیں '' ابن سعد نے طبقات[2] میں جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا : پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت کاغذ طلب کیا تاکہ اپنی امت کیلئے ایک ایسی تحریر لکھ ڈالیں کہ اس کے بعد نہ آپ کی امت گمراہ ہوگی اور نہ کوئی اسے گمراہ کرسکے گا، اس مجلس میں حاضر لوگوں نے ایسا ہنگامہ مچایا کہ پیغمبر اسلام نے اپنا فیصلہ ترک کردیا ۔ اس کے علاوہ مسند احمد[3] میں ابن عباس سے روایت کی گئی ہے : جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی موت نزدیک آئی تو، آپ نے فرمایا'' : میرے لئے ایک بھیڑ کا کندھا لاؤ[4] میں تم لوگوں کیلئے ایک تحریر لکھ دوں گا تاکہ میرے بعد

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ج۲، ۳۷ او نہایۃ الارب ج ۱۸. ۳۷۵ ، و کنزل العمال ج ۳، ۱۳۸ و ج ۴، ۵۲ اور مختصر کنز ج۳ ۔

[2] ج ۲ صفحہ۲۴۲ ۔

[3] ج ۱ ص ۲۹۳ ۔

[4] اس زمانہ میں کاغذ نہ ہونے کی وجہ سے تحریرات چمڑے ، حیوانوں کی ہڈیوں اور لکڑی جیسی چیزوں پر لکھے جاتے تھے ۔

تمہارے درمیان حتی دو افراد میں بھی آپس میں اختلاف پیدا نہ ہو سکے ''ابن عباس کہتے ہیں '':ایک جماعت نے شور و ھنگامہ شروع کر دیا تو ایک عورت نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: ''افسوس ہو تم لوگوں پر پیغمبر وصیت کرنا چاہتے ہیں'' ابن عباس اپنی ایک دوسری روایت میں کہتے ہیں[1] پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس بیماری کے دوران (جس کے سبب آپ وفات پا گئے)فرمایا '' : میرے لئے دوات اور ایک کاغذ لاؤ تا کہ تمہارے لئے ایک ایسی تحریر لکھ دوں کہ تم اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے ؟''عمر نے کہا: روم کے باقی رہ گئے فلاں اور فلاں شہروں کو جب تک رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فتح نہیں کر لیں گے اس وقت تک اس دنیا سے نہیں جائیں گے ،اور اگر آپ نے وفات پائی تو ہم آپ کے انتظار میں اسی طرح رہیں گے جس طرح بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے انتظار میں منتظر رہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیوی زینب نے اس کے جواب میں کہا: کیا نہیں سنتے ہو پیغمبر تمہیں وصیت کرنا چاہتے ہیں ؟!اس کے بعد انہوں نے ہنگامہ اور شور و شرا با کیا ،لہذا پیغمبرؐ نے فرمایا: یہاں سے اٹھ جاؤ، ''جب وہ اٹھ کر چلنے لگے تو آپ نے وفات پائی''۔

ان روایتوں اور اس کے بعد آنے والی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ضعیف حالت کے باوجود کئی بار حکم دیا تھا کہ ان کیلئے کاغذ و دوات لائی جائے، لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بستر کے پاس بیٹھے ہوئے افراد نے مجلس میں کھلبلی اور ہنگامہ مچا کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنے فیصلہ سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا ،آنے والی بحثوں میں جن روایتوں کو ہم نقل کریں گے ،ان سے معلوم ہو جائے گا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حضور میں کس طرح کے ناشائستہ باتیں کی گئیں جن کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وصیت نامہ لکھنے سے صرف نظر کریں۔ صحیح بخاری[2] اور دوسری کتابوں میں روایت نقل ہوئی ہے کہ ابن عباس نے

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲، ۲۴۴۔

[2] حدیث کا لفظ صحیح بخاری میں سے ہے ،کتاب جہاد باب جوائز وفد ج ۲، ۱۲۰ ، ملاحظہ ہو ج ۲، ۱۱۲ باب اخراج یہود از جزیرۃ العرب کتاب جزیہ اور صحیح مسلم ج ۵، ۷۵ باب ترکہ وصیت اور مسند احمد تحقی احمد شاکر حدیث نمبر ۱۹۳۵ اور طبقات ابن سعد ۲، ۲۴۴ ، اور طبری ج ۴ ،۱۹۳ ان کی حدیث کے لفظ میں یہ ہے :ما شأنہ أھجر ..... فذھبوا یُعیدون علیہ فقال:دعونی....)

کہا '' : جمعرات کا دن ... کیسا دن تھا ، ؟! اس کے بعد اس قدر روئے کہ ان کی آنکھوں سے بہنے والے آنسؤں نے کنکریوں کو تر کردیا .

اس کے بعد بولے: رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی شدید بیماری کے عالم میں فرمایا: میرے لئے ایک کاغذ لاؤ تا کہ تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں کہ میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے ''

مجلس میں موجود افراد میں جنگ و جدل برپا ہوگیا ، جبکہ کسی بھی پیغمبر کے حضور اختلاف و جدال کرنا جائز نہیں ہے، کچھ لوگوں نے کہا : پیغمبرؐ ہذیان بک رہے ہیں !! پیغمبر نے فرمایا '' مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو ! میری حالت اس سے بہتر ہے جو تم میرے بارے میں کہتے ہو[1] ؟ ابن عباس نے ایک دوسری روایت میں اس بات کے راوی کا تعارف کرایا ہے، صحیح بخاری میں اس سے نقل کرکے بیان ہوا ہے[2] '' جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی موت نزدیک آگئی ، کچھ لوگ ، جن میں عمر ابن خطاب بھی شامل تھے ، پیغمبر خداؐ کے گھر میں جمع ہوئے تو ، پیغمبرؐ نے فرمایا : جلدی کرو تا کہ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے '' عمر ابن خطاب نے حاضرین سے کہا : بیماری نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حواس خمسہ پر غلبہ کیا ہے ، قرآن تمہارے پاس ہے اور خدا کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے '' اس گھر میں موجود لوگوں کے درمیان اختلاف پیدا ہوا ، بعض لوگوں نے عمر کی ہاں میں ہاں ملائی ، جب بیہودہ گفتگو حد سے بڑھ گئی اور اختلاف کا دامن پھیلنے لگا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے رنجیدہ ہوکر فرمایا '' : میرے نزدیک سے اٹھ جاؤ ، کیونکہ میرے سامنے جدال و اختلاف کرنا جائز نہیں ہے '' ۔ مسند احمد کی روایت اور طبقات میں یوں آیا ہے '' : جب بیہودہ کلام حد سے بڑھ گیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رنجیدہ خاطر ہوئے اور فرمایا '' : میرے پاس سے اٹھ جاؤ '' ! اس حدیث کا راوی کہتا ہے کہ : ابن عباس مکرر کہتے تھے : '' بد بختی اور مصیبت ہم پر اس وقت نازل ہوئی جب اختلاف اور یاوہ گوئی کے سبب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس تحریر کو نہ لکھ سکے[3] '' وہ صحابی ، جس

---

[1] بلاذری کی انساب الاشراف ج ۱، ۵۶۲ ، ملاحظہ ہو اور طبقات ابن سعد ج ۲، ۲۴۲ اور صحیح مسلم ج ۵، ۷۶ اور ان لفظ ان رسول اللہ لیَہجُر تحریر ہوا ہے ۔

[2] یہ لفظ صحیح بخاری میں ہے ملاحظہ ہو ج ۱، ۲۲ ، باب کتابۃ العلم ، کتاب علم سے اس لفظ کے نزدیک ہے ، مسند احمد تحقیق احمد شاکر حدیث نمبر ۲۹۹۲ ، طبقات ج۲، ۲۴۴

[3] یہ صحیح بخاری کی عبارت کتاب اعتصام بہ کتاب و سنۃ کے باب کراہیۃ الخلاف ، ج ۴، ۱۸۰ اور کتاب مرض کے باب قول المریض قوموا اعنی ج ۴، ۵ اور ج ۳، ۶۲ باب مرض النبی کتاب مغازی اور صحیح مسلم ج ۵، ۷۶ کتاب کے آخری باب " وصیۃ " میں اور مسند

نے پیغمبر خدا ؐ پر ہذیان بکنے کی تہمت لگائی ۔ان تمام روایتوں میں عمر ابن خطاب کے علاوہ کسی اور کا نام نہیں لیا گیا ہے ، یہ عمر تھےجنھوں نے پیغمبر ؐکی بیویوں کے یہ کہنے : ''جو پیغمبر ؐ چاہتے ہیں اسے حاضر کیجئے '' کے جواب میں کہا : ''انکن صواحبۃ''[1] اور اس رائج ضرب المثل کے ذریعہ ان کی سرزنش کرکے اس توہین آمیز لہجہ میں پیغمبر ؐکی بیویوں کی بے احترامی کی ۔

یہ عمر تھے جس نے یہ کہا کہ :اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مرجائیں تو روم کے شہروں کو کون فتح کرے گا؟یہ عمر تھے جس نے جب احساس کیا کہ مجلس میں حاضرین کی اکثریت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مرضی کی حامی ہے اور قریب ہے مسلمانوں کے ہاتھ پیغمبر ؐکی ایک ایسی تحریر آئے جس سے عمر اور اس کے حامیوں کے منصوبے نقش بر آب ہوجائیں گے تو اس نے کہا : پیغمبر ؐ پر بیماری کا دباؤ پڑا ہے اور وہ نہیں جانتے ہیں کہ کیا بول رہے ہیں ، تمہارے پاس قرآن ہے اور وہی کافی ہے! عمر نے ہی کہا تھا : ''یہ شخص ہذیان بک رہاہے اور اس نے اس نامناسب جملہ کو کہہ کر اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا ،کیونکہ عمر کے اس جملہ اور ان کا پیغمبر اکرم ؐکی طرف ہذیان کی نسبت دینے نے دوسرے کے ذہنوں پر بھی اثر ڈالا تھا ،لہذا اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکمل اصرار کے طور پر کوئی وصیت بھی لکھ ڈالتے تو اس کی کوئی قدر و منزلت ہی باقی نہ رہتی اور اس کے مخالف کہتے کہ یہ وصیت اس حالت میں لکھی گئی ہے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے حواس خمسہ کھوبیٹھے تھے ۔

لہذا اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی جاتی ، یہ نازک نکتہ ابن عباس کی ایک روایت میں مورد توجہ قرار پایا ہے ، وہ کہتے ہیں: ''پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حضور میں موجود افراد میں سے ایک شخص نے کہا: ''پیغمبر خدا ہذیان بک رہے ہیں'' اس کے بعد جب مجلس میں حالات معمول کے مطابق ہوئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کیا گیا : کیا آپ جس چیز کو چاہتے تھے اسے آپ کیلئے لائیں ؟ پیغمبر نے فرمایا :اب اس کا فائدہ کیا ہے ؟!یعنی یہ بات کہنے کے بعد اس تحریر کا کوئی فائدہ

احمد تحقیق احمد شاکر حدیث نمبر ۳۱۱۱ اور تاریخ ابن کثیر ج ۵، ۲۲۷ ۔ ۲۲۸ اور تیسیر الوصول ج ۴، ۱۹۴ اور تاریخ ذہبی ج ۱، ۳۳۱۱ اور تاریخ خمیس ج ۱، ۱۸۲ اور البدۃ و تاریخ ج ۵ ، ۹۵ اور تاریخ ابن محنہ تاریخ کامل کے حاشیہ پر ۱۰۸ ، تاریخ ابو الفداء ج ۱، ۱۵۱ میں آیا ہے : فقالَ : قُوموا عنی لا ینبغي عِندَ نبيّ تَنازُع ، فقالوا : إنَّ رسول اللہ لیھجُر فذھبو ا یعیدون علیہ ، فقال : دعونی ما أنا فیہ خیرٌ مما تدعونی إلیہ ۔

[1] صدر اسلام میں اگر کسی عورت کو ڈانٹا جاتا تھا تو اسے ان عورتوں سے تشبیہ دیتے تھے جو حضرت یوسف سے محبت کرتی تھیں اور اسے زندان بھیجدیا جاتا تھا ، ایسی عورت کو کہتے تھے : إنّکن صُویحباتۃ تشبیہا لہا بصویحبات یوسف۔

نہیں ہے[1]" جی ہاں ! ہنگامہ برپا کرکے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنی زندگی کے آخری لحات میں ایک وصیت نامہ لکھنے نہیں دیا گیا اس طرح قبل اس کے کہ ایک اور فرصت ہاتھ آتی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس وصیت نامہ کو تحریر فرماتے تاکہ لوگ ہمیشہ کیلئے گمراہی سے نجات پاتے،آپ نے رحلت فرمائی ۔

وضاحت طلبی: اس بحث کے آخر میں مناسب ہے کہ عمر سے ایک سوال کیا جائے وہ یہ ہے کہ جہاں پرآپ نے یہ جرأت اور جسارت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف ہذیان بکنے کی تہمت لگائی!کیا وجہ ہے کہآپ نے یہی الزام ابوبکر کو نہیں دیا جب کہ انھوں نے بیہوشی کے عالم میں وصیت نامہ لکھا ؟ طبری لکھتا ہے : ابو بکر نے عثمان کو اپنی بیماری کی حالت میں اپنے سرہانے بلایا اور کہا : لکھو "بسم اللہ الرحمن الرحیم " یہ ابوبکر بن ابی قحافہ کی طرف سے مسلمانوں کے نام ایک وصیت ہے اما بعد "...راوی کہتا ہے ؛ اس کے بعد بیہوش ہوگئے اور کوئی بات نہ کر سکے (لہذا عثمان نے ابوبکر کی بیہوشی) کے عالم میں لکھا ، "اما بعد ، میں نے اپنے فیصلہ کے مطابق عمر ابن خطاب کو تم لوگوں پر اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کیا ہے، جان لو کہ میں نے تمہارے متعلق خیر خواہی میں کسی قسم کی لاپروائی نہیں برتی ہے" جب عثمان تحریر لکھنے سے فارغ ہوئے تو ابوبکر ہوش میں آئے اور عثمان سے کہا : ذرا پڑھو دیکھتا ہوں کہ تم نے کیا لکھا ، عثمان نے جو کچھ لکھا تھا ابوبکر کو پڑھ کر سنا دیا ۔ابوبکر نے کہا : "اللہ اکبر !میرے خیال میں تم ڈر گئے کہ اگر میں اس بیہوشی کے عالم میں مرجاؤں تو لوگوں میں اختلاف پیدا ہوجائے گا" اس نے جواب میں کہا : جی ہاں ۔ابوبکر نے کہا : خدا تجھے اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے خیر پہنچائے اور اس طرح عثمان کی تحریر کی تائید کی ۔کیا عمر نے اس تحریر کے بارے میں کوئی رد عمل ظاہر کیا ؟طبری کہتا ہے ": عمر بیٹھ گئے جبکہ لوگ ان کے پاس بیٹھے تھے، عمر کے ہاتھ میں درخت خرما کی ایک ٹہنی تھی ۔ ابوبکر کے آزاد کردہ غلام شدید ابوبکر کی اس تحریر کو ہاتھ میں لئے ہوئے تھے، جس میں عمر کی جانشینی کا فرمان لکھا گیا تھا، عمر نے لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا :اے لوگوں سن لو !!اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلیفہ کے حکم کی

---
[1] طبقات ابن سعد ج ۲، ۲۴۴

اطاعت کرو ؛خلیفہ تمہیں کہتا ہے ؛ ''میں نے تمہاری خیر خواہی میں کسی قسم کی لاپروائی نہیں کی ہے[1]'' تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ عمر حالت بیماری میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تحریر کو قبول نہ کرتے ہوئے کہتے ہیں حسبنا کتاب اللہ لیکن ابو بکر کے اس حالت میں لکھی گئی تحریر کی تائید کرتے ہیں !! دیکھئے فرق کہا سے کہاں تک ہے ! بے شک ابن عباس کو حق تھا کہ رونما ہوئے اس حادثہ پر اتنے آنسو بہائیں کہ کنکریاں تر ہو جائیں ۔

پیغمبر خدا کی وفات

ترکوا رسول اللہ کما ھو...... و اسرعوا الی السقیفۃ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جنازہ کو زمین پر چھوڑ کر خلیفہ منتخب کرنے کیلئے خود سقیفہ کی طرف دوڑ پڑے ۔

مؤرخین: رسول خدا کی رحلت اور حضرت عمر کا اس سے انکار رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سوموار کی ظہر کو اس دنیا سے رحلت فرمائی، اس وقت عمر مدینہ میں [2] تھے اور ابوبکر ''سنح'' میں اپنے ذاتی گھر[3] پر تھے ۔عائشہ کہتی ہیں : ''عمر اور مغیرۃ بن شعبہ اجازت حاصل کرنے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کمرے میں داخل ہوئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چہرے پر ڈالے گئے کپڑے کو اٹھا کر کنارے رکھدیا ، عمرنے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا اور چیخ کر کہا ''آہ ! رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم !انتہائی بیہوشی کے عالم میں پڑے ہیں !''اس کے بعد اٹھے اور کمرہ سے باہر چلے گئے ۔

کمرے سے باہر آتے ہوئے مغیرہ نے حضرت عمر کی طرف مخاطب ہوکر کہا : ''اے عمر !خدا کی قسم رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی ہے'' عمر نے کہا : تم جھوٹ بولتے ہو !رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہرگز مرے نہیں ہیں، لیکن تم ایک فتنہ گر ہو اس لئے ایسا کہتے ہو!رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کبھی نہیں مریں گے جب تک کہ منافقین کو نابود نہ

---

[1] تاریخ طبری ج ۴، ۵۱ ۔
[2] سیرۂ ابن ہشام ج ۴، ص ۳۳۳۱۔ ۳۳۴ اور تاریخ طبری ج ۲، ص ۲۴۲)
[3] ابو بکر کا گھر سنح میں تھا ، سنح مدینہ کے مشرق میں ا یک میل کے فاصلہ پر واقع تھا ، انصار کے بنی حارب بھی وہیں سکونت کرتے تھے ۔

کرکے رکھدیں[1] عمر نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جو بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی موت کا ذکر کرتا تھا اسے قتل کرنے کی دھکی دیتے ہوئے کہتے تھے ''؛ لوگوں میں سے بعض منافقین گمان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی ہے، جبکہ ایسا نہیں ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نہیں مرے ہیں بلکہ موسی بن عمران کی طرح جو چالیس دن تک لوگوں سے غائب ہوکر پھر واپس لوٹے تھے اور لوگوں نے ان کے بارے میں کہا تھا کہ وہ مرگئے ہیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی اپنے خدا کے ہاں چلے گئے ہیں اور خدا کی قسم وہ واپس لوٹیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر رکھدوں گا جو یہ کہتے ہیں کہ آپ وفات کرگئے ہیں[2] اس کے بعد بولے: جو بھی یہ کہے کہ آپ نے وفات پائی ہے، میں اس تلوار سے اس کا سر قلم کرکے رکھدونگا رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آسمان کی طرف گئے ہیں[3] اس وقت ابن ام مکتوم[4] نے مسجد النبی میں حضرت عمر کیلئے اس آیت کی تلاوت کی '': اور محمد تو صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں ۔ کیا اگر وہ مرجائیں یا قتل ہوجائیں تو تم الٹے پیروں پلٹ جاؤ گے جو بھی ایسا کرے گا وہ خدا کا کوئی نقصان نہیں کرے گا خدا تو عنقریب شکر گزاروں کو ان کی جزا دے گا[5]۔ پیغمبر خدا کے چچا عباس نے بھی کہا : رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قطعی طور پر فوت ہوچکے ہیں اور میں نے ان کے چہرے پروہی علائم و آثار مشاہدہ کئے ہیں جو فرزند عبد المطلب کے چہروں پر موت کے وقت نمودار ہوتے ہیں[6] ''، لیکن عمر اپنے کام سے باز نہ آئے، عباس ابن عبد المطلب نے لوگوں سے پوچھا، ''کیا تم میں سے کسی کو یاد ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی موت کے بارے میں کچھ فرمایا ہے ؟ اگر اس سلسلے میں کوئی حدیث سنی ہو تو ہمارے لئے بیان کرو

---

[1] یہ عبارت ابن سعد کی طبقات ج ۲،ق ۲، ۱۵۴ سے نقل کی گئی ہے ۔ اس کے علاوہ متقی کنزل العمال ج ۴، ۵۰ ، ذہبی نے اپنی تاریخ میں ج ۱، ۳۷ ، ذینی دحلان نے حاسیۃ الحلیہ ج ۳، ۳۸۹ میں ، نہایۃ الارب ج ۱۸ ، ۳۹۹، مسند احمد ج ۶، ۲۱۹ میں اس کو درج کیا ہے ۔

[2] تاریخ یعقوبی ج ۲، ۹۵ ، طبری ج ۲، ۴۴۲ ، ابن کثیر البدایہ و النہایۃ ج ۵. ۲۴۴ ، تاریخ الخمیس ج ۲، ۱۸۵ اور تیسیر الوصول ج ۲، ۴۱ ۔

[3] جملہ " آسمان پر چلا گیا ہے " تاریخ ابو الفداء ج ۱، ۱۶۴ سے نقل کیا گیا ہے

[4] تاریخ ابو الفداء ج۱ ۱۶۴ ، تاریخ ابن شحنہ کے حاشیہ الکامل ۱۱۲ ، سیرۂ زینی دحلان ، ج ۳، ۳۹۰ میں لکھا گیا ہے کہ حضرت عمر نے کہا : " جو بھی یہ کہے کہ محمدمرگئے ہیں میں اسپر تلوار چلاؤں گا " اور اس کتاب کے صفحہ ۳۸۷ میں لکھتا ہے کہ : عمر ابن خطاب نے اپنی تلوار کو باہر کھینچ لیا اور جوبھی یہ کہتا تھا محمد فوت ہوئے ہیں اسے دھمکی دیتے تھے ، اور صفحہ ۳۸۸ میں یوں آیا ہے : عمر نے تلوار کے دستہ کو ہاتھ میں پکڑلیا اورکہا: میں کسی کی زبان سے یہ نہ سنوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مرگئے ہیں ورنہ اس تلوارسے اس پر وار کرونگا ۔

[5] طبقات ابن سعد ج ۲، ق ۵۷ ، کنز العمال ج ۴، ۵۳ حدیث مبر ۱۹۰۲ اور تاریخ ابن کثیر ج ۵، ۲۴۳ ملاحظہ ہو نص آیت (و ما محمّد إلا رسول قد خلت من قبلہ الرسل...). آل عمران ، ۱۴۴

[6] ملاحظہ ہو تمہید بلاقلانی ص ۱۹۲ ۔۱۹۳

''سب نے کہا : ''نہیں '' عباس نے عمر سے پوچھا ، ''کیا تم نے اس سلسلے میں پیغمبر خدا سے کچھ سنا ہے ؟عمر نے کہا : ''نہیں '' اس وقت عباس نے لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا : اے لوگوا !آگاہ رہو کہ ایک شخص نے بھی گواہی نہیں دی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی موت کے بارے میں اس سے کچھ فرمایا ہو[1] خدائے وحدہ لا شریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے موت کا جام نوش کیا ہے لیکن عمر بدستور گرجتے ہوئے دھمکیاں دیتے رہے ۔ عباس نے اپنے کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا : بے شک رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دیگر لوگوں کی طرح حوادث و آفات کا شکار ہو سکتے ہیں اور آپ وفات پا چکے ہیں لہذا ان کے بدن کو تاخیر کے بغیر سپرد خاک کرو کیا خداوند عالمنے تم لوگوں کو ایک بار موت سے دوچار کرتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دوبار؟ آپ خدا کے یہاں اس سے زیادہ محترم ہیں کہ خدا انھیں دوبار موت کا شربت پلائے ۔ اگر تیری بات صحیح ہو تو ، پھر بھی خدا کیلئے یہ امر مشکل نہیں ہے کہ آپ کے بدن سے مٹی ہٹا کر آپ کو مٹی کے نیچے سے باہر لائے، رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تب تک رحلت نہیں کی ہے جب تک آپ نے لوگوں کیلئے سعادت و نجات کی راہ ہموار نہ کردی[2] لیکن عمر اپنی بات کو اس قدر دہراتے رہے کہ اس کے ہونٹوں پر جھاگ پھیل گئی[3] اس کے بعد سالم بن عبید[4] ابو بکر کو آگاہ کرنے کیلئے سخ کی طرف روانہ ہوئے[5] اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کی خبر انھیں پہنچا دی[6] ابو بکر مدینہ آئے دیکھا کہ عمر کھڑے ہوکر لوگوں کو دھمکیاں دے رہے ہیں[7] اور کہتے ہیں : رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم زندہ ہیں آپ نہیں مرے ہیں !وہ پھر آئیں گے تا کہ ان لوگوں کے ہاتھ کاٹ دیں جو یہ کہتے ہیں کہ آپ مرگئے ہیں، آپ ایسے لوگوں کے سر قلم کریں گے ،اور انھیں دار پر چڑھادیں گے[8] عمر نے جب دیکھا کہ ابو بکر آرہے ہیں تو خاموش ہوکر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے[1] ابو بکر نے خداوند عالم کی حمد و

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲، ق ۲، ۵۷ ، تاریخ ابن کثیر ج۵، ۲۴۳، سیرہ حلبیہ ج ۳، ۳۹۰ ۔ ۳۹۱ اور کنزل العمال ج ۴، ۵۳ حدیث نمبر ۱۰۹۲،

[2] طبقات ابن سعد ج ۲، ق ۲، ۵۳ ، کنزل العمال ج ۴، ۵۳ حدیث نمبر ۱۰۹۰ اور حاشیہ الحلبیہ ج ۳، ۳۹ ،میں طہران سے خلاصہ کے طور پر ، تاریخ الخمیس ج ۲، ۱۸۵ ، و ص ۱۹۲ خلاصہ کے طور پر

[3] طبقات ابن سعد ج۲ ۔ ق ۲ ، ۵۳ ، کنزل العمال ج ۴، ۵۳ ، تاریخ خمیس ج ۲، ۱۸۵، السیرۃ الحلبیۃ ج ۳، ۳۹۲۔

[4] بعض نے کہا ہے : عائشہ نے کسی کو بھیجا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت سے ان کو باخبر کیا،

[5] سالم اصحاب اور مسجد النبی میں اہل صفہ میں سے تھا

[6] تاریخ ابن کثیر ج ۵۔ ۲۴۲ اور حاشیۃ الحلبیہ از زینی خلدون ج ۳، ۳۹۰ ۔ ۳۹۱

[7] طبری ج۲، ۴۴۳ ، ابن کثیر ج ۵، ۳۱۹، و ابن ابی الحدید ، ج ۱، ۶۰۔

[8] رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے دن آپ ؐکی موت پر شک کرنا عمر ابن خطاب کی خصوصیات میں سے ہے ، کیونکہ مؤرخین نے ان کے علاوہ کسی اور کا نام نہیں لیا ہے جس نے وفات پیغمبر پر شک کیا ہو۔

ثنا کی اور کہا :خدا کی عبادت کرنے والے جان لیں کہ خدا ہمیشہ زندہ ہے اور وہ کبھی نہیں مرے گا ،جو محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پوجا کرتے ہیں وہ جان لیں کہ محمدؐ رحلت کر گئے ہیں ،اس کے بعد اس آیت کی تلاوت کی :(و ما محمد إلا رسول قد خلت من قبلہ الرسل[2]...) (وہی آیت جس کی ان سے پہلے ابن ام مکتوم نے عمر کیلئے تلاوت کی تھی) ،عمر نے سوال کیا : جو تم نے پڑھا ،کیا وہ قرآن کی آیت ہے ؟ !ابو بکر نے جواب میں کہا : جی ہاں[3] عمر نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی موت کے بارے میں اپنی رائے کو نہ مغیرہ کی باتوں سے ،نہ عمر ابن قیس کی قرآنی آیت کی تلاوت سے اور ان کے واضح طور پر رسول اللہؐ کی موت کی خبر دینے سے اور نہ پیغمبر خداؐ کے چچا عباس کی وضاحت طلبی اور استدلال سے اور نہ کسی دوسرے کے استدلال سے بدلا : ان سب کا کوئی احترام نہ کیا اور نہ ان کی باتوں کی قدر کی ،جب ابو بکر آکر بولے تو انھیں اطمینان ہوا اور خاموش ہوئے ،بعد میں وہ خود اس قضیہ کے بارے میں حسب ذیل نقل کرتے تھے ۔

''خدا کی قسم !جوں ہی میں نے سنا کہ ابو بکر اسی آیت کی تلاوت کر رہے ہیں تو میرے گھٹنے اس قدر سست پڑے کہ میں زمین پر گر گیا اور پھر سے اٹھنے کی ہمت نہ پڑی اور مجھے یقین ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وفات کرگئے ہیں[4] ۔ وفات پیغمبرؐ سے عمر کیوں انکار کرتے تھے ؟

کیا عمر حقیقت میں پیغمبر خداؐ کے ساتھ محبت کی شدت اور لگاؤ کی وجہ سے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کھو دینے کے سبب غم و اندوہ کے مارے تلوار کھینچ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی موت کی تائید کرنے والے مسلمانوں کو دھمکاتے تھے ؟ کیا بعض مؤرخین کا یہ لکھنا درست اور صحیح ہے کہ عمر اس دن دیوانے ہوگئے تھے[5] لیکن ایسا نہیں تھا ، ہم جانتے ہیں کہ مطلب اس

---

[1] کنز العمال ج ۴، ۵۳ حدیث نمبر ۱۰۹۲۔
[2] طبقات ابن سعد ج ۲، ق۲. ۵۴ ، تاریخ طبری ج ۲، ۴۴۴. تاریخ ابن کثیر ج ۵، ۲۱۹ ، اور سیرہ حلبیہ ج ۳، ۳۹۲
[3] عمر کا یہ سوال کہ کیایہ کتاب خدا ہے اور ابو بکر کا جواب طبقات ابن سعد سے نقل کیا گیا ہے۔
[4] سیرہ ابن ہشام ۴، ۳۳۴ ،و ۲۳۵ ، تاریخ طبری ج ۲، ۴۴۲، ۴۴۴ ، ابن کثیر ج ۵، ۲۴۲ ، ابن اثیر ، ج ، ۱۹ ، ابن ابی الحدید ج ۱، ۱۲۸ ، صفری الصفوہ ج ۱، ۹۹، خلاصہ کے طور پر کنزل العمال ج ۴، ۴۵ حدیث نمبر ۱۰۵۳۔
[5] سیرہ حلبیہ ج ۳، ۳۶۲ اور حاشیہ سیرہ ج ۳، ۳۱۹۔

کے علاوہ کچھ اور ہی تھا ، ہمارے خیال میں ابن ابی الحدید نے حقیقت کو درک کرکے بیان کیا ہے '': عمر نے جب سمجھ لیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رحلت کرگئے ہیں تو وہ اس امر پر ڈر گئے کہ امامت کے مسئلہ پر شورش اور بغاوت رونما ہوجائے گی اور انصار یا دیگر لوگ حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لیں گے ، لہذا انہوں نے اس میں مصلحت سمجھی لوگوں کو بہر صورت اور ہر ممکن طریقے سے خاموش اور مطمئن کردیں۔

اس سلسلے میں جو کچھ انھوں نے کہا لوگوں کو شک و شبہ میں ڈالدیا ، اس کا مقصد ابو بکر کے آنے تک کا احترام اور اس کا دین اور حکومت کا تحفظ تھا ہماری نظر میں ابن ابی الحدید کا یہ کہنا کہ عمر امامت کے عہدہ پر انصار یا دوسروں کے غلبہ سے سے ڈرتے تھے، صحیح ہے ، کیونکہ دوسروں کے زمرہ میں حضرت علی علیہ السلام تھے اور عمر کو خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خلافت کا قرعہ فال حضرت علی علیہ السلام کے نام کھل جائیکیونکہ اس زمانے میں خلافت کے امیدوار تین افرد سے زیادہ نہیں تھے ۔ پہلے علی ابن ابیطالب علیہ السلام تھے کہ تمام بنی ہاشم ان کے طرفدار اور حامی تھے اور ابو سفیان بھی ان کا نام لیتا تھا اور زبیر ان کے حق میں تبلیغ کرتے تھے اور اسی طرح خالد بن سعید اموی ، براء ابن عازب انصاری ، سلمان ، ابو ذر ، مقداد اوردیگر بزرگ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سب کے سب علی علیہ السلام کی حمایت کرتے تھےدوسرا سعد ابن عبادہ انصاری تھے جو انصارکے قبیلہ خزرج کا امیدوار تھے، تیسرے ابو بکر تھے جس کی حمایت عمر ، ابو عبیدہ ، مغیرہ بن شعبہ اور عبد الرحمان بن عوف، کرتے تھے ۔ لیکن سعد بن عبادہ خلافت کی کرسی تک نہیں پہنچ سکتے تھے ، کیونکہ انصار میں سے قبیلہ اوس اس کا مخالف تھا اور مہاجر میں سے بھی کوئی ان کی بیعت کرنے کو آمادہ نہیں تھا۔

لہذا اگر ابو بکر کے حامی گروہ علی علیہ السلام کے خلاف بلا تاخیر بغاوت نہ کرتے ، اور پیغمبرؐ کی تجہیز و تکفین سے پہلے ہی قدم نہ اٹھاتے تو خلافت کا کام علی علیہ السلام کے حق میں تمام ہو چکا ہوتا ، اگر علی علیہ السلام کو اس امر کی مہلت دی جاتی کہ پیغمبر خدا کی

[1] شرح ابن ابی الحدید ج ۱، ۱۲۹۔

تجہیز و تکفین کے کام کو اختتام تک پہنچا کر اس مجمع میں حاضر ہوتے تو مہاجرین، انصار اور تمام بنی ہاشم اور آل عبد مناف کے بعض افراد جو خلافت کو علی علیہ السلام کا مسلم حق جانتے تھے (کے ہوتے ہوئے ہرگز ابو بکر اپنے مقصد واور دیرینہ تمنا کو نہیں پہنچتے) حقیقت میں انہیں حالات کے پیش نظر عمر کے دل میں وہ خوف و اضطراب پیدا ہوا تھا اور اس طرح کی اشتعال انگیزی کررہے تھے، علماء اور دانشور بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ عمر کی تمام کوششیں اور کارکردگیاں اسی کا پیش خیمہ تھیں، خواہ رسول اللہ کی وفات کے بعد کہ آپؐ کی موت کا انکار کرنا خواہ رسول اللہ کی زندگی کے آخری لمحات میں جب آپؐ وصیت لکھنا چاہتے تھے قلم و اور دوات دینے سے منع کرنا ۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے محبت اور آنحضرتؐ کی مفارقت کا غم اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جنازہ بغیر غسل و کفن مصیبت زدہ خاندان رسالت میں چھوڑ کر ابو بکر کیلئے بیعت لینے سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف دوڑیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے انصار کے ساتھ جنگ و جدال کریں ؟!

سقیفہ کی جانب :جب عمر و ابو بکر کو یہ خبر ملی کہ انصار سقیفہ میں جمع ہوئے ہیں (اور یہ خبر ان کو اس وقت ملی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جنازہ آپ کے گھر پر تھا اور تجہیز و تکفین کا کام ابھی اختتام کو نہیں پہنچا تھا[1]) عمر نے ابو بکر سے کہا : آجاؤ! ذرا اپنے بھائی (انصار) کے پاس چلے جاتے ہیں اور دیکھ لیں کہ وہ کیا کررہے ہیں ۔ طبری کی روایت میں آیا کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام نہایت انہماک اور لگن کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جنازہ کی تجہیز و تکفین میں لگے ہوئے تھے کہ یہ دونوں بڑی سرعت سے انصار کی طرف چلے گئے، راستے میں ابو عبیدہ جراح کو دیکھا اور تینوں ایک ساتھ ہوگئے[2]... رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اسی حالت میں رکھ کر دروازے کو ان پر بند کرکے[3] سقیفہ کی طرف دوڑ پڑے[1] انصار کا گروہ خلافت کے

---

[1] سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ۳۳۶ ، ریاض النضرہ ،ج ۱ ۱۶۳ ، تاریخ الخمیس ،ج ۱، ۱۸۶ ، السقیفہ تالیف ابو بکر جوہری اور ابن ابی الحدید،ج ۶، ۱)

[2] تاریخ طبری ج ۲، ۴۵۶ اور الریاض النضرۃ نے بھی ان تین افرادکے باہم سقیفہ جانے کا ذکر کیا ہے ۔

[3] یہ جملہ " دروازہ کو ان پر بند کردیا " البداء و التاریخ ج ۵، ۱۶۵ میں ہے اور سیرہ ابن ہشام ج ۴، ۳۳۶ میں یوں آیا ہے : " و قد اغلق دونہ الباب اهلہ " تاریخ الخمیس ج ۱، ۱۸۶ اور الریاض النضرۃ ج ۱، ۱۶۳ میں بھی ایسا ہی آیا ہے

موضوع پر مشورت اور گفتگو کرنے کیلئے پہلے ہی سقیفہ میں جمع ہوا تھا،مہاجرین کے چند افراد بھی ان سے جا ملے،اس طرح پیغمبر کے رشتہ داروں اور اعزہ کے علاوہ کوئی آپ کی تجہیز و تکفین کیلئے باقی نہ بچا تھا ، صرف یہی لوگ تھے جنھوں نے آپ کی تجہیز و تکفین کی ذمہ داری لی تھی[2] ابو ذویب هذلی[3] جو اس دن مدینہ پہنچا تھا ۔کہتا ہے '' : جس وقت میں مدینہ پہنچا ، میں نے شہر کو نالہ وزاری کی اس حالت میں دیکھا جب لوگ حج کیلئے احرام باند ھتے ہیں ، میں نے پوچھا، کیا ماجرا ہے ؟ انہوں نے جواب دیا : پیغمبر رحلت فرما گئے ہیں، میں مسجد کی طرف دوڑا لیکن مسجد کو خالی پایا اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے گھر کی طرف دوڑا ، لیکن وہاں پر دروازہ کو بند پایا ، میں نے سنا کہ اصحاب رسول نے جنازہ کو خاندانِ رسالت میں تنہا چھوڑا ہے، میں نے سوال کیا ؛ لوگ کہاں ہیں ؟ جواب دیا گیا : وہ سقیفہ میں انصار کے پاس چلے گئے ہیں ہجی ہاں : رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تجہیز و تکفین کا کام انجام دینے کیلئے خاندانِ رسالت کے علاوہ کوئی اور نہ رہا تھا ، یہ لوگ یہ ہیں: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا ، عباس بن عبد المطلب، علی ابن ابیطالب علیہ السلام، فضل بن عباس، اسامہ بن حارثہ اور اس کا غلام صالح، علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرمؐ کے جسم سے کرتا اتارا، جسم نازنین کو اپنے سینے سے لگا لیا ، عباس، فضل اور قثم بدن کے کروٹ بدلنے میں علی علیہ السلام کی مدد کرتے تھے، اسامہ اور صالح پانی ڈالتے تھے اور علی علیہ السلام پیغمبرؐ کے بدن مبارک کو غسل دیتے تھے،اوس بن خولی انصاری بھی ان کے پاس آیا لیکن کوئی کام انجام نہیں دیا ۔

پیغمبر خداؐ کی تدفین سے پہلے خلافت کے امیدوار یا علیؑ امدد یدک ابایعک یبایعک الناس اے علی ! اپنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپ کیبیعت کروں اور سب لوگ تیری بیعت کریں ۔پیغمبر اکرم کے چچا ، عباس فابیٰ ان یمد یدہ للبیعۃ و الرسول مسجیٰ بین ایدیھم

---

[1] جملہ : سقیفہ کی طرف دوڑ پڑے '' کو البداء و التاریخ سے نقل کیا گیا ہے ۔
[2] مسند احمد ج ۴، ۱۰۴ ۔ ۱۰۵ تفصیل سے مسند ابن عباس میں نقل کیا ہے اور ابن کثی ج ۵، ۲۶۰ اور صفوۃ الصفوۃ ج ۱، ۵ ، تاریخ الخمیس ج ۱، ۱۸۹ ، طبری ج ۲، ۴۵۱ ، اور ابن شحنہ نے حاشیہ کامل کے ص ۱۰۰ خلاصہ کے طور پر ، ابو الفداء ج ۱، ۱۵۲ ، اسد الغابہ ج ۱، ۳۲ میں الفاظ میں تھوڑاکچھ اختلاف کے ساتھ، العقد الفرید ج ۳، ۶۱ ، تاریخ الذھبی ج ۱، ۳۲۱ ، طبقات ابن سعد ج ۲، ق۲، ۷۰ ، تاریخ یعقوبی ج ۲، ۹۴ ، البداء و التاریخ ج ۵، ۶۸، التنبیہ و الاشراف مسعودی ص ۲۲۴ او ر نہایۃا لارب ج ۱۸ ، ۳۸۹ ۔ ۳۹۱۔ ان تمام مؤرخین نے صراحت سے کہا ہے کہ صرف خاندان رسالت نے تجہیز و تکفین کا کام انجام دیا ، جوعبارت انھوں نے نقل کی ہے وہ عبارت مسند ابن احمد سے لی گئی ہے ۔
[3] ابو ذویب بادیہ میں رہتا تھا جب اس نے سناکہ پیغمبرؐ بیمار ہوئے ہیں تو مدینہ آیا ، اس کی زندگی کے حالت آئندہ بیان ہوں گے ۔
[4] سقیفہ کے بارے میں ابو ذوب کا بیان کتاب استیعاب ج ۲، ص ۲۴ او اسد الغابہ ج ۵، ۱۸۸ س نقل کیا ہے ، اوراصابہ میں ج ۴، ۳۸۸ میں بھی ذکر آیا ہے ۔

علی علیہ السلام نے اس حالت میں بیعت قبول کرنے سے انکار کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جنازہ ان کے سامنے زمین پر پڑا ہو ...

مؤرخین: خلافت کا پہلا امیدوار رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رشتہ دار اور اصحاب، رسول اللہؐ کی تجہیز و تکفین کو اختتام تک پہنچانے سے پہلے ہی خلافت کیلئے بیعت لینے کی تلاش میں لگ گئے، یہ تین گروہ تھے اور ہر گروہ اپنے سردار کو خلافت کیلئے امیدوار کے عنوان سے پیش کرتا تھا ۔ پہلے امیدوار علی ابطالب علیہ السلام تھے۔ ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ عباس نے علی علیہ السلام سے کہا ''؛ اپنے ہاتھ کو بڑھائیے میں بیعت کروں گا تاکہ اور لوگ بھی آپ کی بیعت کریں[1] ''معسودی کی روایت میں یوں آیا ہے : اے میرے چچیرے بھائی : آئیے میں آپ کی بیعت کروں گا تا کہ دو آدمی بھی آپ کی بیعت کی مخالفتہ کر سکیں[2] ''

ذہبی اور دوسروں کی روایت میں یوں آیا ہے: اپنے ہاتھ آگے بڑھائیے میں آپ کی بیعت کروں گا اور لوگ کہیں گے کہ پیغمبر کے چچا نے پیغمبرؐ کے چچیرے بھائی کی بیعت کی ہے اس وقت آپ کے خاندان کے سب لوگ آپ کی بیعت کریں گے اور بیعت کا کام ایسے انجام پائے گا اور کوئی اس میں رخنہ نہیں ڈال سکے گا[3] ۔ جوہری کی روایت میں آیا ہے کہ بعد میں عباس، علی علیہ السلام کی سرزنش کرتے ہوئے کہتے تھے ''؛ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وفات پائی تو ابو سفیان بن حرب اسی وقت ہمارے پاس آیا اور کہا ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے تھے ۔

میں نے تجھ سے کہا اپنے ہاتھ کو بڑھاؤ تا کہ میں تیری بیعت کروں اور یہ شیخ (قبیلہ کا سرداد) بھی بیعت کرے گا ۔ یقیناً اگر ہم دو آدمی آپ کی بیعت کر لیں گے تو عبد مناف کی اولاد میں سے ایک آدمی بھی مخالفت نہیں کرے گا اور جب بنی عبد مناف آپ کی بیعت کر لیں گے تو قریش سے کوئی مخالفت نہیں کرے گا اور جب قریش آپ کی بیعت کر لیں گے تو عربوں میں سے ایک شخص

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲، ۳۸
[2] مسعودی کی مروج الذہب ج ۲، ۲۰۰، تاریخ ذہبی ج ۱، ۳۲۹ ، ضحی الاسلام ج ۳، ۲۹۱ اور الامامۃ و السیاسۃ ابن قتیبہ ج ۱، ۴۔
[3] تاریخ السلام ج ۱، ۳۲۹

بھی آپ کی مخالفت نہیں کرے گا ۔ تو آپ نے جواب میں کہا: ہم اس وقت رسول اللہ کے جنازہ کی تجہیز میں مصروف ہیں[1] ''، طبری کی روایت میں یوں آیا ہے: میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بعد چاہا تھا کہ آپ اس کام میں عجلت کریں لیکن آپ نے اس سے پرہیز کیا[2]... عباس اور ابو سفیان کے علاوہ اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں سے چند دیگر افراد بھی علی علیہ السلام کے حق میں کام کرتے تھے اور اس کی بیعت کے حامی تھے. لیکن علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جنازہ کی تجہیز کے سبب خلافت کی فکر کو ذہن سے نکال دیا تھا اور وہ راضی نہیں ہوئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جنازہ گھر میں چھوڑ کر خود اپنی بیعت کے پیچھے پڑیں، اسی وجہ سے عباس بعد میں ان کی ملامت کرتے تھے کہ کیوں انہوں نے اپنے لئے بیعت لینے سے انکار کیا، حقیقت میں نہ عباس کا نظریہ صحیح تھا اور نہ انکی سرزنش بجا تھی! کیونکہ گر رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے چچیرے بھائی کو ولایت پر معین فرمایا تھا (چنانچہ بعض مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے) تو بیعت کرنے یا نہ کرنے سے علی علیہ السلام کے حق میں سے کوئی چیز کم نہیں ہوتی ۔

اگر مسلمان پیغمبرؐ کی مرضی کو پورا کرنا چاہتے تو آپ پر ھذیان بکنے کی تہمت نہیں لگاتے .. فرض کریں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی امت اور پیرؤں کے اس کام میں لاپروائی اور غفلت کی ہے (جیسا کہ مسلمانوں کے ایک گروہ کا یہی عقیدہ ہے) تو عباس کو یہ حق نہیں تھا کہ اس تدبیر سے انتخاب کے حق کو دوسروں سے چھین لیں ۔ بہر حال اگر علیؑ اس دن اپنے چچا کی نصیحت کو مانتے، تو ابو بکر کی بیعت کو غلط کہنے[3] والے علی علیہ السلام کے بارے میں بھی یہی اظہار نظر کرتے،اس وقت مخالفین ایک ایسی جنگ کی آگ کو بھڑکاتے جو برسوں تک نہ بجھ پاجاتی، کیونکہ وہ ایسے افراد تھے جو ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ نبوت و خلافت دونوں کا افتخار بنی ہاشم کو ملے۔

[1] جوہری کی روایت کو ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ ج ۱، ۱۳۱ میں کتاب سقیفہ سے نقل کیا ہے اور ۵۴ پر بھی خلاصہ کے طور پر درج کیا ہے اور ج ۹ میں خطبۂ و من کلام لہ خاطب بہ اھل البصرہ کی شرح میں اور ج ۱۱ میں بھی نقل کیا ہے ۔
[2] طبری ج ۳، ۲۹۴ ، العقد الفرید ج ۳، ۷
[3] ہم ابو بکر کی بیعت کے بارے میں عمر کے نظریہ کو بعد میں لکھیں گے جس میں عمر نے ابو بکر کی بیعت کو لغزش سے تعبیر کیا ہے)

ابن عباس نے روایت کی ہے '': حضرت عمر نے مجھ سے پوچھا ؛ کیا آپ جانتے ہیں کہ محمدؐ کے بعد کس چیز نے لوگوں کو آپ سے دور کیا ، میں نے جواب میں کہا ؛ اگر نہیں جانتا ہوں تو امیر المؤمنین مجھے آگاہ کریں گے ، کہا ؛ وہ نہیں چاہتے تھے کہ نبوت اور خلافت آپ میں جمع ہوجائے اور اس پر فخر و مباہات کریں[1] ''ان باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے سینوں میں کس حد تک کینہ کی آگ تھی کہ (غدیر اور دوسری جگہوں پر) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اقرار اور یاددہانی بھی اس آگ کو بجھا نہ سکی بلکہ اس کو کچھ اور ہی ہوا دے دی، اس لحاظ سے علی علیہ السلام اپنے امور اپنے چچا عباس سے دور اندیش تر اور آپ کی نظر عمیق تر تھی ، اس کے علاوہ حضرت علی علیہ السلام ہرگز حاضر نہ تھے کہ ان کی بیعت گھر میں مخفیانہ طور پر کی جائے اور لوگوں کو اس کے مقابلہ میں کھڑے ہونے کی فرصت مل جائے جیساکہ آپ نے عثمان کے قتل ہونے کے بعد بھی ایسی بیعت سے انکار کیا تھاان سب چیزوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ، کیا علی علیہ السلام (جو پیغمبر خدا کی نظروں میں برگزیدہ ترین شخصیت تھے) کیلئے سزاوار تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نسبت گزشتہ فداکاریوں اور عشق و محبت کے باوجود آپ کے جنازہ کو دوسروں کی طرح بے غسل و کفن چھوڑ کر اپنی بیعت لینے کیلئے دوڑپریں ؟!! علی علیہ السلام کے پاک ضمیر اور پیغمبرؐ کے عشق و محبت سے لبریز دل سے کبھی اس چیز کی امید نہیں رکھنی چاہئے ۔

خلافت کا دوسرا امیدوار

انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوکر کہا : ہم اس کام کی باگ وڈور کو محمدؐ کے بعد سعد بن عبادہ کے ہاتھ سونپتے ہیں اور سعد کو بیمار حالت میں سقیفہ لے آئے.... سعد نے خدا کی حمد وثنا کے بعد دین اسلام کی نصرتمیں انصار کی پیش قدمی اور اسلام میں ان کی برتری کی طرف اشارہ کیا، اس کے علاوہ انصار کے بارے میں پیغمبر خدا اور آپؐ کے اصحاب کا احترام ان کے جہاد میں حصہ لینے اور عربوں کو صحیح راستے پر لانے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ان سے راضی حالت میں دنیا سے رخصت ہونے تک

[1] اس روایت کے باقی حصہ کو طبری سے اس وقت بیان کریں گے جب ابو بکر کی بیعت کے بارے میں ابن عباس کا نظریہ پیش کریں گے ۔

بیان کیا ،اس کے بعد کہا : اس کا راہ حل آپ لوگوں کو تلاش کرنا چاہئے نہ دوسروں کو، سب نے ایک زبان ہوکر جواب دیا : آپ کے خیال کی ہم تائید کرتے ہیں او رآپ کی بات صحیح ہے، ہم آپ کی رائے کی ہرگز مخالفت نہیں کریں گے اور ان امور کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں دیدیں گے،اس کے بعد گفتگو اور کچھ مذاکرات ہوئے۔

گفتگو کے آخر میں انہوں نے پوچھا : اگر قریش کے مہاجرین نے اسے قبول نہیں کیا اس خیال میں کہ ہم مہاجر ، رسول خداء کے اصحاب اور ان کے دوست اور رشتہ دار ہیں لہذا ان کے بعد اس امر میں اختلاف مناسب نہیں ہے تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ بعض لوگوں نے کہا : اگر ایسا اعتراض ہو تو ہم جواب میں لکھیں گے : ایک امیر آپ میں سے اور ایک امیر ہم میں سے چنا جائے۔ سعد بن عبادہ نے کہا : یہ بذات خود ہماری پہلی شکست ہوگی[1]تیسرا امیدوار ، یا کامیاب امیدوار سقیفہ میں انصار کے جمع ہونے اور ان کی گفتگو کی خبر ابو بکر اور عمر کو پہنچی ، تو دونوں ابو عبیدہ جراح کہ ہمراہ بغیر کسی تاخیر کے سقیفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ انصار کے بنی عجلان طائفہ سے اسید بن حضیر[2]، عویم بن ساعدہ ،عاصم بن عدی، مغیرہ بن شعبہ و عبد الرحمان بن عوف بھی ان سے جا ملے ۔ ان لوگوں نے خصوصی طور پر اس دن ابوبکر کی بیعت کیلئے انتہائی تگ و دو کی اور قابل ذکر خدمات انجام دئے، لہذا دونوں ہی خلیفہ ابوبکر اور عمر ہر وقت ان کی خدمات کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کا خیال رکھتے تھے ۔ابو بکر انصار میں سے کسی ایک کو بھی اسید بن حضیر پر ترجیح نہیں دیتے تھے اور عمر اسے اپنا بھائی کہتے تھے اور اس کے مرنے کے بعد یہ کہتے تھے کہ وہ میرا حق شناس تھا۔ عویم جب مرگیا تو عمر نے اس کی قبر پر بیٹھ کر کہا : روئے زمین پر کوئی بھی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اس صاحب قبر سے بہتر ہوں، ابو عبیدہ کو مشرقی روم کے پادشاہ سے لڑنے کیلئے بھیجا گیا نیز اسے لشکر کا کمانڈر مقرر کیا گیا ۔ عمر نے جس وقت اپنا خلیفہ اور جانشین معین کررہے تھے تو اس کی موت پر افسوس کررہے تھے کیونکہ اسے اپنے بعد مسلمانوں کا خلیفہ بنانا چاہتے تھے لیکن وہ تو عمواس نامی طاعون ہی میں فوت کرچکا تھا ۔دوسرے خلیفہ نے مغیرہ بن شعبہ کیلئے کافی تگ و دو کی تھی نیز اس پر زنا کی حد جاری

[1] تاریخ طبری ج ۳، ۴۵ میں ضمن حوادث ۱۱ھ ، تاریخ ابن اثیر ج ۲، ۲۲۲، الامامۃ و السیاسۃابنفتیبۃ ج ۱، ۵، جوہری سقیفہ میں ابن ابی الحدید سے روایت کرکے ج ۶. میں شرح خطبہ و عن کلام لہ فی معنی الانصار ہیں ۔
[2] سیرہ ابن ہشام ج ۴، ۳۳۵

نہیں ہونے دیا۔اور اس کا نام ہمیشہ گورنروں کی فہرست میں ہوا کرتا تھا عمر نے عبد الرحمان بن عوف کا احترام کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی اور اپنے مرنے کے بعد تعیین خلافت کی کنجی اس کے حوالہ کردی۔یہ وہ بزرگ شخصتیں تھیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جنازہ کو آپؐ کے خاندان والوں میں چھوڑ کو خود سقیفہ کی طرف دوڑپڑیں اور انصار سے حکومت اور فرمانروائی کے مسئلہ پر بر سرپیکار ہوگئے اور حضرت ابو بکر کے طرفدار ہوکر اس کی بیعت کی، اس طرح سے ابو بکر نے خلافت کی گیند میدان خلافت میں دوسرے امیدواروں سے چھین لی۔آیندہ فصول میں انشاءاللہ اسکی تفصیلات آئیگی.

سقیفہ میں ابو بکر کی بیعت

لا نبایع الا علیاً ہم علی علیہ السلام کے سوا اورکسی کی بیعت نہیں کریں گےانصار کا ایک گروہ سقیفہ میں خلافت پر ہنگامہ ہم کہہ چکے ہیں کہ رسول خداؐ کے اکابر اصحاب آپ کے جنازہ کو چھوڑ کر سقیفہ میں چلے گئے تا کہ آپ کا کسی کوجانشین معین کریں اور اس سلسلے میں ہر گروہ نے اپنی رای کا ظہار کیا اور ہر کوئی کسی نہ کسی کو امید وار کی حیثیت سے خلفہ نامزد کرتا اور اس کی حمایت کا اعلان کرتا تھا بات کچھ اتنی آگے بڑھی کہ نزاع اور کشمکش کی حد تک پہنچ گئی،ان میں سے کچھ لوگ ابو بکر کی حمایت کرتے تھے کہ جن میں سر فہرست عمر تھے وہ لوگوں کو ابو بکر کی بیعت کرنے کیلئے ترغیب دلاتے اور اس کے مخالفوں کو دھمکیاں دیتے تھے ۔ اس وقت ابو بکرنے کھڑے ہوکر عمر کو خاموش کرایا ۔ خدا کی حمد وثنا بجا لائے اور مہاجرین کے افتخارات اور کارگردیوں کو بیان کرنے کے بعد کہا؛ لوگو! مہاجرین وہ افراد ہیں جنہوں نے روئے زمین پر سب سے پہلے خدا کی پرستش کی ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے ہیں وہ پیغمبر کے دوست اور اعزّہ ہیں ۔ وہ پیغمبرؐ کے بعد خلافت کیلئے سزاوار تر ہیں اور افضل ہیں ۔ اس سلسلے میں ظالم کے سوا کوئی ان کی مخالفت اور ان سے جھگڑا نہیں کرے گا ۔

اس کے بعد ابو بکر نے انصار کی فضیلت بھی بیان کی اور اپنی بات یوں جاری رکھی: مہاجرین : جو اسلام میں سبقت حاصل کرنے کا افتخار رکھتے ہیں ۔۔ ہمارے پاس آپ کے مقام و منزلت کے برابر کوئی نہیں ہے، لہذا اس حساب سے ہم امیر ہیں اور آپ

وزیر حباب بن مندور اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا: ''اے انصار! حکومت کی باگ ڈور کو مضبوطی سے پکڑ لو تا کہ دوسرے آپ کی حکومت کے ماتحت زندگی گزاریں اور کسی کو آپ کی مخالفت کی جرأت نہ ہو ۔ ایسا نہ ہو کہ آپس میں اختلاف پیدا ہو ورنہ دشمن اس سے فائدہ اٹھا کر آپ کی رائے کو بے کار کردے گا اور آپ لوگوں کی شکست قطعی ہوجائے گی ۔ یہ لوگ اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکیں گے جو تم نے سنا ہم اپنے لئے ایک امیر کا انتخاب کریں گے اور وہ بھی اپنے لئے ایک امیر کا انتخاب کر لیں ۔ عمر نے کہا : ایک خط پر دو پادشاہ حکومت نہیں کر سکتے ،خدا کی قسم عرب ہرگز اس پر راضی نہیں ہوں گے کہ تم لوگ ان پر حکومت کرو جب کہ ان کا پیغمبر آپ لوگوں میں سے نہیں ہے، لیکن عربوں کیلئے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ حکومت ان کے ہاتھ میں ہے جن میں سے پیغمبر بھی ہیں۔ ہم اپنے اس دعویٰ کے بارے میں ایک واضح دلیل اور روشن مآخذ کے مالک ہیں ۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پادشاہی اور اس کی حکومت کی وراثت کے بارے میں ہم سے کون مقابلہ کرسکتا ہے ؟ چونکہ ہم ان کے دوست اور قبیلہ والے ہیں ۔ مگر یہ کہ اپنے آپ کو کسی باطل راستہ پر لگادے یا خود کو کسی گناہ میں آلودہ کیا ہو، خود کو ہلاکت کے بھنور میں ڈال دیا ہو ۔

حباب بن مندر دوبارہ اپنی جگہ سے اٹھا اور بولا : اے انصار ! رک جاؤ اور اس شخص اور اس کے دوستوں کی باتوں پر کان نہ دھرو، یہ تم لوگوں کا حق تلف کریں گے اور اس کام میں آپ کو نقصان پہنچائیں گے، لہذا اگر انہوں نے آپ لوگوں کی تجویز کی مخالفت کی تو انھیں اس شہر سے جلا وطن کردو اور حکومت کی باگ ڈور کو اپنے ہاتھوں میں لے لو خدا کی قسم اس کام کیلئے مستحق ترین افراد تم لوگ ہو ، یہ وہ افراد ہیں جو ہرگز حاضر نہ تھے اس دین کو قبول کریں انہوں نے تمہاری تلواروں کے خوف سے ہتھیار ڈالے ہیں ۔ میں تمہارے درمیان اس لکڑی کے مانند ہوں جو اونٹوں کے اصطبل میں رکھی جاتی ہے تاکہ کھجلی آنے پر اونٹ اپنے بدن کو اس کے ساتھ رگڑ لیں (یہ اس بات کی طرف کنایہ ہے کہ مشکل اوقات میں میرے مشورہ کا سہارا لیں) اور اس مضبوط درخت کے مانند ہوں کہ طوفانِ حوادث ا۔ جب علی علیہ السلام نے اس استدلال کو سنا تو فرمایا : انہون نے نبوت کے درخت سے استدلال کیا ہے جبکہ اس درخت کے میوہ کو بھول گئے (احتجوا بالشجرۃ و اضاعوا الثمرۃ) مہاجرین اس بنا پر خلافت کو اپنا حق جانتے تھے کہ وہ

قریش میں سے ہیں اور پیغمبر کے رشتہ دار ہیں پیغمبر کے رشتہ دار نہیں تھے اس لئے ان کو خلافت کا حقدار نہیں سمجھتے تھے، علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے فرمایا: آپ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رشتہ دار ہونے کے ناطے اپنے آپ کو خلافت کا حقدار سمجھتے میں تو پھر کیوں ان لوگوں کو بھلائے بیٹھے ہو جو اس درخت کے میوے اور پیغمبر کے رشتہ دار ہیں۔ حوادث میں لوگ اس کے نیچے پناہ لیتے ہیں۔ بڑے بڑے کاموں کے بارے میں مجھ پر بھروسہ کرتے ہیں اور میری طاقت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، خدا کی قسم اگر چاہتے ہو تو ہم جنگ کے شعلوں کو پھر سے بھڑکا دیتے۔ خدا کی قسم جو بھی ہماری تجویز کی مخالفت کرے گا میں اپنی تلوار سے اس کی ناک کاٹ کر اسے ذلیل خوار کردوں گا۔ عمر نے کہا؛ پھر تو خدا تجھے موت دے! اس نے جواب میں کہا: خدا تجھے موت دے '' عمر نے اسے پکڑ کر اس کے پشت پر ایک لات ماری اور اس کے منہ کو مٹی سے بھر دیا[1] اس کے بعد ابو عبیدہ نے جھلاتے ہوئے بولنا شروع کیا: اے انصار کی جماعت! '' تم پیغمبر خدا کے سب سے پہلے یار اور حامی تھے، اس وقت تم لوگ تبدیلی لانے والوں میں پہل نہ کرو!

اس اثناء میں، بشیر بن سعد خزرجی، (نعمان بن بشیر کا باپ جو خزرج کے سرداروں میں شمار ہوتا تھا سعد بن عبادہ اور اسکے درمیان دیرینہ حسادت[2] بھی تھی) اپنی جگہ سے اٹھا اور کہا: اے انصار کی جماعت! خدا کی قسم اگر چہ ہم مشرکین سے جہاد کرنے اور ترویج دین میں طولانی سابقہ رکھنے

میں صاحب فضیلت ہیں، لیکن خدا کی خوشنودی، پیغمبر خدا کی فرمانبرداری اور اپنے لئے مشکلات برداشت کرنے کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں رکھتے تھے، لہذا شائستہ نہیں ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے غرور کے ساتھ پیش آئیں ہمارا مقصد دنیوی آبرو حاصل کرنا نہیں تھا اور یہ خدا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جو ہمیں عطا ہوئی ہے، محمدؐ قریش کے خاندان سے ہیں اور آپ کے رشتہ دار

---

[1] جملہ " اسے پکڑ کر...." جوہری کی سقیفہ کی روایت میں ہے ، ملاحظہ ہو شرح ابن ابی الحدد ج ۶، ۲۹۱
[2] جملہ سابقہ حسادت " تا آکر ، کو جوہیر نے کتاب سقیفہ میں نقل کیا ہے ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۶، و من کلام لہ فی منی الانصار " کی تشریح میں)

آپ کے وارث اس کے زیادہ حقدار ہیں، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں خداوند اہر گز ہمیں اس کام میں ان سے لڑتے ہوئے نہیں دیکھے گا، تم لوگ بھی خدا سے پناہ مانگو اور ان سے مخالفت اور جنگ نہ کرو۔ ابو بکر نے کہا: عمر او رابو عبیدہ یہاں پر حاضر ہیں ان میں سے جس کی بھی چاہو، بیعت کرو۔ عمر اور ابو عبیدہ نے ایک زبان ہوکر کہا: خدا کی قسم آپ کے ہوتے ہوئے ہم ہرگز ایسا اقدام نہیں کریں گے[۱] عبد الرحمان بن عوف نے اپنی جگہ سے اٹھ کر یوں کہا: اے انصار کی جماعت! اگر چہ اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہئے کہ آپ لوگوں کی بہت فضیلت ہے، لیکن اس کے باوجود اس امر سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی ہے کہ آپ لوگوں میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور علی علیہ السلام، کے مانند لوگ نہیں پائے جاتے۔ منذر بن ارقم اٹھا اور ر اس کے جواب میں یوں بولا: ہم مذکورہ اشخاص کے فضل سے انکار نہیں کرتے خاص کر اگر ان تین اشخاص میں سے کوئی ایک فرد حکومت کی باگ ڈور سنبھالیتو ایک فرد بھی اس کی مخالفت نہیں کرے گا اس کا مقصود علی ابن ابیطالب علیہ السلام تھا[۲] اس وقت تمام انصار یا ان میں سے ایک جماعت نے بلند آواز میں کہا: ہم علی علیہ السلام کے سوا کسی اور کی بیعت نہیں کریں گے۔

طبری اور ابن اثیر نے نقل کیا ہے[۳]: جب عمر نے ابوبکر کی بیعت کی تو اس وقت انصار نے کہا: ہم علی علیہ السلام کے سوا کسی اور کی بیعت نہیں کریں گے۔ زبیر بن بکار کہتا ہے[۴]: جب انصار کو خلافت نہ ملی تو انہوں نے کہا کہ: ہم علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کی بیعت نہیں کریں گے۔ حضرت ابو بکر کی بیعت میں ایک عجیب سیاست عمر اس داستان کو نقل کرتے اس طرح کہتے ہیں: ''اس قدر شور مچا مجھے ڈر لگنے لگا کہ کہیں اختلاف پیدا نہ ہو، میں نے ابو بکر سے کہا: اپنے ہاتھ کو آگے بڑھائیے تا کہ آپ کی بیعت کروں[۵] ایک دوسری روایت میں عمر سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے کہا'': ہم ڈر گئے کہ اگر اس اجتماع میں بیعت نہ لی جائی تو لوگ منتشر ہوجائیں گے، اور ان سے بیعت لینے کا موقع ہاتھ نہیں آئے گا اور کسی اور کی بیعت ہو جائے گی اور اس وقت ہم مجبور

---

[۱] ہم نے اختصار کی وجہ سے اس گفتگو کا باقی حصہ اور اس پر اپنی تفسیر لکھنے سے اجتناب کیا ہے۔
[۲] تاریخ یعقوبی ج ۲، ۱۰۳ ، :و ان فیهم رجلاً لو طلب هذا الامر لم ینازعه فیه احد، یعنی علیّ ابن ابیطالب علیه السلام)
[۳] طبری ج ۲،۴۴۳، اور ابن اثیر ج ۲، ۲۲۰،
[۴] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۶ میں کتاب موفقیات سے یہ روایت نقل کی گئی ہے اور ج ۲، ۱۲۲ میں بھی اس روایت کو نقل کیا ہے)
[۵] سیرہ ابن ہشام ج ۴، ۲۳۶ اور تمام موخین جنہوں نے بیعۃ ابی بکر کانت فلتۃ کی روایت کو نقل کیاہے اس جملہ کو روایت کیا ہے ،

ہو جائیں گے کہ اپنی مرضی کے خلاف کسی اور کی بیعت کریں یا اس کی مخالفت کریں اور ایک دوسرا فتنہ پیدا ہو جائے ۔ عمر اور ابو عبیدہ بیعت کرنے کے ارادہ سے ابو بکر نے آگے بڑھے لیکن اس پہلے کہ ان کے ہاتھ ابوبکر کے ہاتھ تک پہنچ جائیں بشیر بن سعد نے ان پر سبقت لے لی اور آگے بڑھ کر ابو بکر کی بیعت کرلی۔

حباب بن منذر نے چلا کر کہا ؛ اے بشیر بن سعد !اے بد بخت !تم نے قطع رحم کیا ،تم نہیں دیکھ سکے کہ تیرا چچیرا بھائی حاکم مقرر ہو ؟بشیر نے کہا : ''خدا کی قسم ہرگز ایسا نہیں ہے، لیکن میں نہیں چاہتا کہ ایک ایسی جماعت سے بر سرپیکار ہو جاؤں جن کیلئے خداوند عالم نے ایک حق قرار دیا ہے'' قبیلۂ اوس کے بعض بزرگوں نے جن میں اسیر بن حضیر بھی شامل تھا جب بشیر کو ابو بکر کی اس کے علاوہ تاریخ ابن اثیر ج ۵، ۲۴۶ ہم ڈر گئے کہ دوسرا فتنہ نقل کیا ہے ۔بیعت کرتے دیکھا اور قریش کی دعوت کو سنا خزرج والوں کی ان باتوں کے بھی شاہد تھے جو سعد بن عبادہ کو منتخب کرنا چاہتے تھے انھوں، نے کہا : خدا کی قسم !اگر چہ قبیلہ خزرج والے اس کام کی باگ ڈور ایک بار بھی اپنے ہاتھ میں لے لیں اور آج اس حساس موقع پر وہ کامیاب ہو جائیں تو ہمیشہ کیلئے وہ اس فضیلت کے مالک بن جائیں گے اور ہرگز تم لوگوں کو یہ فضیلت نصیب نہ ہوگی، لہذا جتنا جلد ممکن ہو سکے اٹھ کر ابو بکر کی بیعت کرو ۔ابو بکر جوہری نے کتاب سقیفہ میں نقل کیا ہے : ''جب قبیلۂ اوس نے قبیلۂ خزرج کے ایک سردار کو ابو بکر کی بیعت کرتے دیکھا تو اسید بن حضیر جو قبیلۂ خزرج کا ایک سردار تھا نے سعد بن عبادہ کی کامیابی کو روکنے کیلئے فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر ابو بکر کی بیعت کی[1] خزرج کے کام میں اوس کی کارشکنی اور رخنہ اندازی کے بعد لوگ جوق در جوق اٹھے اور ہر طرف سے آگے بڑھ کر ابو بکر کی بیعت کرنے لگے اور کہا جاتا ہے کہ ایک ایسا ہجوم ہوا کہ قریب تھا سعد بن عبادہ پیروں تلے دب جائے۔ تاریخ یعقوبی میں یوں آیا ہے '' :لوگ ابو بکر کی بیعت کرنے کیلئے سعد اور اس کیلئے بچھے فرش پر اس طرح دوڑے کہ قریب تھا وہ کچل جائے جو لوگ سعد کے اطراف اور حوالی موالی میں شمار ہوتے تھے چلائے احتیاط سے کام لو ورنہ سعد دب جائیں گے۔ عمر نے

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۶،میں و من کلام لہ فی معنی الانصار ملاحظہ ہو۔

جواب میں کہا ؛ اسے مار ڈالو خدا اسے مار ڈالے ، اس کے بعد سعد کے سرہانے پر کھڑے ہو کر کہا ؛ تجھے اس طرح پامال کرنا چاہتا ہوں کہ تیرے بدن کے اعضا چور چور ہوجائیں ۔ یہاں پر قیس بن سعد آگے بڑھے اور عمر کی داڑھی پکڑ کر کہا : خدا کی قسم اگر سعد کے سر سے ایک بال بھی کم ہوجائے تو تیرے دانتوں میں سے ایک دانت بھی سالم نہ بچے گا ۔

ابو بکر نے فریاد بلند کی : اے عمر! خاموش رہنا اس نازک موقع پر امن و سکون کی اشد ضرورت ہے[1] عمر ،سعد کو اپنے حال پر چھوڑ کر واپس لوٹے ۔ اس وقت سعد نے عمر سے مخاطب ہوکر کہا : خدا کی قسم ! اگر میں اٹھ سکتا تو مدینہ کی گلی کوچوں اور اس کے اطراف میں میرا ایسا نعرہ سنتے کہتم اور تمہارے دوست ڈر کے مارے بل میں چھپ جاتے خدا کی قسم تجھے ایک ایسے گروہ کے پاس بھیج دیتا کہ تم ان کے فرمانبردار ہوتے نہ فرمان روا، اس کے بعد اپنے حامیوں کی طرف مخاطب ہوکر بولا : مجھے یہاں سے باہر لے چلو پھر ان لوگوں نے اسے اپنے کاندھوں پر اٹھا کر گھر پہنچا دیا[2] ''

ابو بکر جوہری کہتا ہے '': عمر اس دن یعنی ابوبکر کی بیعت کے دن کمر کس کر ابو بکر کے آگے پیچھےہورہے تھے اور نعرہ لگا رہےتھے: سنو!لوگوں نے ابو بکر کی بیعت کرلی ہے لوگوں نے ابو بکر کی بیعت کرنے کے بعد اسی حالت میں اسے مسجد میں لے آئے تا کہ اور لوگ بھی ان کی بیعت کریں، علی علیہ السلام اور عباس (جو ابھی رسو خداؐ کے بدن کو غسل دینے سے فارغ نہیں ہوئے تھے نے مسجد النبی سے تکبیر کی آواز سنی، علی علیہ السلام نے پوچھا : یہ شور و غل کیسا ہے ؟عباس نے کہا : آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا ہے ! اس کے بعد علیؑ سے مخاطب ہوکر کہا : میں نے آپ کو کیا کہا تھا[3] ۔

---

[1] یہاں پر اس کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دو خلیفوں نے کس طرح سیاست میں ا یک دوسرے کی مدد کی ۔
[2] تاریخ طبری ج ۲، ۴۵۵، ۴۵۹، تاریخ یعقوبی ج ، ص ۱۲۳ ۔
[3] تاریخ طبری ج ۲، ۴۵۵، ۴۵۹، تاریخ یعقوبی ج ، ص ۱۲۳ ۔

سقیفہ کی بیعت کا اختتام

تاریخ یعقوبی میں آیا ہے '' : جب لوگوں نے سقیفہ میں ابوبکر کی بیعت کی، براء بن عازب نے اضطراب و گھبراہٹ کے عالمیں بنی ہاشم کے دروازہ کھٹکھٹایا اور فریاد بلند کی : اے گروہ بنی ہاشم ، آگاہ ہوجاؤ ! لوگوں نے ابو بکر کی بیعت کرلی ہے ۔بنی ہاشم ایک دوسرے کی طرف تعجب کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہتے تھے : مسلمان تو ہماری ، یعنی ہم محمدؐ کے نزدیک ترین رشتہ داروں کی عدم موجودگی میں کوئی کام انجام نہیں دیتے تھے ؟!عباس نے کہا : کعبہ کے رب کی قسم !انہوں نے ایسا کام انجام دیا ہے جسے انجام نہ دینا چاہئے تھا فعلوھا و رب الکعبۃ، مہاجر و انصار سب کو یقین تھا کہ خلافت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کو نہیں ملے گی!یعقوبی براء بن عازب سے نقل کرتے ہیں '' : عباس نے بنی ہاشم سے مخاطب ہوکر کہا : تمہیں ہمیشہ کیلئے حقیر بنا دیا گیا ہے ، جان لوکہ میں نے تم سے کہا تھا ، لیکن تم لوگوں نے میری نافرمانی کی '' اس طرح ابو بکر کی خصوصی بیعت سقیفہ میں اختتام کو پہنچی ۔

ابو بکر کی عام بیعت اور پیغمبر اکرمؐ کی تدفین

قد ولیتکم و لست بخیرکم لوگو! میں تمہارا امیر منتخب ہوا ہوں جبکہ میں تم لوگوں سے بہتر نہیں ہوں!!ابو بکر و ان ابابکر و عمر لم یشھدا دفن النبیؐ ابو بکر اور عمر پیغمبرؐ کی تدفین میں شریک نہیں ہوئے ۔

مؤرخین ابو بکر منبر رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ہم نے گزشتہ فصلوں میں کہا کہ جنگ و جدال کے بعد آخرکار ابو بکر خلافت کے مسئلہمیں دوسروں پر بازی لے گئے اور بیعت کرنے والوں کے ہاتھ ان کی طرف بڑھ گئے نیز باقی لوگوں نے بھی قدرتی طور پر ان کی پیروی کی ، اس طرح سقیفہ میں ابو بکر کی عام بیعت انجام پائی لیکن اس کے باوجود اس کی کامیابی قطعی صورت اختیار نہ کرسکی اور اس بیعت کو عوامی سطح پر باقاعدہ صورت میں قبول نہیں کیا گیا ۔اس سلسلہ میں طبری کہتا ہے '': قبیلہ اسلم مدینہ آیا ، جیسے کہ مدینہ کی گلیاں ان کیلئے تنگ ہوچکی تھیں اور انہوں نے ابو بکر کی بیعت کی ۔ عمر مکرر کہتے تھے : جوں ہی میں نے قبیلۂ اسلم کو دیکھا مجھے یقین

ہوگیا کہ ہم کامیاب ہیں [1] لیکن قبیلۂ اسلم کے مدینہ آنے کا سبب شیخ مفید نے اپنی کتاب ''الجمل'' میں یوں لکھا ہے '': وہ اجناس اور کرانہ خریدنے کیلئے مدینہ آئے تھے کہ انہیں کہا گیا : آئیے ہماری مدد کیجئے تاکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ کیلئے بیعت لے لیں اس کے بعد ہم تمہیں اجناس دیں گے ، یہی وجہ ہے کہ قبیلہ اسلم نے لالچ میں آکر ابوبکر کی مدد کی ''۔ جب سقیفہ میں ابو بکر کی بیعت کا کام اختتام کو پہنچا تو ، ان کی بیعت کرنے والوں نے جلوس کی صورت میں خوشیاں مناتے اور چلاتے ہوئے انھیں مسجد النبی لے چلے !

ابوبکر منبر رسول اللہ پر چڑھے اور لوگ رات گئے تک ان کی بیعت کرتے رہے اور کسی کو بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین کی فکر نہیں تھی [2] ابوبکر دوسرے دن بھی مسجد النبی میں آئے اور منبر پر گئے تاکہ لوگوں سے بیعت لے لیں ۔ قبل اس کے کہ ابوبکر اپنی بات کو شروع کریں عمر اٹھے اور حمد وثنائے خدا کے بعد بولے: کل کی میری بات نہ قرآن سے تھی اور نہ پیغمبرؐ کی کسی حدیث سے لیکن میں خیال کرتا تھا کہ پیغمبرؐ لوگوں کے امور کی خود تدبیر کریں گے اور اس دنیا سے رخصت ہونے والے آخری فرد ہوں گے ، بہر حال پیغمبرؐ نے آپ کے درمیان قرآن کو چھوڑا ہے ،

لہذا اگر آپ لوگ اس کا سہارا لیں گے تو یہ آپ کو اس راستے پر راہنمائی کرے گا جس پر تمہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے جارہے تھے ، اب آپکے امور کی باگ ڈور بھی ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں آئی ہے جو تم لوگوں میں سے بہترین صحابی پیغمبر اور آنحضرت کے یارِ غار ہیں ، اٹھو!! اور ان کی بیعت کرو '' اس طرح سقیفہ میں بیعت انجام پانے کے بعد ابو بکر کی عام بیعت بھی انجام پائی ۔ بخاری کہتا ہے: اس سے پہلے سقیفہ بنی ساعدہ میں ایک گروہ نے بیعت کی تھی ، لیکن ابوبکر کی عام بیعت منبر پر انجام پائی [3] انس بن مالک نے روایت کی ہے '': میں نے سنا کہ اس روز عمر مکرر ابو بکر کو منبر پر جانے کیلئے کہتے تھے اور اس نے اپنی

---

[1] طبری ج ۲) ص ۴۵۸) ابن اثیر ج ۲، ۲۲۴ اور زبیر بکار کی روایت میں شرح ابن ابی الحدید ج ۶، ۲۸۷میں آیا ہے " ابو بکر کو قبیلہ اسلم کی بیعت سے تقویت ملی")

[2] الریاض النضرۃ ج ۱، ۱۶۲ اور تاریخ الخمیس ج ۱، ۱۸۷ ملاحظہ ہو۔

[3] صحیح بخاری ،ج ۴، ۶۵۔

بات کو اس قدر دہرایا اور زور دیا کہ آخر کار ابوبکر منبر پر جا پہونچے اور سب لوگوں نے ان کی بیعت کی ۔ اس کے بعد ابو بکر نے حمد وثنائے باری تعالی کی: اے لوگو! آپ کی حکمرانی کی باگ ڈور میرے ہاتھ سونپ دی گئی ہے جبکہ میں تم لوگوں میں شائستہ ترین فرد نہیں ہوں پس اگر میں صحیح اور نیک کردار ثابت ہوا تو میری اطاعت کرنا اور اگر میں نے بد کرداری اور بد سلوکی کی تو تم لوگ مجھے سیدھے راستہ پر ہدایت کرنا.

یہاں تک کہا ''جب تک میں خدا ور رسول خدا کی اطاعت کروں، تم لوگ میری اطاعت کرنا اور اگر میں نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو میری اطاعت نہ کرنا ۔ چونکہ نماز کو وقت قریب تھا اس لئے کہا '' خدا تمہیں بخش دے، اٹھوا تاکہ ہم ایک ساتھ نماز پڑھیں ''[1] بیعت کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سوموار کی صبح کو رحلت فرمائی اور لوگ آپ کے جنازہ کو دفن کرنے کے بجائے دوسرے کام میں مشغول ہوئے[2] حقیقت میں لوگوں نے سوموار سے منگل کے عصر تک تین کام انجام دئیے اول: سقیفہ میں رونما ہوئے مظاہرے اور تقریریں انجام دیں، دوم ۔ ابو بکر سے پہلی بیعت اور سوم ۔ مسجد النبی میں اس کی عام بیعت، عمر کی تقریر اور ابوبکر کی لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنا ۔

مؤرخین کہتے ہیں ؛ جب ابوبکر کی بیعت کا کام اختتام کو پہنچا، تو منگل کی شب کو لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جنازہ کی طرف بڑھے[3] گھر میں داخل ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نماز پڑھی،[4] اس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر امام جماعت کے بغیر نماز پڑھی گئی اور مسلمان گروہ گروہ گھر میں داخل ہوکر آپ پر نماز پڑھتے تھے[5] پیغمبر خدا کی تدفین اور اس میں شریک افراد رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بدن مبارک کو جنھوں نے غسل دیا انہوں نے ہی اسے دفن بھی کیا (عباس، علی

---

[1] ملاحظہ ہو : سیرہ ابن ہشام ج ۴، ۳۴۰ ، طبری ج ۳، ۲۰۳ ، عیون الاخبار ابن قتیبہ ۲، ۲۳۴، الریاض النضرۃج ۱، ۱۶۷ ، تاریخ ابن کثیر ج ۵، ۲۴۸، تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۴۷ ، کنزل العمال ج ۳، ۱۲۹ ، حدیث نمبر ۲۲۵۴ ، سیرہ حلبیہ ج ۳، ۳۹۷ اور تاریخ یعقوبی ج ، ۱۲۷ ، شرح نہج البلاغہ کی ج ۱ ۱۳۴ ، روایت کے مطابق اورصفوۃ الصفوی ج ۱، ۹۸ نے بھی نقل کیا ہے کہ صرف ابو بکر کے سقیفہ کے خطبہ کو ذکر کرنے والوں میں جوہری ہے ۔

[2] طبقات ابن سعد ج ۲، ق ۲، ص ۷۸ طبع لندن۔

[3] سیرہ ابن ہشام ج ۴، ۲۴۳ ، طبری ج ۲، ۴۶۲، کامل ابن اثیر ج ۲، ۲۲۵ ، ابن کثیر ج ۵، ۲۴۸، سیرہ حلبیہ ج ۲. ۲۶۲ و ۲۹۴ موخر الذکر مآخذمیں بیعت کا کام تمام نہ ہونے کی صورت میں تجہیز رسول اللہ کیلئے آنے کی تاریخ معین نہیں کی گئی ہے ۔

[4] سیرہ ابن ہشام ج ۴، ۳۴۳۔

[5] طبقات ابن سعد ج۲، ۷۰ ، کامل ابن اثیر ج ۲، ۱۱ھ کے وقائع کے ضمن میں ، نہایۃ الارب ج ۱۸ . ۳۹۲ ۔

علیہ السلام، فضل و پیغمبرؐ کا غلام صالح)، لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دوسرے اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بدن مبارک کو آپ کے خاندان والوں کو سپرد کرکے خلیفہ کا انتخاب کرنے کیلئے سقیفہ چلے گئے[1] اس کے علاوہ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تدفین چار افراد[2] کے توسط سے انجام پائی، حضرت علی علیہ السلام، فضل ،قثم، عباس کے بیٹے اور پیغمبرؐ کا غلام شقرین، اس کے علاوہ کہتے ہیں: اسامہ بھی تھے، غسل و تکفین اور دیگر کام بھی انہوں نے ہی انجام دئے ہیں۔[3] اور ابوبکر و عمر پیغمبرؐ کی تدفیں کے وقت حاضر نہیں تھے۔[4] عائشہ نے روایت کی ہے ؛ ہم رسول اللہؐ کی تدفین کے بارے میں بدھ کی نصف شب تک آگاہ نہ ہوئے، جب بیلچوں کی آواز ہمارے کانوں تک پہنچی[5]!

ایک اور روایت میں عائشہ نہ کہا ہے : ''ہم بیلچوں کی آواز سننے تک رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تدفین کے وقت سے آگاہ نہیں ہوئے تھے[6] مزید روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رشتہ داروں کے علاوہ ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا اور انصار کے ایک قبیلہ نے زمین پر بیلچوں کی آواز اس وقت سنی جب وہ اپنے گھروں میں سوئے ہوئے تھے بعد میں بنی غنم کے بزرگ کہتے تھے، ہم نے بیلچوں کی آواز آخر شب میں سنی۔[7]

حضرت ابوبکر کی بیعت کے مخالفین عباس! نحن نرید ان نجعل لک سھماً من ھذا الامر عباس! چونکہ آپ پیغمبرؐ کے چچا ہیں، اگر ہمارا ساتھ دیں گے تو خلافت میں سے آپ کا بھی ایک حصہ معین کریں گے ۔ ابوبکر کی پارٹی :فان کان حقا للمؤمنین فلیس لک ان تحکم فیہ!! اگر خلافت مومنوں کا حق ہے، تو تم لوگ اس میں سے مجھے کوئی حصہ دینے کا حق نہیں رکھتے ہو اور اگر وہ ہمارا حق ہے تو اسے پورا

---

[1] ، طبقات ابن سعد ج۲، ق۲،۷۰ اور البدء و التاریخ میں اس معنی کے قریب مطالب نقل ہوئے ہیں۔
[2] کنز ل العمال ج ۴، ۵۴ و ۶۰ ۔
[3] العقد الفرید ج ۳،، ۶ اور ذہبی نے بھی اپنی تاریخ میں اس معنی کے قریب نقل کیا ہے ۔
[4] کنز العمال ج ۳، ۱۴۰ ۔
[5] سیرہ ابن ہشام ج ۴. ۳۴۲ ، طبری ج ۲، ۴۵۲، ۴۵۵، ابن کثیر ج ۵، ۲۷۰، اور اسد الغابہ ج ۱، ۳۴ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حالات زندگی میں کہا گیا ہے دوسری روایتوں میں آیا ہے کہ بیلچہ کی آواز کا سننا منگل کی شب کو پیش آیا ہے جیسا کہ طبقات ج ۲، ۱ ۲، ۷۸ اور تاریخ الخمیس ج ۱، ۱۴۱ میں آیا ہے ،ذہبی نے بھی اپنی تاریخ ج ۱، ۳۲۷ میں ایسا ہی کہا ہے ، لیکن صحیح یہ ہے یہ بدھ کی شب کو سننے میں آیا ہے ، مسند احمد ج ۶،۶۲ میں کہا گیاہے : بدھ کی رات کے آخری حصہ میں تھا ۔
[6] مسند احمد ج ۶، ۲۴۲ ، ۲۷۴۔
[7] طبقات ابن سعد ،ج ۲، ق۲،ا ۷۸

ہمیں دینا چاہئے نہ اس کا ایک حصہ پیغمبر کے چچا عباس ہم نے گزشتہ فصلوں میں کہا ہے کہ سقیفہ میں خلافت کے موضوع پر شور و غوغا اور بڑی کشمکش پیدا ہوگئی تھی اور مسلمان کئی دھڑوں میں تقسیم ہوگئے تھے اور ہر گروہ ایک امیدوار کو خلافت کیلئے پیش کرتا تھا ، کچھ لوگ سعد بن عبادہ انصاری کو کچھ لوگ ابوبکر کو اور تیسرا گروہ علی علیہ السلام (جو سقیفہ میں موجود نہیں تھے بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے) کی حمایت کرتا تھا ، ان میں ابوبکر کی پارٹی کامیاب ہوئی اور سعد بن عبادہ کی پارٹی مکمل طور پر شکست کھاگئی.

لیکن حضرت علی علیہ السلام کے طرفدار کامیاب گروہ کیساتھ ابھی بھی نبرد آزما اور حکومت وقت کے خلاف اپنی مخالفت کا اظہار کرتے تھے اور کوشش میں تھے کہ انصار کی رای کو اپنے امیدوار کے حق میں حاصل کریں ۔

یعقوبی لکھتا ہے '' : مہاجرین اور انصار میں سے کچھ افراد نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا اور حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی طرف اپنے رجحان کا اظہار کیا ان میں عباس بن عبدالمطلب ، فضل بن عباس، زبیر بن عوام ، خالد بن سعید ، مقداد بن عمرو، سلمان فارسی ، ابوذر غفاری ، عمار یاسر ، براء بن عازب اور ابی بن کعب تھے [۱] [۲] اور ابوبکر جوہری کی کتاب ''سقیفہ'' اس طرح مذکور ہے '' : انہوں نے رات میں ایک انجمن تشکیل دے کر فیصلہ کیا کہ اس کام کے سلسلے میں مہاجرین اور انصار سے دوبارہ صلاح و مشورہ کیا جائے ۔

اس انجمن کے اراکین مذکورہ ناموں کے علاوہ عبادۃ ابن صامت ، ابو الھیثم بن تیہان اور حذیفہ تھے [۳] اس واقعہ کے بعد ابوبکر نے عمر ، ابو عبیدہ اور مغیرۃ بن شعبہ کو اپنے پاس بلایا اور ان سے پوچھا کہ اس سلسلہ میں تمہاری رائے کیا ہے ؟ تینوں افراد نے متفقہ طور پر کہا : آپ کو عباس بن عبدالمطلب سے مفصل ملاقات کرنی چاہئے اور خلافت کے ایک حصہ کو ان سے مخصوص رکھنا چاہئے تاکہ وہ

---

[۱] مذکورہ صحابی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بزرگ اصحاب میں سے تھے ، کتاب کے آخر پران کی زندگی کے حالات درج کئے جائیں گے ۔

[۲] تاریخ یعقوبی ج۲، ۱۲۴

[۳] ابو بکر جوہری کی کتاب سقیفہ کی روایت شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید،ج ۲، ۴۴ اور اس کی تفصیل تحقیق ابو الفضل ابراہیم ج ۲، ۵ میں ملاحظہ ہو۔

خود اور ان کے فرزند اس سے استفادہ کریں، اگر عباس راضی ہوئے تو علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ گے اور عباس کا آپ کی جانب میلان علی علیہ السلام کے ضرر میں آپ کے ہاتھ میں ایک حجت ہوگیابو بکر نے اس مشورہ کو پسند کیا ور راتوں رات عمر، ابو عبیدہ جراح اور مغیرہ کے ہمراہ عباس کے گھر گئے ۔ابو بکر نے خداوند عالم کا حمد و ثنا بجالانے کے بعد کہا: بے شک خداوند عالم نے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو مبعوث کیا ہے تا کہ اپنےپیغام کو لوگوں تک پہنچا دے ان پر منت رکھیں، ان کی سرپرستی کو سنبھالیں اور اپنی عمر شریف کو ان کے درمیان اس وقت گزاریں جب انھیں اپنی طرف بلائیں ۔ جو ان کیلئے محفوظ رکھا تھا وہ انھیں عطا فرمایا : پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے رحلت کے وقت لوگوں کے کام کو ان پر ہی چھوڑ دیا تا کہ جو کچھ وہ اپنے لئے مصلحت جانیں اخلاص کے ساتھ اسے اختیار کریں، انہوں نے مجھے اپنے اوپر حکمراں اور اپنے کاموں پر نگہبان قرار دیا ،اور میں نے بھی اسے قبول کیا اور خدا کی مدد سے مجھے اس ا۔ جوہری کی سقیفہ کی روایت ہے کہ مشورہ صرف مغیرہ بن شعبہ نے دیا اور یہ حقیقت کے نزدیک ہے کہ یہ جماعت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی رحلت کے دو شب بعد عباس کے پاس گئی ۔

کا خوف نہیں ہے کہ اس کام کو نبھانے میں مجھ میں کمزوری یا پریشانی و وحشت نہیں ہے میں اپنی کامیابی کو خدا کی عنایت جانتا ہوں اور اسکی پناہ چاہتا ہوں اور اس کی طرف لوٹنے والاہوں ۔مجھے مسلسل رپورٹ مل رہی ہے کہ بعض افراد عام لوگوں کے نظریات کے خلاف اظہار نظر کرکے تنقید کرتے ہیں اور مجھ پر آپ کے اعتماد کے بارے میں اعتراض کرتے ہیں ۔ یہ لوگ صرف آپ کی اجتماعی حیثیت اورآبرو کی آڑ میں یہ نیا کام انجام دے رہے ہیں، لہذا آپ یا لوگوں کا ساتھ دیجئے یاان کو اس کج فکری سے منع کیجئے،اس وقت ہم آپ کے پاس آئے ہیں کہ خلافت میں آپ کیلئے بھی ایک حصہ کے قائل ہوجائیں تا کہ آپ خود اور آپ کے فرزند اس سے استفادہ کریں، کیونکہ آپ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے چچا ہیں، لوگوں نے آپ کی اور آپ کے دوستی کی حیثیت کو جانتے ہوئے بھی آپ کو یہ نظر انداز کر دیا ہے اے بنی ہاشم ! مطمئن رہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ہم سے اور تم سے ہیں نہ کہ صرف تم سے مخصوص ہیں ۔

عمرنے اس بیان میں اضافہ کرتے ہوئے کہا ؛ یہ خیال نہ کیا جائے کہ ہمارا آپ لوگوں کے پاس آنا ہماری کمزوری اور آپسی تعاون کیلئے ہے، نہیں !ایسا نہیں ہے بلکہ ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ مسلمانون کے اتفاق کئے گئے کام کے بارے میں آپ کی طرف سے مخالفت کی آواز سنی جائے کیونکہ اس کا نقصان آپ اور ان لوگوں کو پہنچے گا ۔ لہذا آپ اپنے کام میں صحیح طور پر فکر کریں!عباس نے خداوند عالم کی حمد وثنا کے بعد یوں جواب دیا : خداوند عالمآپ کے کہنے کے مطابق محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پیغمبر کی حیثیت سے مبعوث کیا ہے اور اپنے حامیوں اور مومنین کا مددگار اور آپ کے وجود کی برکت سے اس امت پر احسان کیا ۔ آخر کارآپ کو اپنے پاس بلالیا اور آپ کے لئے جو مناسب تھا وہی انجام دیا ور مسلمانوں کے کام کو ان پر چھوڑدیا تا کہ حق کی طرف ہدایت پائیں اور اپنے لئے اسے انتخاب کریں نہ یہ کہ حق سے منہ موڑ کر دوسری طرف جائیں۔

اگر تم نے اس حق کی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نام پر حاصل کیا ہے تو یہ ہمارا حق ہے اور تم نے غصب کیا ہے اور اگر پیغمبر کے پیرو ہونے کی حیثیت سے اس مقام و منزلت تک پہنچے ہو تو ہم بھی ان کے پیرو ہیں لیکن تمہارے کام میں ہم نے آگے بڑھ کر مداخلت نہیں کی ہے اور یہ جان لو کہ ہم معترض ہیں ،اگر مؤمنین کی وجہ سے تم پر خلافت واجب ہوئی ہے اور اس کے سزاوار ہوئے ہو تو ،چونکہ ہم بھی مومنین میں سے ہیں اور ہم اس پر راضی نہیں ہیں اس لئے یہ حق تم پر واجب و ثابت نہیں ہوگا ۔ یہ کیسا تناقض ہے کہ ایک طرف یہ کہتے ہو کہ مجھ پر اعتراض کرتے ہو اور دوسری طرف سے دعویٰ کرتے ہو تمہیں لوگوں نے منتخب کیا ہے اور رای دی ہے ؟ایک طرف سے اپنے آپ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا خلیفہ جانتے ہو اور دوسری طرف سے کہتے ہو کہ پیغمبر نے لوگوں کے کام کو انہی پر چھوڑدیا ہے تا کہ کسی ایک کو اپنے لئے منتخب کرلیں ،کیا انہوں نے تجھے منتخب کیا ہے ؟ لیکنجویہ کہتے ہو کہ خلافت میں ایک حصہ ہمارے لئے مخصوص ہے تمہاری جانب سے ،لہذا یہ جو چیز تم مجھے دے رہے ہو اگر مؤمنین کا حق ہے تو اس کا اختیارتم نہیں رکھتے ہواور اگر یہ حق ہمارا ہے تو پورا حق ہمیں دینا چاہئے ہم اپنے اس حق سے

[1] جوہری کی کتاب سقیفہ اور الامامۃ و السیاسۃ میں اس طرح آیا ہے : " اگر یہ تمہارا حق ہے تو ہم اس کے محتاج نہیں ہے ۔

ایک حصہ لیکر باقی تمہیں سو نپتے پر راضی نہیں ہیں، تمہیں جاننا چاہئے کہ رسول خداؐ ایسے ایک درخت کے مانند ہے جس کی ٹہنیاں ہم ہیں اور تم اس کے سایہ میں بیٹھنے والے ہو۔ گفتگو یہاں تک ناکام رہی اور ابوبکر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عباس کے گھر سے باہر آگئے۔ پیغمبرؐ کے چچا عباس اور چند افراد کا ہم نے اس فصل میں ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ اور بھی نیک خو، نامور اور اکابر اصحاب نے ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا ہے اور صراحت کے ساتھ اس پر اعتراض کیا ہے حتی کہ اظہار مخالفت کیلئے ہڑتال کی اور پیغمبر کی اکلوتی بیٹی حضرت فاطمہ زہراء کے گھر میں دھرنا دیا، اس سلسلے میں تفصیلات اگلی فصل میں بیان کی جائیگی

حضرت فاطمہ زہرا (س) کے گھر پر دھرنا دینے والے یابن الخطاب اجئت لتحرق دارنا اے عمر! کیا ہمارے گھر کو آگ لگانے کیلئے آئے ہو پیغمبر اکرمؐ کی اکلوتی بیٹی نعم، أتد خلوا فی ما دخلت فیہ الامۃ جی ہاں! مگر یہ کہ ابوبکر کی حکومت کی اطاعت کروگے۔

خلیفہ دوم عمر :: جیسا کہ گذشتہ فصل میں بیان کیا گیا کہ اصحاب کی ایک جماعت ابوبکر کی بیعت سے انکار کرکے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کی طالب ہوئی، ان میں سے کچھ لوگوں نے ابوبکر کی خلافت کے خلاف اعتراض کے طور پر ہڑتال کی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیٹی حضرت زہراء کے گھر میں جمع ہو کر دھرنا دیکر بیٹھ گئے اور اس طرح نئی تشکیل شدہ حکومت کے خلاف اپنی مخالفت کا عملی اظہار کیا۔

عمر ابن خطاب اس واقعہ کے بارے میں یوں کہتے ہیں '': جب خداوند عالم نے اپنے پیغمبرؐ کو اس دنیا سے اٹھا لیا، تو ہمیں یہ رپورٹ ملی کہ علی علیہ السلام، زبیر اور دوسرے چندافراد ہم سے منہ پھیر کر فاطمہ (س) کے گھر پر جمع ہوئے ہیں ''[1] مورخین نے حضرت فاطمہ (س) کے گھر پر پناہ لینے والے افراد کو حضرت علی علیہ السلام اور زبیر کے علاوہ بیان کیا ہے من جملہ چند افراد کے اسماء درج ذیل ہیں: ا۔ عباس بن عبد المطلب

---

[1] مسندا حمد ج ۱، ۵۵ ، طبری ، ج ۲، ۴۶۶، ابن اثیر ج ۲، ۲۲۱ ، ابن کثیر ج ۵، ۲۴۶،صفوہ ج ۱، ۹۷، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱، ۱۲۳، تاریخ سیوطی ابو بکر کی بیعت میں ص ۴۵ ، سیرہ ابن ہشام ج ۴، ۳۳، اور تیسیر الوصول، ج ۲، ۴۱)

۲۔ عتبہ بن ابی لہب

۳۔ سلمان فارسی،

۴۔ ابو ذر غفاری

۵۔ عمار یاسر،

٦۔ مقداد بن اسود

۷۔ براء بن عازب

۔ ابی بن کعب

۹۔ سعد بن ابی وقاص

۱۰۔ طلحہ بن عبید اللہ اس کے علاوہ بنی ہاشم اور بعض مہاجرین و انصار سے کچھ افراد[1] ''الفصول المہمہ'' میں مذکورہ دس افرد کے علاوہ چند دیگر افراد کا نام بھی لیا گیا ہے ۔ابو بکر کی خلافت سے حضرت علی علیہ السلام اور آپ کے حامیوں کی مخالفت اور حضرت فاطمہ زہرا کے گھر میں ان کے دھرنا دینے کی اصل روداد تاریخ، سیر و سیاحت اور علم رجال کی کتابوں میں تواتر کی حد تک نقل ہوئی ہے ۔ حقیقت میں چونکہ مؤرخین اس واقعہ سے مربوط مطالب اور ابو بکر کی کامیاب پارٹی اور حضرت فاطمہ زہراءؑ کے گھر میں دھرنا دینے والے افراد کی روداد کو بیان کرنا نہیں چاہتے تھے اس لئے ان کو نقل کرنے سے پرہیز کیا گیا ہے، لیکن بعض روئدادوں کو

[1] جن مصادر کا اس سے قبل ذکر ہوا ان کے علاوہ کچھ اور مصادر ہیں جن میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کچھ لوگوں نے ابو بکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا ، اور حضرت فاطمہ زہرا ؑ کے گھر میں د ھرنادیا ، ان مصادر میں سے بعض نے چند افراد کا نام لیا ہے جنھوں نے علی علیہ السلام کی بیعت کرنے کیلئے حضرت فاطمہ ؑ زہرا کے گھر میں اجتماع کیا تھا یہ مصادر عبارت ہیں:
الف الریاض النضر ۃ ج ۱, ۱٦۷ ، ب۔ تاریخ خمیس ج۱, ۱۸۸ج ۔ العقد الفرید ج ۳, ٦۴، تاریخ ابو الفداء ج ۱, ۱۵٦ ، ابن شحنۃ تاریخ کامل ۱۱۲ و۔ ابو بکر جوہری بنا بہ روایت ابن ابی الحدید ج ۳ , ۱۳۰۔ ۱۳۴،
ھ۔ سیرہ حلبیہ ج ۳, ۳۹۷۔

مجبوراً یا نا دانشتہ طور پر لکھ ڈالا ہے، یہ واقعات ایسے ہیں جسے بلاذری نے اس طرح نقل کیا ہے ''؛جب حضرت علی علیہ السلام نے ابو بکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا تو ابو بکر نے عمر کو حکم دیا کہ حضرت علی (علیہ السلام) ہر صورت میں اپنے ساتھ لے آؤ ۔ جب عمر علی علیہ السلام کے پاس پہنچے تو ان دونوں کے درمیان ایک گفتگو ہوئی ۔ حضرت علی علیہ السلام نے عمر سے کہا : خلافت کے پستانوں سے ایسا دودھ کھینچتے ہو کہ اس کا نصف اپنے لئے رکھنا چاہتے ہو، خدا کی قسم !یہ جوش و ولولہ جو آج ابو بکر کی خلافت کیلئے دیکھا رہے ہو، یہ صرف اس لئے ہے کہ کل وہ تجھے دیگر لوگوں پر ترجیح دیں ۔اور ابو بکر نے اپنے مرض الموت کے دوران کہا ؛ میں صرف تین کاموں کے علاوہ جو اس دنیا میں انجام دیا ہے کسی کام پر فکر مند اور غمگین نہیں ہوں، کاش یہ کام مجھ سے انجام نہ پائے ہوتے یہاں تک کہا :اور وہ تین امور درج ذیل ہیں: کاش، حضرت زہراءؑ کے گھر کے دوازے کو نہ کھولا ہوتا اور اسے اپنے حال پر ہی چھوڑ دیا ہوتا اگر چہ وہ دروازہ ہمارے ساتھ جنگ کرنے کیلئے بند ہوا تھا [1]

اس کے علاوہ تایخ یعقوبی میں اس طرح لکھا گیا ہے: اے کاش رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیٹی فاطمہؑ کے گھر کی میں نے تلاشی نہ لی ہوتی !اور اس گھر میں موجود مردوں پر حملہ نہ کیا ہوتا گر چہ دروازہ کا بند رہنا جنگ پر تمام ہوتا مؤرخین نے حضرت زہراء (س) کے گھر میں داخل ہونے کی مأموریت رکھنے والوں کے نام حسب ذیل درج کئے ہیں ۱۔ عمر ابن خطاب

۲۔ خالد بن ولید

۳۔ عبدا لرحمان بن عوف

۴۔ ثابت بن شماس

---

[1] طبری ، ج ۲، ۱۹ میں وفات ابو بکر کے سلسلے میں ، مروج الذہب مسعودی ج ۱، ۴۱۴ ، العقد الفرید ج ۳. ۹میں ابو بکرکی طرف سے عمر کو خلافت کیلئے منصوب کرنے کے سلسلے میں ، کنز ل العمال ج ۳، ۳۵ ، منتخب کنزل ج ۲ ، ۱۷۱ ، الامامۃ و السیاسۃ ج ۱، ۱۸۱ ، کامل مبرد بنا بہ روایت ابن ابی الحدید ج ۲، ۱۳۰۔ ۱۳۱ ، ابا عبید کتاب الاموال ص ۱۳۱، پر ابو بکرکے قول کو یوں نقل کیا ہے : اما الثلاثۃ التی فعلتها فوددتُ انی لم اکن کذا و کذا لخلقہ ذکرها قال ابو عبید لا ارید ذکرها ، ابو عبیدہ کہتا ہے ابو بکر نے کہالیکن میں اس کا ذکر کرنا نہیں چاہتا ہوں!ابو بکر جوہری ابن ابی الحدید کی روایت کے مطابق ج ۹، ۲۹۳ ، لسان المیزان ج ۴، ۱۸۹، اور تاریخ ابن عساکر میں ابو بکر کے حالا ت کی تفصیل میں مرآۃ الزمان سبط ابن جوزی بھی ملاحظہ ہو

۵۔ زیاد بن لبید

٦۔ محمد بن مسلمہ

۷۔ سلمۃ بن سالم بن وقش

۸۔ سلمۃ بن اسلم

۹۔ اسید بن حضیر

۱۰۔ زید بن ثابت[1] رہا ، حضرت فاطمہ زہراء (س) کے گھر پر حملہ کی کیفیت اور حملہ آوروں اور دھرنا دینے والوں کے درمیان رونما ہونے والی روداد کے بارے میں تو یوں لکھا گیا ہے ۔ ''مہاجرین میں سے چند افراد من جملہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام اور زبیر لوگوں کی طرف سے ابو بکر کی بیعت کرنے پر ناراض ہوئے اور اسلحہ لے کر فاطمہؑ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے[2] ابو بکر کو رپورٹ دی گئی کہ مہاجر و انصار کی ایک جماعت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیٹی فاطمہؑ کے گھر میں علی بن ابیطالب علیہ السلام کے ساتھ جمع ہوئی ہے[3] اور اس کے علاوہ انھیں رپورٹ دی گئی کہ اس اجتماع کا مقصد علی علیہ السلام سے بیعت لینا ہے[4] ابو بکر نے عمر بن خطاب کو حکم دیا کہ وہاں جاکر ان لوگوں کو فاطمہؑ کے گھر سے باہر نکال دو اور یہ بھی کہا : 'اگر انہوں نے مقابلہ کیا اور باہر آنے سے انکار کیا تو ان سے جنگ کرنا '' عمر آگ کے ایک شعلے کو ہاتھ میں لئے ہوئے فاطمہؑ کے گھر کو نذر آتش کرنے کی غرض سے ان کی طرف روانہ ہوئے فاطمہ (س) نے جب اس حالت کو دیکھا تو فرمایا : اے ابن خطاب ! کیا پیغمبر کی بیٹی کے گھر کو جلانے کیلئے آئے ہو ؟ عمر نے جواب میں کہا : جی ہاں ! مگر یہ کہ امت کے ساتھ ہماہنگ ہوکر بیعت کرو[5] الامامۃ و السیاسۃ کی روایت میں یوں آیا ہے

---

[1] تاریخ یعقوبی ج ۲ ، ۱۰۵

[2] الریاض النضرۃ ،ج ۱، ۱۶۷، ابو بکر جوہری بنا بر روایت ابن ابی الحدید، ج ۱، ۱۳۲ ، ج ۶، ۲۹۳، تاریخ الخمیس ،ج ۱، ۱۸۸

[3] تاریخ یعقوبی ج ۲، ۱۰۵۔

[4] ابن شحنہ، ۱۲۲ حاشیہ کامل ابن ابی الحدید ج ۲، ۱۳۴۔

[5] العقد الفرید ج ۳، ۶۴ ، ابو الفداء ج ۱، ۱۵۶۔

''،:جب وہ لوگ علی علیہ السلام کے گھر میں جمع ہوئے تھے، عمر نے وہاں پہنچ کر آواز دی، لیکن انہوں نے اس کی کوئی پروا نہیں کی اور گھر سے باہر نہ نکلے، عمر نے لکڑی طلب کی اور کہا: اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے، باہر آجاؤ !ورنہ اس گھر کو اس کے اندر موجود افراد کے ساتھ آگ لگادوں گا ۔ عمر سے کہا گیا : اے ابوالحفص، اس گھر میں فاطمہ ہیں۔

عمر نے جواب دیا : ہونے دو ![1]انساب الاشراف میں یہ حادثہ یوں لکھا گیا ہے '': ابوبکر نے علی علیہ السلام سے بیعت لینے کیلئے کچھ افراد کو ان کے یہاں بھیجا، لیکن علی علیہ السلام نے بیعت نہیں کی، تو عمر آگ کے ایک شعلہ ہاتھ میں لئے ہوئے ان کے گھر کی طرف روانہ ہوئے ۔ حضرت فاطمہ نے ان سے کہا : اے ابن خطاب !کیا تم ہی ہو جو میرے گھر کو آگ لگانا چاہتے ہو؟عمر نے جواب دیا : جی ہاں !یہ کام تیرے باپ کی لائی ہوئی چیز کو مستحکم کرے گا ۔

[2]جوہری نے اپنی کتاب '' السقیفہ '' میں یوں لکھا ہے ؛ ''عمر چند مسلمانوں کے ہمراہ علی علیہ السلام کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تا کہ اس گھر کو اس کے مکینوں کے ساتھ نذر آتش کردیں [3]اور مشہور مؤرخ ابن شحنہ کی عبارت حسب ذیل ہے: تا کہ گھر اور اس میں جو کوئی بھی ہے، اسے نذر آتش کردے کنز العمال میں آیا ہے کہ عمر نے فاطمہ سے کہا '':با وجود اس کے کہ میں جانتا ہوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجھ سے زیادہ کسی اور سے محبت نہیں کرتے تھے لیکن یہ حقیقت مجھے ہرگز اپنے اس ارادے سے منہ موڑنے کا سبب نہیں بنے گی کہ یہ چند افراد جو تیرے گھر میں جمع ہوئے ہیں ان کے ہمراہ تیرے گھر کو آگ لگادینے کا حکم دیدوں !!''[4]

جب عبد اللہ بن زبیر، بنی ہاشم سے جنگ کر رہا تھا، انھیں ایک پہاڑ کے درہ میں محاصرہ کرکے حکم دیا کہ لکڑی لاکر انھیں آگ میں جلا دیا جائے اس کا بھائی عروۃ بن زبیر اپنے بھائی کے اس کام کی توجیہ کرتے ہوئے کہتا تھا : میرے بھائی نے یہ کام دھمکی اور

---

[1] الامامۃ و السیاسۃ ج ۱، ص ۱۲ ، الریاض النضرۃ ج ۱، ۱۶۷، ابو بکر جوہری بنابر روایت ابن ابی الحدید ج ۲، ۱۳۲ و ج ۶، ۲ اور تاریخ الخمیس ج ۱، ۱۷۸۔
[2] ابو بکر جوہری بنابہ روایت ابن ابی الحدیدد ج ۲، ۱۳۴ ۔
[3] اسکی تاریخ ے ص ۱۱۲ پر تاریخ کامل کے حاشیہ پر ۔
[4] کنز العمال ج ۳، ۱۴۰

ڈرانے کیلئے کیا تھا ، جیساکہ اس سے پہلے بھی ایسے کام کی مثال ملتی ہے، جب گذشتہ زمانے میں بنی ہاشم نے بیعت نہیں کی تھی تو لکڑی لائی گئی تا کہ انھیں آگ لگا دی جائے [1] گذشتہ سے اس کا مقصود سقیفہ کا دن تھا کہ بنی ہاشم نے ابو بکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا تھا ۔ مصر کا ایک عظیم شاعر حافظ ابراہیم نے بھی اس روداد کی یاد میں حسب ذیل اشعار کہے ہیں: و قولۃ لعلیّ قالھا عمر اکرم بسا معھا اعظم بملقیھا حرقت دارک لا ابقی علیک بھا ان لم تبایع و بنت المصطفی فیھا ما کان غیر ابی حفض یفوہ بھا امام فارس عدنان و حامیھا '' عمر نے، حضرت علی علیہ السلام سے کہا: اگر بیعت نہ کرو گے تیرے گھر کو ایسے آگ لگا دونگا کہ اس کے اندر موجود افراد میں سے ایک شخص بھی زندہ بچ نہیں سکتا جبکہ اس گھر میں موجود افراد میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیٹی بھی تھیں ۔

یہ بات ابو حفض (عمر) کے سوا کسی اور کے منہ سے، عدنان کے پیشوا اور ان کے حامی حضرت علی علیہ السلام کے حضور میں نہیں نکلی اس کے علاوہ ایسی بات کرنے کی کسی میں جرات بھی نہ تھی ۔یعقوبی کہتا ہے '': ایک جماعت کے ہمراہ آئے اور گھر پر دھاوا بول دیا ...یہاں تک کہتا ہے: علی علیہ السلام کی تلوار ٹوٹ گئی اور لوگ گھر میں داخل ہوگئے [2] طبری لکھتا ہے: عمر بن خطاب بھی علی، علیہ السلام کے گھر آئے ، طلحہ، زبیر اور مہاجرین میں سے کچھ لوگ گھر میں موجود تھے ،زبیر ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے گھر سے باہر آئے ور عمر پر حملہ کیا ، اس حالت میں اس کے پاؤں لڑکھڑا گئے اور تلوار ہاتھ سے گر گئی، عمر کے حامیوں نے ان کو اپنے قبضہ میں لے لیا [3] اس کے بعد علی علیہ السلام کو گرفتار کرکے ابو بکر کے پاس لے گئے اور ان کے درمیان ایک گفتگو انجام پائی، اس کی تفصیل آئندہ فصل میں آئے گی۔

---

[1] مروج الذہب ج ٢، ١٠٠، ابن ابی الحدید ج ٢، ١٨١ طبع ایران ، میں اس روئداد کی وہاں پر یاد دہانی کرتا ہے جہاں پر امیر کی فرمائش ما زال الزبیر منا حتی نشأ ابنہ کی تشریح کرتا ہے ۔

[2] تاریخ یعقوبی ج ٢، ١٠٥

[3] طبری ج ٣/ ١٩٨ و ١٩٩ ،الریاض النضرة ، محب الدین طبری ، ص ١٦٧

ابوبکر کی بیعت سے علیؑ کی مخالفت

یا ابا بکر ما اسرع ما اغرتم علی اھل بیت رسول اللہ اے ابوبکر : کتنی عجلت کے ساتھ تم نے خاندان پیغمبرؐ پر دھا وابول دیا ؟!

پیغمبر اکرم کی اکلوتی بیٹی ، فاطمہؑ و اللہ لا اکلم عمر حتی القیٰ اللہ!! خدا کی قسم ! میں عمر سے مرتے دم تک کلام نہیں کروں گی!!

پیغمبر اکرم کی بیٹی، فاطمہ (س) علیؑ کو خلافت کی کچہری تک کھینچ لیا جاتا ہےہم نے گزشتہ فصل میں کہا کہ اصحاب میں کچھ نیک افراد نے ابوبکر کی خلافت پر اعتراض کرتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یادگار حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیھا کے گھر پر دھرنا دیا تو ابوبکر کی پارٹی نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیھا کے گھر پر دھا وابول دیا اور دھرنا دینے والوں کو ڈرانے دھمکانے کیلئے اس گھر کے دروازہ پر آگ لے کر آگئے تاکہ سب کو اس آگ میں جلادیں، بہر حال علی علیہ السلام کو گرفتار کیا گیا، گرفتار کرنے کے بعد علی علیہ السلام کو ابوبکر کے پاس لاکر ان سے کہا گیا کہ :بیعت کرو !علی علیہ السلام نے جواب میں کہا :میں اس کام کیلئے تم لوگوں سے مستحق تر ہوں، میں ہرگز تم لوگوں کی بیعت نہیں کروں گا، حق یہ ہے کہ تمہیں میری بیعت کرنی چاہیے، تم لوگوں نے اس کام کی باگ ڈور انصار سے لے لی ہے محض اس بنا پر کہ تم لوگ رسول اللہ کے رشتہ دار ہو اور انہوں نے بھی اس بنا پر حکومت کی باگ ڈور تم لوگوں کے حوالے کردی تو، میں بھی یہی دلیل و برہان آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اگر خدا سے ڈرتے ہو تو انصاف کی راہ پر چلو اور جس طرح انصار نے پیغمبر کے رشتہ دار ہونے کے ناطے تمہیں اقتدار سونپا ،تم بھی اسی ناطے سے اس کی باگ ڈور میرے حوالے کردو، ورنہ یاد رہے کہ تم لوگ ظالم ہو۔ عمر نے کہا: ہم آپ کو، بیعت لئے بغیر نہیں چھوڑیں گے، علی علیہ السلام نے عمر کے جواب میں کہا اے عمر! تم اپنے لئے راہ ہموار کررہے ہو، آج اس کے حق میں کام کررہے ہو تاکہ کل وہ یہ امور تمہیں سونپ دے، خدا کی قسم میں تیری بات کو ہرگز نہیں مانوں گا اور ابوبکر کی اطاعت نہیں کروں گا، ابوبکر نے کہا اگر رضا مندی سے میری بیعت نہیں کروگے تو میں آپ سے جبر واکراہ کے ذریعہ بیعت نہیں لوں گا ۔ابو عبیدہ نے علی علیہ السلام سے مخاطب ہوکر کہا؛ اے ابوالحسن !آپ نوجوان ہیں اور یہ لوگ قریش کے بزرگ ہیں جتنا انہیں مہارت اور تجربہ ہے آپ کو نہیں ہے، میرا اعتقاد یہ ہے

کہ ابو بکر اس کام کیلئے آپ سے بیشتر قدرت کے حامل ہیں اور وہ اس کام کو بہتر صورت میں نبھا سکتے ہیں کیونکہ وہ اس میدان کے کھلاڑی ہیں ۔ کام انہیں کو سونپ کر فی الحال اس پر راضی ہوجائیے ،اگر آپ زندہ رہے اور معمر ہوئے تو فضیلت اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے قرابت کی بناء پر ااور اسلام اور راہ خدا میں جہاد کرنے میں سبقت کی وجہ سے آپ اس کام کیلئے زیادہ لائق و سزاوار ہوں گے ۔

علی علیہ السلام نے جواب دیا :اے گروہ مہاجر !پرہیز کرو ،اور خدا سے ڈرو ،اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی فرمانروائی کو ان کے گھر سے باہر نہ لے جاؤ اوراپنے گھروں کو اس قدرت و منصب کا مرکز قرار مت دو پیغمبرؐ کے گھرانے سے ان کے حق اور انکی اجتماعی حیثیت کو نہ چھینو !خدا کی قسم اے مہاجرین !ہم اہل بیت رسولؐ جب تک قرآن پڑھنے والے ،دین خدا میں فقیہ ،سنت رسول اللہ کے عالم اور اجتماعی حالات کے ہمدرد، رہیں گے ان امور کیلئے آپ لوگوں سے زیادہ سزاوار ہیں، خدا کی قسم جو چاہو گے ہمارے خاندان میں موجود ہے اپنے ہوائے نفس کی پیروی اور اطاعت نہ کرو، ورنہ اس طرح حقیقت کی راہ سے زیادہ سے زیادہ دور ہوجاؤ گے''بشیر بن سعد نے کہا '':اے علی(علیہ السلام)!اگر انصار نے ابو بکر سے بیعت کرنے سے پہلے آپ کی یہ بات سنی ہوتی تو دو آدمی بھی آپ کے بارے میں اختلاف نہ کرتے۔

لیکن کیا کیا جائے کہ کام تمام ہوچکاہے اور لوگوں نے بیعت کرلی ہے لہذا علی علیہ السلام اپنے نظریہ پر بدستورقائم رہے اور ابوبکر کی بیعت کئے بغیر اپنے گھر لوٹ آئے۔ حضرت فاطمہ زہراءؑ کے مبارزے ابن ابی الحدید نے ''شرح نہج البلاغہ '' میں ابو بکر جوہری سے نقل کرکے روایت کی ہے: جب فاطمہؑ نے دیکھا کہ ان دو اشخاص (علی علیہ السلام و زبیر) کے ساتھ کونسا سلوک کیا گیا ہے، تو اپنے گھر کے دروازہ پر کھڑی ہوکر فرمایا: ''اے ابوبکر !تم نے کتنجلدی رسولؐ کے خاندان سے مکر کیا ،خدا کی قسم مرتے دم تک میں عمر سے بات نہیں کروں گی[1] ''ایک دوسری روایت کے مطابق فاطمہ زہراءؑ زار و قطار روتے ہوئے گھر سے باہر آئیں اور

[1] ابن ابی الحدید ج ۲، ۱۳۴ ، ج ۶ ، ۲۸۶۔

لوگوں کو ایک کنارے پیچھے کی طرف ہٹا دیا ۔یعقوبی کہتا ہے ؛ فاطمہؑ باہر آئیں اور کہا '' :خدا کی قسم ! میرے گھر سے باہر چلے جاؤ ورنہ میں سر برہنہ ہوکر بالوں کو بکھیر کر بارگاہ الٰہی میں فریاد بلند کروں گی '' اس وقت لوگ ان کے گھر سے باہر آئے اور جو لوگ گھر میں تھے وہ بھی وہاں سے باہر آگئے[1] '' اس کے علاوہ ابراہیم نظام[2] بھی کہتا ہے '' :بیعت کے دن عمر نے فاطمہؑ کے شکم اور پہلو پر ایسی ضرب لگائی کہ محسن ساقط ہوگئے،اور اس طرح نعرے لگاتے تھے کہ : اس گھر کو اس کے مکینوں کے سمیت آگ لگادوں گا ! جبکہ اس گھر میں علی علیہ السلام، حسن اور حسینؑ کے علاوہ کوئی اور نہ تھ[3] ''معسودی کہتا ہے: '' جس دن عام لوگوں کی طرف سے ابو بکر کی سقیفہ میں بیعت ہورہی تھی تو منگل کے دن تجدید بیعت کی گئی، حضرت علی علیہ السلام نے ابوبکر سے کہا : تم نے ہمارا کام خراب کردیا اور اس کام میں ہمارے ساتھ کوئی صلاح و مشورہ نہیں کیا اور ہمارے کسی حق کی رعایت نہیں کی ''!!

ابو بکر نے جواب میں کہا : جی ہاں ! لیکن کیا کروں میں نے فتنہ اور بغاوت کے برپا ہونے سے ڈر گیا[4] یعقوبی مزید کہتا ہے '' : کچھ لوگ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے بیعت کا مطالبہ کیا، علی علیہ السلام نے ان سے کہا : '' کل صبح تم سب لوگ اپنے سر منڈوا کر میرے پاس آنا '' لیکن دوسرے دن ان میں سے صرف تین اشخاص آئے[5] خلاصہ یہ کہ اس واقعہ کے بعد علی علیہ السلام، فاطمہ سلام علیہا کو ایک گدھے پر سوار کرکے رات کو انصار کے دروازوں پر لے جا کر ان سے مدد طلب کرتے تھے، فاطمہ (س) زہرا بھی ان سے مدد طلب کرتی تھیں ۔ وہ جواب میں کہتے تھے : اے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیٹی ! ہماری بیعت اس شخص کے ساتھ تمام ہو چکی ہے ۔

اگر آپ کے چچیرے بھائی ابو بکر سے پہلے ہم سے بیعت کا مطالبہ کرتے، ہم ہرگز کسی دوسرے کو ان کے برابر قرار نہیں دیتے، اور ان کے علاوہ کسی اور کو قبول نہیں کرتے، علی علیہ السلام جواب دیتے تھے '' : تعجب کی بات ہے تم لوگ مجھ سے یہ توقع رکھتے

[1] تاریخ یعقوبی ، ج ۲/۵۰

[2] نظام کا نام ابراہیم بن سیار تھا، اس کی زندگی کے حالات آئندہ بیان کئے جائیں گے۔

[3] شہرستانی م ملل و نحل کے گیارھوں سوال میں ، ملل و نحل طبع ایران ج ۱، ۲۶ و طبعی لیدن ۴۰۔

[4] مروج الذہب ج ۱ ۴۱۴ ، الامامۃ و السیاسۃ ج ۱، ۱۲ ۔ ۱۴ ۔

[5] تاریخ یعقوبی ج۲، ۱۰۵ ، ابن ابی الحدید ج ۲ ، ۴۔

تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جنازہ کو تجہیز و تکفین کے بغیر، گھر میں چھوڑ کر، پیغمبر خداؐ سے بھی حکومت کے بارے میں، جنگ و جدال میں مشغول ہوجاؤں ؟ !فاطمہؑ بھی کہتی تھیں ''ابوالحسن نے وہ کام انجام دیا، جس کے وہ سزاوار تھے اور اس طرح انہوں نے اپنا فریضہ نبھایا اور ان لوگوں نے بھی ایک ایسا کام انجام دیا جس کے بارے میں خداوند عالم ان سے پوچھ تاچھ کرے گا[1]''معاویہ نے بھی علی علیہ السلام کو اپنے ایک خط میں اسی روداد کے بارے میں اشارہ کیا ہے ۔

جسے ہم نے یعقوبی سے نقل کیا جس پر وہ یوں کہتا ہے: جیسا کہ کل ہی ابو بکر کی بیعت کے دن تم اپنے گھر کی پردہ نشین کو گدھے پر سوار کرکے اپنے دو بیٹوں حسن و حسین کے ہاتھ پکڑ کر آگئے اہل بدر اور اسلام میں سبقت لینے والوں کے گھروں کے دروازوں پر جا کر ان سے اپنے لئے بیعت چاہتے تھے، اپنی بیوی کے ہمراہ ان کے پاس چلے گئے اور اپنے دو بیٹوں کو لیکر ان سے التماس کیا اور ان سے اپنے لئے مدد طلب کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے یار ابو بکر سے منہ موڑ لیں، لیکن چار یا پانچ اشخاص کے علاوہ کسی اور نے تمہارے مطالبے کا جواب نہیں دیا ، اپنی جان کی قسم !اگر حق تیرے ساتھ ہوتا تو وہ تیرا مثبت جواب دیتے لیکن تم ایک باطل دعویٰ کررہے تھے اور ایک غیر معمولی مطلب بیان کرتے تھے اور ایک ایسی چیز کا مطالبہ کرتے تھے جس کے تم حقدار نہ تھے ۔ میں جس قدر بھی فراموش کار ہوں گا ، لیکن جو بات تم نے ابو سفیان کو کہی اسے ہرگز بھلایا نہیں جاسکتا جب وہ تمہیں اشتعال دلا رہے تھے، تم نے اس سے کہا : اگر چالیس مستحکم ارادے والے آدمی میرا ساتھ دیتے تو میں انقلاب برپا کرکے ان لوگوں سے اپنے حق کا مطالبہ کرتا[2] !جنگ صفین میں جب معاویہ کے لشکر کے افراد نے علی علیہ السلام کے لشکر کو پانی استعمال کرنے سے روکا ، تو عمرو عاص نے معاویہ کو اپنی گفتگو کے ضمن میں اس بات کی طرف یاددہانی کرائی اور کہا : ہم دونوں نے سنا ہے کہ علی علیہ السلام کہتے تھے کاش چالیس آدمی میرا ساتھ دیتے اور اس کے بعد کچھ کہا...'' اور عمرو کا مقصود حضرت فاطمہ زہرا کے گھر کی تلاشی لینے کے دن امیرالمؤمنین کی فرمائشات کی طرف اشارہ تھا ۔

---

[1] ۱۔ ابو بکر جوہری اپنی کتاب سقیفہ میں بہ روایت ابن ابی الحدید ج ۶، ۲۸ و الامامۃ و السیاسۃ ج ۱، ۱۲۔
[2] ابن ابی الحدید ج ۲ ،۶۷ اور کتاب صفین ص ۱۸۲

مبارزات کا خاتمہ اور علیؑ کی بیعت

ابن اثیر اسد الغابہ میں ابوبکر کے حالات کے ضمن میں لکھتے ہیں '' : صحیح بات یہ ہے کہ بیعت کی مخالفت کرنے والوں نے چھ ماہ بعد بیعت کی[۱] '' تاریخ یعقوبی میں آیا ہے '' : علی علیہ السلام نے چھ ماہ بعد بیعت کی[۲] '' ابن عبد البر، استیعاب میں اور معودی التنبیہ و الاشراف میںوں لکھتے ہیں '' : علی علیہ السلام نے فاطمہ علیہا السلام کی وفات کے بعد ابو بکر کی بیعت کی[۳] '' ابن قتیبہ نے '' الامامۃ و السیاسۃ '' میں لکھا ہے '' : علی علیہ السلام نے فاطمہ علیہا السلام کی وفات کے بعد بیعت کی، اور یہ پیغمبرؐ کی وفات سے ۷۵ روز کا فاصلہ تھا اس واقعہ کی تفصیل کو زہری نے نقل کیا ہے اور پیغمبر خداؐ کی میراث کے موضوع کے بارے میں ابو بکر اور فاطمہ کے درمیان واقع ہونے والی روداد ام المؤمنین عائشہ سے نقل کی ہے کہ عائشہ نے کہا ہے: فاطمہ نے ابو بکر سے منہ موڑ لیا اور ان کے ساتھ بات نہیں کی اور علی علیہ السلام نے فاطمہ علیہا السلام کے بدن کو ابو بکر کی اطلاع کئے بغیر رات کے سناٹے میں دفن کر دیا۔ جب تک فاطمہؑ زندہ تھیں لوگ علی علیہ السلام کا احترام کرتے تھے اور جب فاطمہ اس دنیا سے رحلت کرگئیں تو لوگوں نے علی علیہ السلام سے منہ موڑ لیا، فاطمہ پیغمبر خداؐ کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں اور اس کے بعد وفات کرگئیں۔ راوی کہتا ہے : ایک شخص نے زہری سے پوچھا کیا ان چھ ماہ کے دوران علیؑ نے بیعت نہیں کی؟!

ازہری نے جواب میں کہا: نہ انھوں نے اور نہ بنی ہاشم میں سے کسی نے مگر یہ کہ جب علی علیہ السلام نے بیعت کی[۴] تیسیر الوصول میں آیا ہے کہ زہری نے کہا؛ خدا کی قسم نہیں! اور علی علیہ السلام کی بیعت کرنے تک بنی ہاشم میں سے کسی ایک نے بیعت نہیں کی[۵] اور کہا گیا ہے : جب علی علیہ السلام نے دیکھا کہ لوگوں نے ان سے منہ موڑ لیا ہے تو ابو بکر کے ساتھ صلح کرلی .... الخ[۶] بلاذری

[۱] اسد الغابہ ج ۳، ۲۲۲۔
[۲] تاریخ یعقوبی ج ۲، ج ۱۰۵۔
[۳] الاستیعاب ج ۲، ص ۴۴۴ ، التنبیہ و الاشراف ص ۲۵۰۔
[۴] الامامۃ و السیاسۃ ج ۱،ص ۱۳۔
[۵] تیسیر الوصول ج ۲، ص ۴۶۔
[۶] ہم نے اس حدیث کو خلاصہ کے طور پر مندرج ذیل کتابوں سے نقل کیا ہے: طبری ج ۳، ۲۰۲ ، صحیح بخاری ج ۳، ۳۸، (باب غزوۂ خأبر) کتاب مغازی اور صحیح مسلم سے باب قول رسول اللہ و نحن لا نورّث ما ترکناہ صدقہ ج ۱. ۷۴ ، ج ۳. ۱۵۳، ابن کثیر ج ۶، ۲۸۵ ۔ ۲۸۶، العقد الفرید ج ۳، ۶۴ ، ابن اثیر خلاصہ کے طور پر ج ۲، ۲۲۴ میں نقل کیا ہے ، گنجی کفایۃالطالب ص ۲۲۵ ۔ ۲۲۶ ، ابن

نے انساب الاشراف میں یوں نقل کیا ہے [1] : جب عربوں نے دین سے منہ موڑ لیا تو وہ مرتد ہوگئے، عثمان، علی علیہ السلام کے پاس گئے اور کہا اے میرے چچازاد بھائی: جب تک آپ بیعت نہیں کریں گے کوئی بھی ان دشمنوں سے لڑنے کیلئے نہیں جائے گا ....اور مسلسل اس موضوع پر گفتگو کرتے تھے اور آخر کار انھیں ابوبکر کے پاس لے گئے''....

یہاں تک کہتے ہیں : علی علیہ السلام نے ان کی بیعت کی اور مسلمان خوشحال ہوئے اور جنگ کیلئے آمادہ ہوگئے اور گروہ گروہ سپاہیوں کو روانہ کیا گیا حقیقت میں علی علیہ السلام نے ایک طرف سے فاطمہ کو کھویا تھا اور دوسری طرف سے مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالات اور ان کی بے توجہی کا مشاہدہ کررہے تھے اور اب تو وہ فرصت بھی ہاتھ سے چلی گئی تھی جس کی وجہ سے لوگ رونما ہونے والے حالات سے بے توجہ تھے، اس لئے انہوں نے مجبور ہوکر ابوبکر سے صلح کی. لیکن ان دنوں کی تلخیوں کو کبھی نہیں بھولے حتی اپنی خلافت کے دوران بھی ان حوادث کی تلخی کو نہیں بھولے اور مسلسل ان کے بارے میں شکوہ شکایت کرتے رہے، وہ اپنے معروف خطبۂ شقشقیہ میں فرماتے ہیں: میرے لئے یہ امر عقل کے مطابق اس ذمہ داری کی بنا پر جو مجھ پر تھی واضح تھاکہ صبر و شکیبائی کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں ہے لہذا میں نے صبر و تحمل سے کام لیا ، لیکن یہ حالت میرے لئے ایسی ہی تھی جیسے کہ میرے آنکھوں میں تنکا اور میرے گلے میں ہڈی پھنس گئی ہو ، میں اپنی آنکھوں سے ناقابل انکار حق کو لوٹتے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد فرمایا '':انتہائی تعجب کی بات ہے کہ ابوبکر اپنی زندگی میں لوگوں سے درخواست کرتے تھے کہ ان کی بیعت کو توڑ دیں. لیکن اپنی موت سے چند دن پہلے خلافت کا عہد وپیمان عمر کیلئے مستحکم کرگئے افسوس ان دو لٹیروں نے خلافت کو، دودھ بھرے دو پستانوں کے مانند آپس میں تقسیم کرلیا [2]۔

ابی الحدید ج ۲، ۱۲۲ ، مسعودی ج ۲، ۴۱۴ مروج الذہب سے نقل کرکے . صواعق ج ۱، ۱۲ ، تاریخ الخمیس ج۱، ۱۹۳ ، ابو الفداء ج ۱، ۱۵۶ و البداء و التاریخ ج ۵، ۶۶)

[1] انساب الاشراف، ج ۱، ص ۸۷۔

[2] نہج البلاغہ و شرح ابن ابی الحدید ج ۲، ۵۰ ، ابن جوزی نے اپنے تذکرہ کے باب ششم ، کتاب ما ھو نہج البلاغہ تالیف علامہ شہرستانی خطبہ ملاحظہ ہو۔

ابو بکر سے بیعت کی قدر و قیمت

کہتے ہیں ایک چور اور ڈاکو کی ماں نے بستر مرگ پر اپنے بیٹے سے مطالبہ کیا کہ اس کیلئے حلال مال سے کفن آمادہ کرے، کیونکہ بیٹے کا جو بھی مال تھا وہ حرام تھا، ڈاکو حلال مال کی تلاش میں گھر سے باہر نکلا اور ایک چوراہے پر گھات لگا کر بیٹھ گیا ۔ اتفاق سے سفید عمامہ پہنے ایک بزرگ وہاں سے گزرے راہزن نے چابک دستی سے شیخ کے سر سے عمامہ کو اتارلیا اور ان کی پٹائی شروع کی تا کہ وہ یہ کہیں کہ : ''حلال ہے'' شیخ نے درد سے کراہتے ہوئے ڈر کے مارے کہا؛ 'حلال ہے '' !ڈاکو نے ان کی مزید پٹائی کی اور کہا : بلند آواز میں کہوتا کہ میری بیمار ماں بھی اسے سن لے !شیخ نے بلندا آواز میں فریاد بلند کی : '''حلال ہے ! حلال ہے'' کیا جس بیعت کا نام ''لوگوں کا انتخاب'' رکھا گیا تھا اس کے علاوہ کچھ اور تھی ؟ کیا کہنا اس آزاد انتخاب او رمشروع بیعت کا، جس کو سقیفہ میں جو تم پر دباؤاور ڈرا دھمکا کے حاصل کیا گیا پھر جسے مدینہ کی گلی کوچوں میں قبیلۂ اسلم جیسے صحرا نشین قبائل کو لالچ دیکر مکمل کیا گیا اور آخر میں پیغمبر خدا کی بیٹی حضرت زہراء کے گھر کے دروازے پر آگ کے شعلے لے جا کر اختتام کو پہنچایا گیا!

بو بکر کی بیعت کے بارے میں بزرگ اصحاب کے فیصلے

وا عجباً لقریش ود فعھم ھذ الامر عن اھل بیت نبیّھم تعجب کی بات ہے... قریش نے خلافت کی باگ ڈور کو اہل بیت رسول سے چھین لیا !مقداد ،پیغمبر اسلام کے نامور صحابی لو بایعوا علیاً لأکلوا من فوقھم و من تحت أر جلھم مسلمان اگر علی علیہ السلام کی بیعت کرتے تو لافانی سعادت و سیادت کو پاتے اور زمین و آسمان کی برکتیں ان پر نازل ہوتیں ۔

سلمان محمدی :[1]۔ فضل بن عباس بنی ہاشم رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بدن مبارک کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے کہ خبر پہنچی کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں ابو بکر کیلئے بیعت لی جارہی ہے ۔اس خبر کو سننے کے بعد بنی ہاشم کے رد عمل اور پالیسی کے بارے میں یعقوبی نے یوں لکھا ہے !جب گھر سے باہر آئے تو فضل بن عباس اٹھے اور یوں بولے: اے قریش کی جماعت ! دھوکہ دہی اور پردہ پوشی

[1] تاریخ یعقوبی ج ۲، ۱۰۳ روایۃ اھم وفقیات، شرح نہج البلاغہ ج ۶، ۲۸۷ میں قضیہ کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے ۔

سے تم خلافت کے مالک نہیں بن سکتے، خلافت کے مستحق ہم ہیں نہ کہ تم لوگ، ہم اور ہمارے سردار علی علیہ السلام خلافت کیلئے آپ لوگوں سے سزاوار تر ہیں ۔

۲۔ عتبہ بن ابی لہب نے جب ابوبکر کی بیعت کی روداد سنی تو اس نے اعتراض کے طور پر یہ اشعار کہے:

ما کنت أحسب ھذا الامر منصرفا

عن ھاشم ثم منھا عن ابی الحسن

عن اول الناس ایماناً و سابقة

اعلم الناس بالقرآن و السنن

و آخر الناس عھداً بالنبیؐ و من

جبرئیل عون لہ فی الغسل و الکفن

من فیہ ما فیھم لا یمترون بہ

و لیس فی القوم ما فیہ من حسن

ترجمہ '' :میں ہرگز یہ تصور نہیں کرتا تھا کہ خلافت کی باگ ڈور کو بنی ہاشم خاص کر ابو الحسن سے چھین لیا جائیگا، کیونکہ ابو الحسن وہی ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے اور اسلام میں ان کے جیسا اچھا سابقہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے وہ تمام لوگوں سے علوم قرآن و سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں دانا تر ہیں او روہ تنہا شخص ہیں جو پیغمبر کی زندگی کے آخری لمحات تک آنحضرتؐ کے ساتھ رہے حتی آپ کی تجہیز و تکفین کو بھی انہوں نے جبرئیل کی مدد سے انجام دیا، وہ دوسروں کے تمام نیک صفات

اور روحانی فضائل کے اکیلے ہی مالکہیں لیکن دوسرے لوگ ان کے معنوی کمالات اور روحانی و اخلاقی خوبیوں سے محروم ہیں ''،حضرت علی علیہ السلام نے کسی کو اس کے پاس بھیجا اور بات کو آگے بڑھانے سے روکا اور فرمایا '' ہم دین کی سلامتی کو تمام چیزوں سے عزیز رکھتے ہیں[1]''

۳۔ عبد اللہ بن عباس ابن عباس کہتے ہیں:ابوبکر کی بیعت کے بارے میں عمر نے مجھ سے کہا؛اے ابن عباس !کیا یہ جانتے ہو کہ کونسی چیز اس امر کا سبب بنی کہ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد، لوگوں نے آپ لوگوں کی بیعت نہیں کی ؟ چونکہ میں اس کا جواب دینا نہیں چاہتا تھا ،ا سلئے میں نے کہا : اگر میں متوجہ نہیں ہوں تو امیر المؤمنین مجھے آگاہ فرمائیں ۔ عمر نے کہا ؛ وہ اس بات پر آمادہ نہ تھے کہ نبوت اور خلافت ایک ہی جگہ جمع ہوجائے اور ہر قسم کی عظمت و افتخار تمہارے خاندان کا طرۂ امتیاز ہو، اس لئے قریش نے خلافت کو اپنے لئے منتخب کیا اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ۔

لیکن ایسا لگتا ہے یہ نسبت صحیح نہیں ہوگی ۔ میں نے کہا ؛ اے امیر المؤمنین !اگر جازت دیں اور مجھ سے ناراض نہ ہوں تو میں بھی کچھ کہوں،اس کے بعد کہا : کہو اے ابن عباس[2]!میں نے کہا :یہ جو آپ نے کہا کہ قریش خلافت کیلئے منتخب ہوئے وہ اس کے مستحق تھے اور اس میں کامیاب ہوئے اس سلسلہ میں کہنا چاہتا ہوں کہ اگر قریش اسی چیز پر منتخب ہوتے جو خدا نے ان کیلئے اختیار کیا تھا اگر اسے اپناتے تو نہ ان کا حق ضائع ہوتا اور نہ کوئی ان پر رشک کرتا، لیکنجو آپ نے کہا کہ وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ نبوت اور خلافت دونوں ہم میں جمع ہوجائے ،پس جان لو خداوند عالم قرآن مجید میں ایک جماعت کو اس صفت سے معرفی کرتا ہے اور فرماتا ہے :(ذلک بانھم کرھوا ما انزل اللّٰہ فاحبط اعمالھم) ''''،چونکہ انہوں نے پیغمبر پر بھیجے گئے دستورات کو پسند نہیں کیا ،اس لئے خداوند عالم

---

[1] شرح ابن ابی الحدید طبع مصر ج ۶ ، ۸ ، ابن حجر نے اصابہ ۲۶۳ میں عباس بن عتبہ کے حالات کو تفصیل کے ضمن میں نمبر ۴۵۰۸ ، ابو الفداء نے اپنے تاریخ ی ج ۱، ۱۶۴ میں ان اشعاع کو پیغمبرؐ کے چچا اور بھائی فضل بن عتبہ بن ابی اللھب سے نسبت دی ہے ۔

[2] عبداللہ پیغمبر کے چچا عباس کے بیٹے تھے، اس وجہ سے ابن عباس کہتے تھے ابن عباس اور عمر کے درمیان اس گفتگو کو طبری نے ج ۳ . میں سیرت عمر کے موضوع کے تحت لایا ہے اور ابن ابی الحدید نے " للہ بلاد فلان '' کی تشریح میں ج ۲، ص ۴۹ اورص۵۱ طبع ایران احمد بن ابی طاہر سے سند کے ذکر کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس گفتگو میں واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ جس چیز نے عمر کو اس بات پر مجبور کیا تا کہ پیغمبر کی وصیت لکھنے میں رکاوٹ ڈالے یہ تھی وہ بخوبی جانتے تھے کہ وصیت علی علیہ السلام کے حق میں لکھی جائے گی ۔

نے ان کے کردار کو قبول نہ کرتے ہوئے باطل کر ڈالا''عمر نے کہا: افسوس ! اے ابن عباس تمہارے بارے میں کچھ ایسی رپورٹیں مجھے ملی ہیں جن پر یقین نہیں آرہا تھا لیکن اب دیکھ رہا ہوں کہ وہ رپوٹیں صحیح تھیں۔ میں نے کہا: کونسی رپورٹ آپ کو ملی ہے؟ اگر میں نے حق کہا ہوگا تو اس سے میری حیثیت آپ کے سامنے متزلزل نہیں ہونی چاہئے اور اگر جھوٹ ہے تو مجھ جیسے پر حق بنتا ہے کہ جھوٹ کی تہمت اور باطل سے دور ہوجاؤں۔ عمر نے جواب دیا : رپورٹ ملی ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ بنی ہاشم پر ظلم و ستم اور ان سے حسد کی وجہ سے خلافت چھین لی گئی ہے ۔

میں نے کہا: یہ جو کہتے ہو کہ میں نے کہا ہے کہ ظلم کیا گیا ہے یہ ہر عالم اور جاہلپر واضح ہے لیکن یہ جو کہتے ہو کہ رشک و حسد سے کام لیا گیا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ابلیس نے آدم پر رشک کیا اور ہم بھی آدم کے وہی فرزند ہیں جن سے رشک کیا گیا ہے ۔

۴۔ سلمان فارسی: ابو بکر جوہری نے روایت کی ہے سلمان ، زبیر اور انصار، پیغمبرؐ کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کرنا چاہتے تھے جب ابو بکر نے لوگوں سے بیعت لے لی تو سلمان نے کہا: تھوڑی سی خیر و نیکی کو حاصل کرکے خیر و برکت کے معدن و منبع سے محرم ہوگئے''اس دن (سلمان) کہتے تھے : ایک معمر انسان کو منتخب کرکے اپنے پیغمبر کے خاندان کو چھوڑ دیا ہے ، اگر خلافت کو پیغمبر کے خاندان میں رہنے دیتے تو دو آدمی بھی آپس میں اختلاف نہیں کرتے اور لوگ اس درخت کے میوؤں سے بیشتر مستفید ہوتے[1] انساب الاشراف میں آیا ہے : سلمان نے اپنی مادری زبان میں کہا: ''گرداز و ناگرداز'' تم لوگوں نے کیا لیکن کچھ نہیں کیا ،یعنی اگر خلافت کو غصب نہ کرتے تو بہتر تھا اور جو کام تم لوگوں نے انجام دیا وہ صحیح نہیں تھا بلکہ مزید اس میں اضافہ کیا، اگر مسلمان علی علیہ السلام کی بیعت کرتے تو خدا کی رحمتیں اور برکتیں ہر طرف سے ان پر نازل ہوتیں اور وہ ہر طرح کی سعادت و سیادت سے مالا مال ہوتے لو بایعوا علیاً لاکلوا من فوقھم و من تحت ارجلھم

[1] ابو بکر جوہری ، سقیفہ بر وایت ابن ابی الحدید ج ۲، ۱۳ ، ج ۶، ۱۷۔

۵۔ ام مسطح: ابو بکر جوہری نے مزید کہا ہے: جب ابو بکر کی بیعت سے علی علیہ السلام کے انکار کی گفتگو پر چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو ابو بکر و عمر نے علی علیہ السلام کے بارے میں شدید رد عمل کا اظہار کیا، ام مسطح بن اثاثہ نے اپنے گھر سے باہر نکل کر پیغمبر خداؐ کی قبر کے پاس آکر یہ اشعار پڑھے:

قد کان بعدک انباء و ھنبثۃ

لو کنت شاھدھا لم تکثر الخطب

انا فقدناک فقد الأرض و ابلھا

و اختل قومک فاشھد ھم و لا تغب

اے پیغمبر! آپ کے بعد چہ میگوئیاں اور اہم حوادث رونما ہوئے اگر آپ زندہ ہوتے تو ہرگز اس قدر پریشانیاں پیدا نہیں ہوتیں، ایسے حوادث رونما ہوئے جیسے زمین باران سے محروم ہوجائے اور نمی اور طراوٹ نہ ملنے کی وجہ سے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے، ہم آپ سے محروم ہوگئے اور لوگوں کے کام کا شتہ ٹوٹ گیا، اے پیغمبر! اس بات پر گواہ رہئے گا![1]''

٦۔ ابوذر رسول اللہ نے جب رحلت فرمائی تو اس وقت ابوذر مدینہ میں موجود نہ تھے جب وہ مدینہ پہنچے تو اس وقت ابو بکر نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی، انھوں نے اس سلسلے میں کہا: تم لوگوں نے تھوڑی سی چیز کو حاصل کرکے اسی پر اکتفا کیا اور پیغمبرؐ کے خاندان کو کھودیا اگر اس کام کو اہل بیتؑ رسول کے سپرد کرتے تو دو آدمی بھی آپ کے نقصان میں آپ سے مخالفت نہ کرتے[2]۔

[1] ابو بکر جوہری کتاب سقیفہ میں ابن ابی الحدید کی شرح ج ۲ ، ۱۳۳ طبع مصر میں ، طبقات ج ۲، ۱۲۹ میں بھی اس داستان کو تقریباً اس مضمون سے نقل کیا گیا ہے ۔

[2] ام مسطح بن اثاثہ کا نام سلمی بنت ابو رہم ہے ، اس کی بات کو ابو بکر جوہری نے سقیفہ میں بنا بہ روایت ابن ابی الحدید ۲، ۱۳۱ ۔ ۱۳۲ و ج ۶، ۱۷ ذکر کیا ہے ۔

۷۔ مقداد بن عمرو یعقوبی نے عثمان کی بیعت کی، روداد بیان کرتے ہوئے، راوی سے روایت کی ہے ' : مسجد النبی ؐسے ایک دن میرا گزر ہوا، میں نے ایک شخص کو دوز انو بیٹھے اس قدر حسرت بھری آہ بھرتے ہوئے دیکھا کہ گویا تمام عالم اس کی ملکیت تھی اور وہ اسے کھو بیٹھا تھا اور کہہ رہا تھا ' قریش کا کردار کس قدر تعجب آور ہے کہ مستحق سے کام چھین لیا گیا ''۔

۸۔ بنی نجار کی ایک عورت: ابو بکر جوہری کہتے ہیں '' : جب ابو بکر کی بیعت کا کام مستحکم ہوگیا، تو انہوں نے بیت المال سے ایک حصہ مہاجر و انصار کی عورتوں کیلئے معین کیا اور بنی عدی بن نجار کی ایک عورت کا حصہ زید بن ثابت کے ہاتھ سپرد کیا تا کہ اسے پہنچا دے، زید اس عورت کے پاس آئے اور اس کے حصہ کو اسے پیش کیا، عورت نے پوچھا، یہ کیا ہے ؟ زید نے کہا ؛ بیت المال کے ایک حصہ میں سے ہے جسے ابو بکر نے عورتوں میں تقسیم کیا ہے ۔ اس نے کہا ؛ کیا تم میرے دین کو رشوت دیکر خریدنا چاہتے ہو ؟خدا کی قسم !ان سے کوئی چیز نہیں لوں گی اور یہ حصہ ابو بکر کو واپس دیدو .

۹۔ معاویہ کا نظریہ :معاویہ نے محمد بن ابو بکر کے نام لکھے گئے اپنے ایک خط میں یوں کہا ہے: ہم اور تیرے باپ فرزند ابو طالب کی فضیلت اور برتری سے واقف تھے اور اپنے اوپر ان کے حق کو ضروری سمجھتے تھے، جب خداوند عالم نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ؐکے لئے جو کچھ اس کے پاس تھا اس پر عمل کیا اور ان سے کئے گئے عہد وپیمان کو پورا کیا اور اس کی دعوت کو واضح کر کے حجت کو تمام کیا اور اس کی روح کو قبض کرے اپنی طرف بلایا تو تمہارے باپ اور عمر پہلے اشخاص تھے جنہوں نے علی (علیہ السلام) کے حق کو غصب کیا اور ان کے ساتھ مخالفت کی ۔

ان دو آدمیوں نے پہلے سے مرتب کئے گئے منصوبہ کے تحت آپس میں ملی بھگت کرکے علی علیہ السلام سے اپنی بیعت کا مطالبہ کیا حضرت، علی (علیہ السلام) نے جب اجتناب اور انکار کیا تو انہوں نے نا مناسب اقدامات کئے اور ان کے خلاف خطرناک منصوبے مرتب کئے، یہاں تک کہ علی علیہ السلام نے مجبور ہوکر ان کی بیعت کی اور ہتھیار ڈالدئے، لیکن پھر بھی یہ دو شخص ہرگز

انھیں اپنے کام میں شریک قرار نہیں دیتے تھے نیز انھیں آگاہ نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ خداوند عالم نے ان دونوں کی روح قبض کرلی، اس بنا پر آج جس راہ پر ہم گامزن ہیں، اگر وہ صحیح اور حقیقت پر مبنی ہے تو اس کی بنیاد تمہارے باپ نے ڈالی ہے اور ہم اس کے شریک ہیں اور اگر تیرے باپ ایسا نہ کرتے، تو ہم ہرگز فرزند ابو طالب کی مخالفت نہیں کرتے اور خلافت کی باگ ڈور انھیں سونپ دیتے، لیکن تیرے باپ نے ہم سے پہلے ان کے بارے میں یہی کام انجام دیا اور ہم نے بھی تیرے باپ کے ہی مانند ان سے برتاؤ کیا، اب تم یا اپنے باپ کی عیب جوئی کرو یا ہمیں سرزنش اور ملامت کرنا چھوڑدو، خداوند عالم توبہ کرنے والوں پر درود بھیجے[1]۔

۱۰۔ خالد بن سعید اموی: خالد بن سعید بن عاص ان افراد میں سے تھا جنھوں نے مسلمان ہونے میں سبقت حاصل کی تھی، وہ تیسرا یا چوتھا یا پانچواں شخص تھا جس نے اسلام قبول کیا ہے ابن قتیبہ ''المعارف'' کے صفحہ نمبر ۱۲۸ پر لکھتا ہے: ''خالد ابو بکر سے پہلے اسلام لایا تھا'' خالد ان افراد میں سے تھا جنھوں نے حبشہ ہجرت کی تھی اسلام کے مضبوط اور مستحکم ہونے کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسے اس کے دو بھائیوں ابان و عمرو کے ہمراہ قبیلۂ ''مذحج'' سے زکات وصول کرنے پر مأمور فرمایا تھا، اس کے بعد وہ یمن کے شہر صنعا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مأمور مقرر ہوا، جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے رحلت فرمائی تو خالد اپنے دو بھائیوں کے ہمراہ مأموریت کی جگہ سے مدینہ کی طرف واپس آیا۔

ابو بکر نے ان سے پوچھا تم لوگ کیوں اپنی مأموریت کی جگہ کو چھوڑ کر آئے ہو؟ اس کے علاوہ حکمرانی کیلئے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے منتخب کردہ افراد سے سزاوار تر کوئی نہیں ہے، اپنی جگہ جاکر اپنا فریضہ انجام دینے میں مشغول ہوجاؤ، انہوں نے جواب میں کہا؛ ہم عبد اللہ کے بیٹے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد کسی اور کی نوکری کرنا نہیں چاہتے خالد اور اس کے بھائیوں

---

[1] مروج الذہب مسعودی ج ۲، ۶۰ ، نصر بن مزاحم کی صفین ص ۱۳۵ طبع قاہرہ ۱۳۶۵ ھ اور شرح ابن ابی الحدید ، نہج البلاغہ ج ۲، ۶۵ ، اس نے بھی تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے اور ج ۱، ۲۸۴ ۹۔

[2] استیعاب ج ۱،۳۹۸، اصابہ ج ۱، ۴۰۶ ، اسدا لغابہ ج ۲، ۹۲ ، ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج ۶، ۱۳ ۔

نے ابوبکر کی بیعت کرنے میں لیت و لعل سے کام لیا ۔ خالد نے بنی ہاشم سے کہا ؛ آپ خاندان بنی ہاشم قد آور درخت کے مانند میں اور ہم بھی آپ کے تابعدار ہیں[1] خالد نے دو ماہ تک ابوبکر کی بیعت نہیں کی اور کہتا تھا ، ہمیں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صنعا کا مأمور مقرر فرمایا اور اپنی وفات تک ہمیں معزول نہیں کیا ۔ خالد نے ایک دن علی ابن ابیطالب اور عثمان سے ملاقات کی اور انھیں کہا : اے عبد مناف کے فرزندو ! آپ نے اپنے کام سے ہاتھ کھینچ لیا تا کہ دوسرا اس پر قابض ہوجائے ۔ ابوبکر نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں کی ، لیکن عمر نے اسے اپنے دل میں رکھا[2] اس کے بعد خالد نے علی علیہ السلام کے پاس آکر ان سے کہا آگے بڑھئے ! میں آپ کی بیعت کرتا ہوں ، خدا کی قسم لوگوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جانشینی کیلئے آپ سے سزاوار تر کوئی نہیں ہے[3] لیکن جب بنی ہاشم نے ابوبکر کی بیعت کی تو خالد نے بھی ان کی بیعت[4] کا کام مکمل ہونے کے بعد جب ابوبکر لشکر اسلام کو شام کی جانب روانہ کررہے تھے ، سب سے پہلے جسے لشکر کی ایک چوتھائی کی کمانڈ سونپی گئی وہ خالد بن سعید تھا ، لیکن عمر اس کے مخالف تھے اور کہتے تھے کہ کیا ایسے شخص کو سپہ سالار بنا رہے ہیں کہ جس نے جو نہ کرنا تھا کیا اور جو نہیں کہنا تھا کہہ دیا ؟ اور عمر نے اپنی مخالفت جاری رکھی اور خاموش نہیں بیٹھے جب تک خالد کو اس عہدے سے معزول نہیں کرلیا پھر سپہ سالاری کا حکم یزید بن ابی سفیان کے نام جاری کیا گیا ۔ خالد کو اپنے معزول ہونے پر کوئی پروا نہ تھی کیونکہ وہ مقام و منزلت کا پابند نہ تھا اس لئے وہ لشکر اسلام کے ہمراہ شام کی طرف روانہ ہوا اور ۲۸ جمادی الاول ۱۳ھ کو اس جنگ میں شہید ہوا ۔

۱۱۔ سعد بن عبادۂ انصاری وہ قبیلہ خزرج کا سردار تھا وہ بیعت عقبہ میں حاضر تھا اور اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تمام غزوات میں شرکت کی ہے اس کے غزوۂ بدر میں حاضر ہونے کے بارے میں مؤرخین کے درمیان اختلاف نظر ہے ۔ سعد ایک رحم دل اور سخی شخص تھا ، فتح مکہ کے دن انصار کا علمبردار تھا چونکہ اس نے اس جنگ میں یہ نعرہ بلند کیا ''آج جنگ کا دن

[1] استیعاب ۱، ۲۹۸ ، اصابہ ۱، ۴۰۶ ، ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج ۶، ۱۳
[2] اسد الغابہ ج ۲، ۹۲ ، ابن ابی الحدید ، شرح نہج البلاغہ ج ۲، ۱۳۵
[3] طبری ج ۲، ۵۸۶ ، تہذیب التہذیب ابن عساکر ج ۵، ۴۸ ، انساب الاشراف ج۱، ۵۸۸،
[4] تاریخ یعقوبی ج ۲، ۱۰۵

ہے، جس دن عورتیں اسیر کی جائیں گی، اس کی مراد قریش کی عورتیں تھیں ‘‘ اس لئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پرچم کو اس کے ہاتھ سے چھین کر اس کے بیٹے قیس کے ہاتھ میں دیدیا[۱]، سعد بن عبادہ کے بارے میں اسلام کے مؤرخین لکھتے ہیں[۲] ’’سقیفہ میں جب ابو بکر کے حامی سعد شدید مخالفت سے دوچار ہوئے تو انہوں نے اس میں مصلحت سمجھی کہ چند روز سعد سے چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے جب بیعت کا کام انجام الامامۃ والسیاسۃ ج۱، ۱۰، سیرہ حلبی نے ج۴، ۳۹۷، میں اضافہ کیا ہے کہ سعد ان میں سے کسی سے بھی مل کر سلام نہیں کرتا تھا ،لا یسلم علی من بقی منھم ‘‘۔پایا تو کسی شخص کو اس کے پاس بھیج کر اانھیں پیغام دیدیا کہ آکر بیعت کریں، دوسروں حتی تیرے قبیلہ والوں نے بھی بیعت کی ہے، سعد نے جواب میں کہا ؛ خدا کی قسم جب تک میرے ترکش میں تیر موجود ہے اور تمہیں نشانہ بنا سکتا ہوں اور اپنے نیزے کی نوک کو تمہارے خون سے رنگین کر سکتا ہوں، اور جب تک میرے بازؤں میں تلوار چلانے کی طاقت موجود ہے، تم لوگوں سے لڑتا رہوں گا ،اور اپنے خاندان کے ان افراد کی مدد سے جو ابھی تک میری اطاعت میں ہیں تم لوگوں سے جب تک ممکن ہو سکے گا نبرد آزمائی کرونگا اور تمہاری بیعت نہیں کروں گا اور خدا کی قسم !اگر جن و انس تمہاری مدد کو آجائیں تو بھی میں تم لوگوں کی ہرگز بیعت نہیں کروں گا جب تک خدا کے پاس اپنی شکایت نہ کرلوں اور تم لوگوں کے ساتھ عدل الٰہی کے حضور اپنا حساب نہ چکالوں۔

جب یہ باتیں ابو بکر تک پہنچیں تو عمر نے کہا ؛ اسے نہ چھوڑو جب تک کہ بیعت نہ کرے ، لیکن بشیر بن سعد نے اپنا نظریہ پیش کرتے ہوئے کہا : میرے خیال میں اس قضیہ کا پیچھا کرنے میں مصلحت نہیں ہے، کیونکہ سعد کی مخالفت ہٹ دھرمی پر مبنی ہے جو آگاہی، میں سعد کے اخلاق کے بارے میں رکھتا ہوں، اس سے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ قتل ہونے تک ڈٹا رہے گا اور دوسری طرف سعد کا قتل ہونا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے، کیونکہ وہ ایک فرد نہیں ہے کہ اس کے قتل کئے جانے سے مخالفتوں کو ختم کیا جا سکے، وہ ایک بڑی آبادی والے قبیلہ کا سردار ہے اور ابھی تک اس کا معنوی اثر و نفوذ اس کے خاندان میں موجود ہے، جب

---

[۱] ملاحظہ ہو اس کا ترجمہ استیعاب ج ۲، ۳۲ میں اور اصابہ ج ۲، ۲۷۔
[۲] طبری ج ۲، ۴۵۹ ، ابن اثیر ج ۲، ۲۴۴ ، روایت کو ’’ فاترکوہ تک ‘‘ نقل کیا ہے ، کنز العمال ج ۳، ۱۳۴ ، حدیث نمبر ۲۲۹۶ ،

تک اس کے فرزندوں، رشتہ داروں اور قبیلہ کے کچھ افراد کو قتل نہ کیا جائے اس پر ہاتھ نہیں لگایا جاسکتا ہے،اس لئے مصلحت اسی میں ہے کہ اسے اپنے حال پر چھوڑدیا جائے اس طرح وہ ایک آدمی سے زیادہ نہیں ہے اور کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے ۔بشیر بن سعد کی تجویز منظور ہوئی اور سعد بن عبادہ کو اس کے حال پر چھوڑدیا گیا وہ بھی ان کی جماعت اور دیگر اجتماعات میں حاضر نہیں ہوتا تھا نیز حج کے موقع پر بھی ان کی اطاعت نہیں کرتا تھا ۔ اور ابو بکر کے دنیا سے چلے جانے اور عمر کی خلافت کے دور تک اسی حالت میں تھا[1]اپنی خلافت کے دوران ایک دن عمر نے سعد کو مدینہ کی ایک گلی میں دیکھا اور اسے کہا : خبر دار ،اے سعد ! سعد نے جواب میں کہا : خبردار اے عمر! عمر نے پوچھا : کیا تم نے چہ می گوئیاں کی تھیں! سعد نے کہا :جی ہاں : میں ہی تھا ،اس وقت حکومت کی باگ ڈور تیرے ہاتھ میں آئی ہے ، لیکن خدا کی قسم ہمارے نزدیک ابو بکر کی محبوبیت تجھ سے زیادہ تھی اور میں ذاتی طورپر پسند نہیں کرتا ہوں تمہارے نزدیک رہوں ۔ عمر نے کہا : جو کوئی کسی کی ہمسائیگی سے متنفر ہوتا ہے وہ اپنی سکونت تبدیل کرتا ہے سعد نے کہا ؛ میں تیری ہمسائیگی سے زیادہ خوشحال نہیں ہوں ، یہ کام کرکے میں دم لوں گا اور تم سے بہتر ہمسائے کے نزدیک جاؤں گا ۔

اس ملاقات کے بعد زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ سعد شام چلا گیا۔بلاذری نے اس قضیہ کے بارے میں یوں نقل کیا ہے[2] ''عمر نے ایک شخص کو شام بھیجا اور اسے حکم دیا کہ جس طرح ممکن ہو سکے سعد کو لالچ دلاؤشاید وہ بیعت کرلے اور اگر اس نے بیعت نہیں کی تو خدا سے مدد کی درخواست کرکے ۔اسے مأمور کے عنوان سے روانہ کرو اوراس شخص نے حوران کے مقام پر ایک باغ میں سعد سے ملاقات کی اور اسے عمر سے بیعت کرنے کی ترغیب دیدی ۔ سعد نے کہا : میں قریش کے کسی شخص کی ہرگز بیعت نہیں کروں گا ۔قاصد نے کہا ؛ اگر بیعت نہ کروگے تو میں تجھے قتل کر ڈالوں گا. سعد نے کہا : کیا میرے ساتھ جنگ کرنے کی صورت میں بھی ؟ اس نے کہا : کیا تم اس چیز سے دور رہنا چاہتے ہو جس پر ملت نے اتفاق کیا ہے ؟ !سعد نے جواب دیا : اگر تمہارا مقصود بیعت ہے

[1] الرياض النضرة ج ۱، ۱۶۸ اس سے قبل نقل کئے گئے مصادر کے ساتھ ۔
[2] العقد الفريد ،ج ۳، ۶۴ ، اور بلاذری نے اس عبارت کے قریب انساب الاشراف ،ج ۱، ۵۸۹ میں آیا ہے ۔

،تو جی ہاں،یہاں پر مأمور نے حکم کے مطابق سعد کی طرف ایک تیر پھینکا اور اسے قتل کر ڈالا، معودی کہتا ہے[۱] ''سعد بن عبادہ نے بیعت نہیں کی اور مدینہ سے شام چلا گیا اور ۱۵ھ کو وہیں پر قتل ہوا''ابن عبدربہ کی روایت میں آیا ہے '': سعد بن عبادہ پر ایک تیر مارا گیا اور تیر اس کے بدن پر لگ گیا اور اسی سے وہ مرگیا، اسکے مرنے کے بعد پریوں نے اس پر گریہ کرتے ہوئے اس کے سوگ میں شعر پڑھا: وقتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ و رمیناہ بسھمین فلم تخطئ فؤادہ[۲] ابن سعد نے طبقات میں اس کی موت کے بارے میں لکھا ہے[۳] سعد ایک خندق میں پیشاب کرنے کیلئے بیٹھا تھا کہ اس پر حملہ کیا گیا اور اسی حالت میں اس نے جان دیدی اس کے جسد کو اسی حالت میں پایا گیا ہے اس کے بدن کی کھال کا رنگ سبز ہوچکا تھا ''ابن اثیر نے اسد الغابہ میں لکھا ہے[۴]: سعد نے نہ تو ابو بکر کی بیعت کی اور نہ عمر کی، وہ شام چلا گیا اور شہر حوران میں سکونت اختیار کرلی، ۱۵ھ میں اس نے وفات پائی، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس کے گھر کے نزدیک سڑک کے کنارے اس حالت میں دیکھا گیا تو اسکے جسم کا رنگ سبز ہوچکا تھا، اس کی موت کے بارے میں کسی کو پتا نہ چلا جب تک ایک نامرئی شخص کی آواز کنویں میں سنی گئی اور لوگ اس سے آگاہ ہوئے[۵] عبد الفتاح نے کتاب الامام علی بن ابیطالب '' میں لکھا ہے: بعض احمق لوگ کہتے ہیں کہ سعد جنوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔

لیکن جو حقیقت حال سے آگاہ ہے یا گمان کیا جاتا ہے کہ آگاہ ہوگا، کہتا ہے: ''سعد کو خالد بن ولید اور اس کے ایک دوست، جو اس کا شریک کار تھا، نے رات کو گھات لگا کر اسے قتل کر ڈالا اور اس کے بدن کو ایک کنویں میں سر کے بل لٹکا کر رکھدیا، اس سے پوچھا گیا کہ جنوں کی جوآواز ہم نے سنی وہ کیا تھی؟ جواب دیا گیا وہ آواز خالد کے ہمکار کی تھی، اس نے اس لئے ایسا کیا تاکہ وہ لوگوں کو بتائیں اس پر یقین کریں اوراس بات کو دھرائیں[۶]۔ بلاذری نے روایت کی ہے کہ عمر نے خالد اور محمد بن مسلمہ کو مأمور کیا تا کہ

---

[۱] مروج الذہب، ج ۱، ۴۱۲ و ج ۲. ۱۹۴ ،
[۲] العقد الفرید ،ج ۳، ۶۴۔
[۳] طبقات ابن سعد، ج ۳، ق ۲، ۱۴۵ ، ابن قتیبہ نے المعارف ۱۱۳ پر ۔
[۴] معلوم ہوتا ہے سعد کی طرف پھینکا گیا تیر زہر آلود تھا۔
[۵] سعد کی تشریح اسد الغابہ اور استیعاب ج ۲ ۳۷ میں
[۶] الامام علی ابن ابیطالب ج ۱، ۷۳۔

سعد کو قتل کر ڈالیں اور انہوں نے اپنی مأموریت کو بجالا کر، دو تیروں سے سعد کو قتل کر ڈالا اور اس کی زندگی کا خاتمہ کیا ، اس روداد کو نقل کرنے کے بعد انصار میں سے ایک شخص کے درج ذیل دو شعر ذکر گئے ہیں جو سعد کے سوگ میں کہے گئے ہیں :

یقولون سعداً شقت الجن بطنہ

الا ربما حققت فعلک بالقدر

و ما ذنب سعد بعد ان بال قائماً

و لکن سعداً لم یبایع ابابکر

ترجمہ : کہتے ہیں کہ جنوں نے سعد کے شکم کو پھاڑ ڈالا آگاہ ہوجاؤ، بسااوقات لوگ اپنا کام دھوکے سے انجام دیتے ہین سعد کا گناہ یہ نہ تھا کہ اس نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا تھا بلکہ اس کا گناہ یہ تھاکہ اس نے ابوبکرکی بیعت نہیں کی تھی ۔ حقیقت میں اس طرح سعد کی زندگی کا خاتمہ کیا گیا ، لیکن یہ تاریخی حادثہ مؤرخین کیلئے ناپسند تھا ان میں سے ایک جماعت نے اس قضیہ کو ذکر ہی نہیں کیا ہے[1] اور ایک جماعت نے غیر واضح طور پر لکھا ہے کہ سعد بن عبادہ کو جنوں نے قتل کیا ہے[2] لیکن افسوس ہے کہ اس تاریخی راز کو ہمارے لئے واضح نہیں کیا گیا آخر سعد بن عبادہ کی جنوں کے ساتھ کونسی دشمنی اور عداوت تھی اور جنوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اصحاب میں سے صرف سعد کے دل کو اپنے تیروں کا نشانہ کیوں قرار دیا ؟ ہماری نظر میں اگر اس داستان میں یہ اضافہ کرتے کہ ''چونکہ سعد نے بیعت سے انکار کیا تھا اور سعد کا یہ عمل صالح جنوں کیلئے ناپسند تھا ، اس لئے انہوں نے اس کے قلب پر، دو تیر ما کر اسے ہلاک کردیا '' تو ان کی یہ جعلی داستاں بہتر اور مکمل تر ہوتی!!

---

[1] جیسے طبری ، ابن اثیر اور ابن کثیر نے اپنی تاریخوں میں۔

[2] جیسے ریاض الدین طبری نے ریاض النضرہ میں '' ابن عبد البر نے استیعاب میں اور مندرجہ ذیل مآخذ نے سعد کی بیعت سے انکار کو ذکرکیا ہے : ١۔ ابن سعد نے طبقات میں ، ٢۔ ابن قتیبہ نے الامامۃ و السیاسہ میں ،٣ ۔ ابن جریر نے اپنی تاریخ میں ، ۵۔ ابو بکر جوہری نے ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ کی روایت میں ، ۔ مسعودی نے مروج الذہب میں ، ٧۔ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں ،٨۔ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں ، ٩۔ابن اثیر نے اسد الغآبہ میں ،٩۔محب الدین طبری نے ریاض النضرہ میں ، ١٠۔ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں ،١١۔ تاریخ الخمیس ، ١٢، علی بن برہان الدین نیالسیرۃ الحلبیہ میں ، ١٣ ابو بکر جوہری نے السقیفہاور ١۴۔ بلاذری نے انساب الاشراف میں ۔

۱۲۔ عمر کا نظریہ اس سے قبل ہم نے ابو بکر سے عمر کی بیعت کی روداد بیان کی ہے، لیکن اس سلسلے میں انہوں نے اپنا عقیدہ اس طرح بیان کیا ہے ''؛ بے شک میرے کانوں تک یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک شخص نے کہا ہے کہ خدا کی قسم جب عمر بن خطاب مرجائے گا تو میں فلاں کی بیعت کروں گا، کوئی اس عمل کو صحیح قانونی تصور نہ کرے، کیونکہ ابو بکر کی بیعت ایک لغزش اور خطا تھی جو انجام پائی اور گزر گئی، حقیقت میں ایسا ہی تھا، لیکن خداوند عالم نے لوگوں کو اس خطا کے شر سے نجات دیدی[1]۔

۱۳۔ ابو سفیان :ابو سفیان بھی ان لوگوں میں سے ایک تھا جنہوں نے ابو بکر کی حکومت کی شدید مخالفت کی اور صراحت کے ساتھ اعتراض کیا اور اپنی مخالفت کو قول و فعل کے ذریعہ اعلان کیا اس روداد کی تفصیل اگلی فصل میں بیان ہوگی۔

حضرت ابوبکر کی حکومت کے خلاف ابو سفیان کی بغاوت

ولیس لھا الا أبا لحسن علیؑ '' ابو الحسن علیؑ کے علاوہ کوئی خلافت کا مستحق نہیں ہے ''ابو سفیان ابو سفیان کا نام صخر بن حرب بن امیۃ بن عبد الشمس بن عبد مناف تھا، اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اس وقت تک جنگ کی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مکہ کو فتح کر کے قریش کو واضح شکست دیدی، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے چچا عباس کی شفاعت پر ابو سفیان کو معاف کر کے اس کا احترام کیا اور اپنی وفات سے پہلے اسے کسی مأموریت پر بھیجا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے وقت ابو سفیان مدینہ میں موجود نہیں تھا[2] وہ سفر سے واپس آرہا تھا راستے میں مدینہ سے آنے والے ایک شخص سے ملاقات ہوگئی تو اس سے پوچھا : کیا محمدؐ نے وفات پائی ہے ؟

اس شخص نے جواب دیا : جی ہاں۔ اس نے پوچھا : ان کا جانشین کون بنا ؟اس نے کہا : ابو بکر ابو سفیان نے پوچھا : علی علیہ السلام و عباس، ان دو مظلوموں نے کیا رد عمل دکھایا ؟کہا : وہ خانہ نشین ہوگئے۔ابو سفیان نے کہا : خدا کی قسم !اگر میں ان کیلئے زندہ رہا تو

---

[1] طبری ، ابن اثیر اور ابن کثیر میں قصۂ سقیفہ ملاحظہ ہو۔

[2] استیعاب ج ۲، ۱۸۱ ، اصابہ ج۲، ۱۷۲ ، اور اس سفر سے واپس آنے کی تفصیلات کو العقد الفرید ج۳ ،۶۲ اور ابو بکر جوہری بہ روایت ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ۲،۱۳۰ سے نقل کیا ہے ۔

انھیں عروج تک پہنچادوں گا،اور کہا: معاشرے کے ماحول میں ایک گرد و غبار کو دیکھ رہا ہوں،کہ خون کی بارش کے علاوہ کوئی چیز اسے دور نہیں کرسکتی،اس لئے جب مدینہ میں داخل ہوا تو مدینہ کی گلیوں میں قدم بڑھاتے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

بنی ہاشم لا تطمعوا الناس فیکم

و لا سیّما تیم بن مرّۃ اوعدی

فما الامر إلا فیکم و الیکم

و لیس لھا إلا ابو حسن علیّ

ترجمہ '': اے ہاشم کی بیٹو! لالچ سے لوگوں پر حکومت کرنے کی راہ کو بند کرو، خاص کر دو قبیلوں تیم بن مرہ و عدی پر (تیم قبیلۂ ابو بکر اور عدی قبیلہ عمر تھا) یہ حکومت ہمارے ہاتھ سے نکل چکی ہے اور آخر کار تمہاری طرف لوٹنی چاہیے اور علیؑ کے علاوہ کوئی حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کا سزاوار نہیں ہے ۔یعقوبی نے ان دو اشعار کے علاوہ مندرجہ ذیل دو شعر کا بھی اضافہ کیا ہے:

ابا حسن فاشدد بھا کف حازم فانک بالامر الذی یرتجی ملی

و ان امرءاً یرمی قصی وراءہ عزیز الحمی و الناس من غالب قصیّ[1]

طبری کی روایت کے مطابق ابو سفیان آگے بڑھتے ہوئے کہتا تھا: خدا کی قسم! فضا میں ایک گرد و غبار کو دیکھ رہا ہوں کہ خون کے علاوہ کوئی چیز اسے زائل نہیں کرسکتی ۔ اے عبد مناف کے فرزندو! ابو بکر کا آپ کے ساتھ کیا واسطہ ہے ؟یہ دو مظلوم اور خوار

[1] تاریخ یعقوبی ج ۲، ۱۰۵ ، موفقیات میں روئیداد کو مصفل تر نقل کیا گیا ہے ، ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ ج ۶، ۷۔

ہوئے علیؑ اور عباس کہاں ہیں ؟ ! اس کے بعد کہا : اے ابو الحسن اپنے ہاتھ کو آگے بڑھاؤ تا کہ میں تیری بیعت کروں ، علیؑ نے پرہیز کیا اور اسے قبول نہیں کیا تو ابو سفیان نے درج ذیل عاجزان اشعار پڑھے

ان الھوان حمار الاھل یعرفہ

و الحُرّ ینکرہ و الرسلۃ الأُجُد

و لا یُقیمُ علی ضیم یراد بہ

الا الاذلّان عیر الحیّ و الوتد

ھذا علی الخسف معکوس برمتہ

و ذا یشج فلا یبکی لہ احداً[1]

ترجمہ: پالتو گدھا تن بہ خواری دیتا ہے نہ آزاد اور طاقتور !، پستی و خواری کے مقابلہ میں کوئی چیز طاقت و بردباری نہیں رکھتی ، بجز دو چیزوں کے کہ بالاخر دونوں چیزیں ننگ و عار ہیں ، ایک خیمہ کی میخ کہ ہمیشہ اسکے سر پر ہتھوڑا مارا جاتا ہے اور قبیلۂ کے اونٹ جو مسلسل عذاب میں ہوتے ہیں اور کوئی ان کی حالت پر رحم نہیں کھاتا ''.... اے آل عبد مناف'' ! کا نعرہ ان دنوں ابو سفیان کے امویوں کے زبان زد تھا اور معاشرے کی فضا اس نعرے سے گونج رہی تھی کہ تاریخ میں تغیر پیدا کریں لیکن ابو سفیان کی بیعت کو قبول کرنے سے علی علیہ السلام کے انکار نے اسے ناکام بنا دیا ۔ ابو سفیان کی یہ حمایت اور علی علیہ السلام کا انکار بہت تعجب آور ہے !!!!

---

[1] ابو بکر جوہری کی سقیفہ میں بیاں کی گئی روایت بھی تقریباً اسی معنی میں ہے ۔ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج۲، ۱۳۰ ، طبع مصر۔

ابو سفیان وہ شخص تھا جس نے حتی الامکان پوری طاقت کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مخالفت میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی اور مجبور ہوکر اسلام قبول کرنے تک مقابلہ اور جنگ سے پرہیز نہیں کیا ،آج کیا ہوا ہے کہ وہ اپنے دیرینہ دشمن اور چچا زاد بھائی کیلئے اس طرح کی قربانی دے رہا ہے ؟کیا ابو سفیان واقعی طور پر علی علیہ السلام کا یار و مدد گار تھا ؟یا یہ کہ اس کا مقصد اور غرض فتنہ و شورش ایجاد کرنا تھا ؟اس سے بھی دلچسپ تر علی علیہ السلام کا کام ہے، علی علیہ السلام جو چھ ماہ تک ابو بکر کی بیعت کرنے سے انکار کرتے رہے ،اور مہاجر و انصار کو اپنے گھر دعوت کرتے اور ان سے مدد طلب کرتے تھے حتیٰ اپنے اور اپنے گھر والوں کے جلدئے جانے کی دھمکی سے دوچار ہوئے آخر اس میں کیا راز تھا کہ قریش کے دو بزرگ ہستیوں عباس اور ابو سفیان کی طرف سے بیعت کرنے کی پیشکش کو ٹھکرادیا !!اور بیگانوں سے بیعت کی درخواست کی ؟!یہ انتہائی دلچسپ اور تعجب آور بات ہے!

لیکن یہ تعجب اور حیرت کا مقام اسی وقت دور ہوسکتا ہے جب ہم دونوں (علی اور ابوسفیان) کے مقاصد کی جانچ پڑتال کریں ۔ اولاً ، ابو سفیان ، رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور لوگوں میں آپ کی حیثیت کو صرف مادی اور دنیوی نگاہ سے دیکھتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ یہ جو سرداری رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ملی ہے یہ وہی سرداری ہے جسے آپ کے اسلاف نے ابو سفیان سے لے لی تھی ،اس بناپر ابوسفیان پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ اسی موروثی سرداری کے سبب جنگ کررہا تھا اور اس دوران جس چیز کو وہ حساب میں نہیں لاتا تھا ، وہ دین مقدس الٰہی تھا ۔ ابو سفیان رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دین کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کامیابی اور اپنی موروثی سرداری کو کھو جانے کا ایک اصلی اور بنیادی سبب جانتا تھا اسی وجہ سے جس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مکہ کو فتح کیا ،ابو سفیان ، جس نے تازہ اسلام قبول کیا تھا اسکی شان و شوکت اور اسلامی فوج کا جاہ و جلال دیکھ کر عباس سے مخاطب ہوکر کہا : '' اے ابو الفضل !خدا کی قسم تیرے بھتیجے نے آج ایک طاقتور بادشاھت کی باگ ڈور ہاتھ میں لے لی ہے '' عباس نے اسے جواب دیا : اے ابو سفیاں ! یہ جو دیکھتے ہو ، وہ نبوت ہے نہ کہ

بادشاھت،ابو سفیان نے کہا: ایسا ہی ہوگا[1] اس قسم کا شخص، جو اپنی قوم کا سردار تھا اور شکست کھا کر سرداری کو کھو بیٹھا تھا ،اور اب یہ سرداری اس کے چچیرے بھائیوں کو مل رہی تھی ، اس بات پر راضی نہ تھا کہ یہ سرداری اس کے چچیرے بھائیوں سے بھی چھین کر بیگانوں کو دیدی جائے۔اس مطلب کو سمجھنے کیلئے ہمیں قبل از اسلام جاہلیت میں قبیلوں کے درمیان مکمل طور پر حکم فرما خاندانی تعصبات کی اہمیت کو سمجھنا چاہیے،اس جاہلانہ تعصب کو جڑ سے اکھاڑنے کے بارے میں اسلام کی عظیم جدو جہد سو فیصد کامیاب نہیں ہوئی تھی، برادری اور دوستی کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے سلسلے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی کوششیں مکمل نتیجہ تک نہیں پہنچی تھیں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تمام تر تلاش و کوششوں کے باوجود بھی تعصب کی آگ کے شعلے کم و بیش وقفے کے بعد بھڑکتے تھے ۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی زندگی کے حالات کا مطالعہ اور تحقیق کرنے سے یہ مطلب مکمل طور پر واضح ہوجاتا ہے یہ تعصب عبد مناف کی اولاد میں تھا ۔ ۔ ۔جس کے ہاتھ میں قریش کی سرداری تھی ۔ ۔ ۔دوسروں سے کم تر نہ تھا۔

ابن ہشام نے عباس سے روایت کی ہے کہ فتح مکہ کی شب عباس پیغمبر اسلام کے خچر پر سوار ہوکر باہر آئے اور تجسس کرنے لگے تا کہ کسی کا سراغ لگائیں اور اس کے ذریعہ قریش کوپیغام بھیجیں کہ وہ جلدی ہی اسلام کے سپاہیوں کے حملہ سے دوچار ہوں گے،اس لئے مصلحت یہی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حضور آکر امان چاہیں، عباس نے راستے میں ابو سفیان کو دیکھا جو مکہ سے باہرآیا تھا تا کہ پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں کوئی خبر حاصل کرے ۔ عباس نے ابو سفیان سے کہا: اچھا ہوا کہ میں نے تجھے دیکھ لیا ،خدا کی قسم اگر اسلام کے سپاہی تجھے پاجائیں گے تو تیرا سر قلم کرے کردیں گے ... اس کے بعد ابوسفیان کو اپنے ساتھ خچر پر سوار کرکے رسول خداؐ کے حضور لے جانے کیلئے آگے بڑھا تا کہ اس کیلئے امان حاصل کرے ،اسلام کے سپاہیوں نے رات کے اندھیرے میں ٹولیوں کی صورت میں بیٹھ کر آگ جلا دی تھی تا کہ اس سے ایک تو قریش خوفزدہ ہوجائیں اور اس کے علاوہ اس آگ کی

[1] سیرہ ابن ہشام ج ۴، ۲۳

روشنی دشمن کے احتمالی خطرہ کو رفع کر سکے ۔ مسلمان، عباس کو ان کے پاس سے گزرتے دیکھ کر ایک دوسرے سے کہتے تھے، یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مرکب پر سوار ہوئے ہیں[1] عباس، عمر کے نزدیک سے گزرے،... جب عمر کی نظر ابوسفیان پر پڑی تو اس نے فریاد بلند کی: اے دشمن خدا! خدا کا شکر ہے جس نے تجھے بغیر اس کے کہ ہم تعرض کا کوئی عہد وپیمان تجھ سے باندھیں ہمارے جال میں پھنسا دیا اس کے بعد تیزی کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف روانہ ہوئے تاکہ آپ کو ابوسفیان کی گرفتاری کی خبر دیں اور ان سے قتل کرنے کی اجازت حاصل کریں ۔ عباس نے جب یہ حالت دیکھی تو خچر کو چابک لگا کے عمر سے آگے بڑھ گئے ۔

عباس کہتے ہیں: میں خچر سے جلدی نیچے اترا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حضور پہنچا، بلافاصلہ عمر بھی اسی دم آپہو بچے اور کہا: یا رسول اللہ! یہ ابوسفیان ہے کہ کسی قید و شرط کے بغیر پکڑا گیا ہے، اجازت دیجئے تاکہ اس کا سر قلم کروں، میں نے کہا: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں نے ابوسفیان کو پناہ دیدی ہے اور وہ میری پناہ میں ہے؛ لہذا میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا، چونکہ عمر اپنے کام میں اصرار کررہے تھے، اس لئے میں نے اس سے مخاطب ہوکر کہا؛ ا۔ پیغمبر اسلام کے چچا کی شخصیت اور ابوسفیان کا عباس کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مرکب پر سوار ہونا اسلام کے سپاہیوں کے نزدیک ابوسفیان کیلئے ایک قسم کا امان نامہ تھا ور ابوسفیان کی توہین میں رکاوٹ بنا تھا)خاموش ہوجاؤ اے عمر! خدا کی قسم اگر ابوسفیان قبیلۂ عدی بن کعب کا ایک فرد ہوتا[1] تو اس کے بارے میں تم اس قدر زبان درازی نہ کرتے، لیکن چونکہ جانتے ہو کہ وہ بنی عبد مناف[2] سے تعلق رکھتا ہے اس لئے یہ گستاخی کررہے ہو[3] اس زمانے کے لوگوں کے خاندانی تعصب کا اندازہ لگانے کیلئے یہی ایک مثال کافی ہے، بالکل واضح ہے کہ عباس اور عمر کو مشتعل کرنے کا تنہا سبب یہی خاندانی تعصب تھا اور کچھ نہیں، یہی سبب تھا

---

[1] عدی بن کعب عمر کا قبیلہ ہے ۔
[2] بنی امیہ اور بنی ہاشم دونوں خاندان عبد مناف سے تھے۔
[3] ابن ہشام ج ۴، ۲۱ سے خلاصہ کے طور پر نقل ہوا ہے ۔

جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ابو سفیان کو تحت تاثیر قرار دیا اور چلا کر کہتا رہا: اے آل عبد مناف! ابوبکر کو آپ کے کام (یعنی سرداری) سے کیا تعلق ہے[۱]؟!! اور بعض اوقات کہتا تھا: ہمیں ابو فصیل کے ساتھ کیا تعلق ہے[۲]؟! یہ کام (یعنی خلافت) عبد مناف کی اولاد سے متعلق ہے[۳] یہ مطلب کہ سرداری قبیلۂ عبد مناف سے متعلق ہے، اس روز خاندان قریش کے تمام افراد کیلئے واضح تھا ۔ لہذا مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ جب ابوبکر کے باپ ابو قحافہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی خبر سنی تو سوال کیا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حکومت کی باگ ڈور کو کس نے سنبھالا؟ خبر دینے والے نے کہا؛ تیرے بیٹے ابوبکر نے۔

اس نے سوال کیا؛ کیا عبد مناف کی اولاد اس کی حکمرانی پر راضی تھی؟ مخبر نے کہا: جی ہاں! ابو قحافہ نے کہا جو چیز خداوند متعال کسی کو عطا کرے، کوئی بھی چیز اس میں رکاوٹ نہیں بن سکتی[۴]

لہذا ابو سفیان، یعنی وہی شخص جو کل اپنے چچیرے بھائی، رسولؐ سے جنگ و مقابلہ کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتا تھا، علی علیہ السلام کے حق میں نعرے لگا کر کہتا تھا: خدا کی قسم اگر موت مجھے فرصت دیدے تو عباس و علیؑ کو عروج تک پہنچا دوں گا[۵] اس کی اس بات کا سرچشمہ خاندانی تعصب تھا اور خاندانی فخر و مباہات کے علاوہ ہرگز کوئی اور مقصد نہیں رکھتا تھا! معروف عربی ضرب المثل ہے: ''انا علیٰ اخی، وانا واخی علی بن عمی وانا واخی وبن عمی علی الغریب'' یعنی، میں اپنے بھائی سے دشمنی کرتا ہوں لیکن چچیرے بھائی کے خلاف اپنے بھائی کی حمایت کرتا ہوں اور اگر لڑنے والا اجنبی ہو تو اپنے بھائی اور چچیرے بھائی سے اتفاق و یکجہتی کر کے اجنبی کے خلاف لڑتا ہوں، کیونکہ اجنبی کے حملہ کے وقت تمام خاندان والوں کو متحد ہو کر دفاع کرنا چاہئے۔

---

[۱] طبری ج ۲، ۴۴۹۔

[۲] '' ابو فصیل '' ابو بکر کی طرف کنایہ ہے کہ عربی زبان میں بکر کا ایک معنی جوان اونٹ ہے اس کے دوسری معنی بھی ہیں ''فصیل'' اونٹ کے اس بچے یا بچھڑے کو کہتے ہیں جو ماں سے جدا ہوا ہو ابو سفیان نے اس مناسبت سے ابو بکر کو '' ابو فصیل'' کہا ہے۔

[۳] طبری ج ۲، ۴۴۹۔

[۴] انساب الاشراف بلاذری ج ۱، ۵۸۹، شرح نہج البلاغہ ج ۱، ۵۲ ، عبارت دوسرے مآخذ سے نقل کی گئی ہے ۔

[۵] العقد الفرید ج۳، ۶۰۔

اس لحاظ سے ضروری تھا کہ اس روز ابو سفیان اپنے چچا زاد بھائی علی علیہ السلام کے حق میں ابو بکر کے خلاف دفاع کرے، کیونکہ ابو سفیان اور علی علیہ السلام دونوں عبد مناف کی اولاد تھے، لیکن اس کے مقابلہ میں ابوبکر اجنبی تھا۔ اس لئے اس دن ابو سفیان نعرہ بلند کررہا تھا، یا آل عبد مناف!... حق تھا ابو سفیان کا یہ نعرہ تاریخ کے رخ کو بدل کے رکھدے، کیونکہ قریش کی سرداری ہمیشہ خاندان عبد مناف کے ہاتھوں میں رہی تھی، قبیلۂ عبد مناف کے دو خاندانوں (بنی ہاشم و بنی امیہ) کے درمیان سرداری پر ہمیشہ سے کشمکش ہونے کے باوجود، اس وقت ان کے خاندان کے ہاتھ سے سرداری اور افتخار کے چلے جانے کا خطرہ تھا، اس لئے عبد مناف کی اولاد سے منشعب تمام قبیلے ایک صف میں قرار پاتے تھے اگر ان قبیلوں کے بے شمار افراد اپنے چچیرے بھائیوں کے ہمراہ (جو قبائل قصی سے تھے) متحد ہوتے، تو ایک ایسی طاقتور پارٹی تشکیل پاتی اور ابو سفیان کو یہ کہنے کا حق تھا کہ: جس شخص کی حمایت قبیلۂ قصی (اس میں قبیلۂ عبد مناف ہے) کرتا ہو، وہ بے شک طاقتور اور کامیاب ہے۔

اور یہ شخص وہی علی ابن ابیطالب تھے، ابو بکر جیسے شخص کے مقابلہ میں جو قبیلۂ تیم بن مرۃ سے تعلق رکھتے تھے کہ جو کبھی مقابلہ نہیں کرسکتا تھا، کیونکہ جیساکہ ابو سفیان نے قبیلۂ تیم کو قریش کے ایک چھوٹے اور کمزور قبیلہ کے طور پر معرفی کرائی ہے نہ ان کی تعداد زیادہ تھی اور نہ ان میں قابل توجہ کوئی شخصیت تھی ویسا ہی قبیلہ عدی بھی تھا جس سے عمر تعلق رکھتے تھے۔ ان دو خاندانوں میں سے ایک بھی قریش کے شریف اور بزرگ قبیلۂ قصی سے نہیں تھا، قبیلۂ قصی سے عبد مناف تھے، یہی قبیلہ علی علیہ السلام کی طرفداری اور حمایت کرتا تھا نہ ابو بکر کی۔

اسی بنا پر ابوسفیان کی بغاوت خصوصاً بعض اوقات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس کا بھی اس کا ساتھ دینا اور اس کی حمایت کرنا، ایسی موثر کاروائی تھی کہ تمام سازشوں کو ناکام بنا کررکھدیتی اور اس زمانے میں مختلف گروہوں کے درمیان جنگ وپیکار کا سرچشمہ خاندانی تعصب تھا اور اس خاندانی تعصب سے اجتناب ممکن بھی نہیں تھا۔ اس زمانے کے تمام تاریخی حوادث تعصب کے محور

---

[1] قبیلۂ ہاشم ، نوفل ، مطلب و عبد شمس سے کہ صرف عبد شمس قبائل عبلات سے تھا اور ربیعہ ، عبد العزی ، جیبہ اور امیہ و .... بھی مختلف خاندانوں میں منشعب ہوا تھا انہیں میں ایک ابو سفیان کے باپ حرب کا گھرانہ ہے۔

کے گرد چکر لگاتے ہیں، صرف علیؑ اس طریقہ کار کے مخالف تھے اور اسی وجہ سے بہ ظاہر ناکام رہے۔ اصولی طور پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد خاندانی تعصب اپنے عروج پر پہنچا تھا، انصار کا سقیفہ میں جمع ہونا اور سعد کی بیعت کرنے کا اقدام صرف تعصب کی بنیاد پر تھا ورنہ وہ خود جانتے تھے کہ مہاجرین میں ایسے افراد موجود ہیں جو سعد سے بہت زیادہ فاضل تر اور پرہیزگار تھے، اسی طرح ان کی ابو بکر کے ساتھ بیعت کرنے میں خاندانی تعصب کے علاوہ اور کوئی بنیاد نہیں تھی وہ اس طرح چاہتے تھے کہ سرداری خاندان خزرج میں نہ چلی جائے، کیونکہ ان دو قبیلوں اوس و خزرج کے درمیان زمانہ جاہلیت میں مسلسل خونین جنگیں رونما ہوتی رہی تھیں۔

سقیفہ میں ابو بکر عمر کی تقریر سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ان کی پارٹی کے افراد کس حد تک خاندانی تعصب اور جذبات کے زیر اثر تھے اور کس حد تک ان جذبات اور خاندانی تعصب سے انہوں نے اپنی پارٹی کے مفاد میں فائدہ اٹھایا۔ ابو سفیان بھی انہی جذبات سے متأثر ہوا تھا اور علی علیہ السلام کے حق میں اس طاقت سے فائدہ اٹھانے میں اپنے مخالفوں کے مقابلہ میں کمزور نہیں تھا وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح تعصب کے پنجے میں پھنس گیا تھا صرف علی علیہ السلام کی ذات تھی جس کا طرز تفکر ان چیزوں سے الگ تھا کہ حکومت کی باگ ڈور کو تعصب کی طاقت سے حاصل کریں چونکہ آپ برسوں تک پیغمبر اسلام کے شانہ بہ شانہ خاندانی اور قومی تعصبات کو نابود کرنے کیلئے مسلسل جہاد کر چکے تھے۔

اگر علی علیہ السلام اپنے لئے حق حاکمیت کا مطالبہ کرتے تھے، تو وہ اسلئے تھا کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جس کی بنیاد قرآن اور دین کے حکم کے علاوہ کسی اور چیز پر نہ ہو، علی علیہ السلام چاہتے تھے، سلمان، ابوذر اور عمار جیسے صحابی ان کی حمایت کریں تاکہ ان کی حمایت میں عقیدۂ الٰہی کے سوا کوئی اور بنیاد اور سبب نہ ہو، نہ ابو سفیان جیسوں کی حمایت جس کی حمایت کا سبب دنیاوی امور اور خاندانی تعصب کے علاوہ کوئی اور چیز نہ تھی'' ہماری گفتگو کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر چہ ابو سفیان حضرت علی علیہ السلام کی نسبت اظہار تعصب کرنے میں دینی محرک نہیں رکھتا تھا. لیکن پھر بھی خاندانی تعصب کے اثر میں حقیقی معنوں میں علی علیہ السلام کا حامی تھا۔

لیکن تاریخ کے ظالم ہاتھوں نے جب دیکھا کہ ابو سفیان نے ابو بکر کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا تو اس انقلاب کی حیثیت کو داغدار کرنے کیلئے ،تاریخ کے صفحات میں لکھ دیا کہ ابو سفیان ایک مہم جو اور شورش برپا کرنے والا شخص تھا ور اس بغاوت سے اس کا مقصد صرف فتنہ برپا کرکے معاشرے کے امن و سلامتی کو درہم برہم کرنا تھا !اس کے علاوہ یہی تاریخی ظلم ان تمام افراد کے بارے میں روا رکھا گیا ہے جنھوں نے ابو بکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا ، انھیں بلوائی شورشی اور مرتد کہا گیا ہے اس تہمت کو ابوسفیان کے بارے میں حقیقت سے زیادہ قریب کیلئے اس روایت کو حضرت علی علیہ السلام کی زبانی جعل کیا گیا ہے کہ جب ابو سفیان نے علی علیہ السلام سے کہاکہ : ''کیوں یہ کام قبیلہ قریش کے کم تر اور سب سے چھوٹے خاندان کو سونپا جائے ؟

خدا کی قسم اگر اجازت دو تو مدینہ کو سواروں اورپیادہ سے بھردونگا ،تو علی علیہ السلام نے ابو سفیان کے جواب میں فرمایا : '' اے ابو سفیان !تم نے ایک طولانی عمر اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں گزاری ہے . لیکن دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے ہو، ہم نے اس کام کیلئے ابوبکر کو شائستہ اور لائق پایا ہے[1] ۔!!''اس روایت کی جانچ پڑتال میں بھی ہم اس روایت کی سند پر اعتراض کرتے ہیں ، کیوں کہ اس کا راوی دسیوں سال اس واقعہ کے بعدگذرا ہے ان روایتوں میں سے بعض کا راوی ابو عوانہ ہے کہ جو حدیث گڑھنے میں مشہور تھا اور اس کے بارے میں کہا گیا ہے: کان عثمانیاً یضع الاخبار[2]دوسری روایت کا راوی '' مرة '' ہے کہ اس کے بارے میں کہا گیا ہے : اس نے ابو بکر و عمر کو نہیں دیکھا ہے، تہذیب التہذیب ج ۱۰، ۸۹ ۔اس کے علاوہ متن روایت کے بارے میں بھی ہمارا اعتراض ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو معلوم نہیں ابو سفیان نے حضرت علی علیہ السلام کے جواب میں کیوں نہ کہا ؛ اگر ابو بکر اس مقام کیلئے سزاوار ہے تو کیوں خود اس کی بیعت نہیں کرتے ہو[3]؟علی، نے ہر گز نہیں فرمایا ہے کہ ''ہم نے اس کو اس کام کیلئے لائق پایا '' بلکہ آپ نے فرمایا ہے : اگر فولادی عزم والے چالیس آدمی ہماری نصرت کرتے تو ہم مقابلہ اور مبارزہ کرنے کیلئے

---

[1] طبری ج ۳، ۲۰۲۔

[2] ابو عوانہ کے حالات '' لسان المیزان '' ج ۴، ۳۸۴، الحضارة الاسلامیہ ادم متز ج ۱، ۸۳ ، ابو عوانہ ۵۸ ہ میں فوت ہوا ۔

[3] گزشتہ فصل کے عنوان '' ابو بکر کی بیعت کے بارے مں حضرت علی علیہ السلام کی پالیسی'' ملاحظہ ہو۔

اٹھ کھڑے ہوتے[1] اس بات میں ابو سفیان کی طرف کنایہ ہے کہ یعنی تم ویسے مرد نہیں ہو جیسا میں چاہتا ہوں ۔ حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ کو لکھے گئے اپنے ایک خط میں ابو سفیان کی حمایت کے بارے میں یوں ذکر فرمایا ہے: تیرا باپ ہمارے حق کو تجھ سے بہتر سمجھتا تھا ، اگر تم اسی قدر کہ تیرا باپ ہمارے حق کو جانتا تھا ، جانتے ، ، تو معلوم ہوتا کہ عقل و فکر کی پختگی کے مالک ہو[2] ابو سفیان جب حضرت علی علیہ السلام سے ناامید ہوا ، دوسری طرف سے حکام وقت بھی اسکی مخالفت سے ڈرتے تھے ، لہذا حضرت عمر ابوبکر کے پاس جاکر بولے: اس گھٹیا آدمی کے شر سے محفوظ نہیں رہا جاسکتا ، رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی ہمیشہ اس کی اس لئے دلجوئی فرماتے تھے ، جتنا بھی صدقہ اور بیت المال اس کے پاس ہے اسے بخش دو تاکہ خاموش رہے ۔

ابوبکر نے ایسا ہی کیا تو ابو سفیان نے راضی ہوکر ابو بکر کی بیعت کرلی[3] طبری کی روایت سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ ابو سفیان نے اس وقت تک ابو بکر کی بیعت نہیں کی جب تک اس نے اپنے بیٹے یزید بن ابو سفیان کو شام بھیجے جانے والے لشکر کی کمانڈری کا حکم حاصل نہیں کرلیا[4] اس سے پتا چلتا ہے کہ ابو سفیان حضرت علی علیہ السلام کی حمایت کرنے میں کس قدر دینی و الٰہی پہلوؤں کی رعایت کرتا تھا اور کس حد تک دنیوی اور مادی منافع کے پیچھے تھا!!

سقیفہ کی داستان کے بارے میں سیف کی روایتوں کی چھان بین تتابع المہاجروں علی بیعتہ من غیر ان یدعوھم مہاجرین کی جماعت کے افراد یکے بعد دیگرے ابوبکر کی بیعت کرتے تھے ، بغیر اس کے کہ ان سے کوئی بیعت کرنے کی دعوت کرتا سیف و ان جمیع بنی ھاشم و جمعاً من المہاجرین تخلفوا عن بیعۃ ابی بکر تمام بنی ہاشم اور مہاجرین کی ایک پارٹی نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا ۔

---

[1] گزشتہ فصل کے عنوان " ابو بکر بیعت کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کی پالیسی" ملاحظہ ہو۔ اس کے علاوہ معاویہ کاحضرت علی علیہ السلام کے نام خط ملاحظہ ہو ۔

[2] کتاب صفین نصر بن مزاہم ۴۹ ، العقد الفرید ج ۳، ۱۳ ، شرح ابن ابی الحدید ج ۲، ۲۲۱۔

[3] العقد الفرید ۳، ۶۲۔

[4] طبری ج ۲، ۴۴۹۔

مورخین کتاب کی فصلوں کے درمیان ربط: ہم نے اس کتاب کی پہلی فصل میں سپاہ اسامہ کے بارے میں سیف کی روایتوں کی بررسی کی، کتاب کی دوسری فصل سے سقیفہ کی داستان کو شروع کیا اور اس فصل میں سقیفہ کی داستان کے بارے میں سیف کی سات روایتیں نقل کیں ، بعد والی فصلوں میں ہم نے دوسرے مؤرخین کی روایتوں پر روشنی ڈالی ، اس فصل میں سیف کی سات روایتوں کو دوسرے تاریخ نویسوں کی روایتوں سے تطبیق اور موازنہ کیا اور اس تحقیق اور بررسی کے نتیجہ کا اعلان کرتے ہوئے کتاب کے اس حصہ کو اختتام تک پہنچایا ہے ۔ اس کے بعد کتاب کے دوسرے حصوں میں سیف کی دوسری روایتوں پر بحث کی ہے ۔

سیف کی روایتیں :سقیفہ کی داستان کے بارے میں سیف کی سات روایتوں کو اس کتاب کی پہلی فصل میں قارئین کرام نے مطالعہ فرمایا ؛ یہاں پر ہم یاددہانی کے طور پر ان کا خلاصہ پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد دوسرے تاریخ نویسوں کی روایتوں سے ان کا موازنہ اور تطبیق کرکے ان کی قدر وقیمت کا اندازہ لگائیں گے: اول: سیف نے قعقاع بن عمرو کے ساتھ انصار کی مخالفت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس نے کہا ؛ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کو درک کیا ہے، پس جب ہم نے ظہر کی نماز پڑھ لی، ایک شخص آیا اور مسجد میں کھڑے ہوکر مہاجرین کو خبر دی کہ انصار سعد کو منتخب کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں اور اس طرح چاہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کئے گئے عہد وپیمان کو توڑدیں، اس خبر نے مہاجرین کو وحشت میں ڈالدیا ۔

دوم : سیف نے ایک روایت میں، جسے اس نے سوال و جواب ک صورت میں پیش کیا ہے کہتا ہے : کسی ایک نے بھی ابو بکر کی بیعت سے مخالفت نہیں کی مگر ان لوگوں نے جو مرتد ہوگئے تھے اور دین اسلام سے منحرف ہوگئے تھے، یا تقریباً مرتد ہوگئے تھے تمام مہاجرین نے انھیں دعوت دے کر یکے بعد دیگرے بیعت کی ۔ سوم : مزید روایت کی ہے کہ حباب بن منذر نے تلوار کھینچ لی اور عمر نے اس کے ہاتھ پر ایسی چوٹ لگائی کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اس کے بعد انصار بیمار اور صاحب فراش سعد کے بدن پر سے چھلانگ لگا کر یکے بعد دیگرے بیعت کرتے رہے، اور انصار کی یہ مخالفت عصر جاہلیت کی لغزشوں کے مانند ایک خطا تھی، ابو بکر نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ۔

چہارم: اس نے روایت نقل کی ہے کہ سعد نے ابو بکر سے کہا: تم کو مہاجرین اور میری قوم (انصار) نے مجھے بیعت کرنے پر مجبور کیا۔ابو بکر نے جواب میں کہا: اگر ہم تجھے معاشرے کو چھوڑنے پر مجبور کرتے اور تم ہماری مرضی کے خلاف معاشرے سے جا ملتے تو کوئی بات تھی، لیکن ہم نے تجھے معاشرے سے ملنے پر مجبور کیا ہے، اب واپس لوٹ نہیں سکتے ہو، اگر نافرمانی کرو گے یا معاشرے میں تفرقہ اندازی کرو گے تو ہم تیرا سر قلم کردیں گے۔

پنجم: علی ابن ابیطالب کی بیعت کے بارے میں کہتا ہے: حضرت علی علیہ السلام گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ خبر دی گئی کہ ابو بکر بیعت لینے کیلئے بیٹھے ہیں، حضرت علی عبا و شلوار کے بغیر صرف ایک کرتا پہنے ہوئے حیران و پریشان حالت میں گھر سے باہر نکل آئے تاکہ ابو بکر کی بیعت کرنے میں تاخیر نہ ہوجائے، اور دوڑتے ہوئے ابو بکر کی بیعت کی اس کے بعد کسی کو بھیج دیا تاکہ ان کا لباس لائے۔

ششم: سیف نے نسبتاً طولانی دو خطبوں کو ابو بکر سے منسوب کیا ہے کہ لوگوں کی طرف سے بیعت کئے جانے کے بعد انہوں نے یہ خطبہ دیئے ہیں، اور سیف کہتا ہے کہ ابو بکر نے ان خطبوں میں موت، دنیا کے فانی ہونے اور قیامت کے بارے میں بیان کیا ہے۔

ہفتم: اور خالد بن سعید اموی کی، حضرت ابو بکر کی بیعت سے مخالفت کے بارے میں روایت کی ہے خالد بن سعید نے امن و آشتی صلح و صفا کے زمانے میں حریر کا لباس پہنے ہوئے تھے عمر نے حکم دیا کہ ان کے جسم سے اس لباس کو پھاڑ کر اتار دیا جائے یہی وجہ تھی کہ خالد نے حضرت علی سے کہا اے عبد مناف کے بیٹو! کیا تم لوگوں نے شکست کھائی ہے اور مغلوب ہوچکے ہو! حضرت علی علیہ السلام نے جواب میں کہا؛ کیا تم اسے جنگ جانتے ہو یا خلافت ؟!

عمر نے خالد سے کہا؛ خدا تیرے منہ کو توڑ دے تم نے ایک ایسی بات زبان پر جاری کی ہے جو جھوٹ بولنے والوں کیلئے ہمیشہ کیلئے سند کے طور پر باقی رہے گی......مذکورہ سات روایتوں کے اس مجموعہ سے مندرجہ ذیل خاص اور بنیادی نکات قابل تحقیق ہیں؛ ا۔ یہ کہ حضرت علی علیہ السلام نے پہلے ہی دن عجلت کے ساتھ ابو بکر کے پاس جاکر ان کی بیعت کی۔

۲۔ یہ کہ سعد بن عبادۂ انصاری نے پہلے ہی دن بیعت کی ۔

۳۔ یہ کہ ابوبکر کی خلافت، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایک عہد وپیمان تھا ۔

۴۔ یہ کہ حباب بن منذر انصاری نے سقفیہ میں تلوار کھینچی ہے

۵۔ یہ کہ ابوبکر نے بیعت کے بعد دو طولانی خطبے جاری کئے ہیں ۔

٦۔ یہ کہ سقیفہ میں رونما ہونے والی روداد کے بارے میں خالد بن سعید قبیلوں کے درمیان مقابلہ اور مبارزہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس تعبیر پر علی اور عمر کی طرف سے مورد اعتراض قرار پاتے ہیں ۔

۷۔ یہ کہ مرتدوں کے علاوہ کسی ایک نے بھی ابوبکر کی بیعت سے انکار و مخالفت نہیں کی ۔اب ہم بحث کے اس حصہ میں مذکورہ نکات کی بالترتیب چھان بین کرتے ہیں ۔

تطبیق اور بررسی: جب ہم سیف کی روایتوں کو صحیح اور متواتر روایتوں، جن میں سے بعض کو ہم نے اس سے قبل والی روایتوں کے پہلو میں قرار دیکر ان میں موازنہ کرتے ہیں تو واضح ہوجاتا ہے کہ سیف خلاف واقع حدیث جعل کرنے میں حد درجہ حریص اور لالچی تھا ۔اول : سیف اپنی روایتوں میں اصحاب اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں خاص کر بنی ہاشم اور مہاجرین کے امیدوار حضرت علی علیہ السلام اور انصار کے نمائندہ سعد کا نام لیتاہے اور صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ ان دو افراد نے پہلے ہی دن ابوبکر کی بیعت کی، جبکہ دوسرے مؤرخین کی روایتوں (جن کو ہم نے گزشتہ فصلوں میں نقل کیا ہے) سے واضح اور مکمل طور پر پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کھلم کھلا اپنے لئے خلافت کا مطالبہ کرتے تھے اور بنی ہاشم کے تمام افراد اور مہاجرین کے بھی کچھ لوگوں نے ان کے حق میں ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکارکیا ،اور یہ سب حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کرنا چاہتے تھے، کہا گیا ہے کہ جب تک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام زندہ تھیں ، حضرت یعلی علیہ السلام اور بنی

ہاشم میں سے کسی ایک نے بھی ابو بکر کی بیعت نہیں کی! لیکن سیف کہتا ہے '' : حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے ہی دن عجلت کے ساتھ بلکہ اسی لمحہ میں ابو بکر کی بیعت کی!' جبکہ حضرت علی علیہ السلام اس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز وتکفین میں مشغول تھے اور بنی ہاشم کے دیگر افراد ایک لمحہ کیلئے بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ سے جدا نہیں ہوئے اور دوسروں کی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز وتکفین سے محروم نہیں رہے ۔ لیکن سیف کہتا ہے : '' علی جلد بازی کی شدت کی وجہ سے عبا و شلوار کے بغیر دوڑتے ہوئے گھر سے باہر آئے اور ابو بکر کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر ان کی بیعت کی اور اس کے بعد ان کے پاس بیٹھے '' اگر سیف کا یہ کہنا صحیح ہے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ کا کیا حال ہوا ؟! تجہیز وتکفین کے کام کو کس نے انجام دیا ؟! سیف یہ کہنا بھول گیا ہے...

دوم : سعد نے عمر کی خلافت تک بیعت نہیں کی اور اپنے گھر اور گھر والوں سے دور شام کی سرزمین میں دو ،پریوں نے تیر مار کر اسے ہلاک کیا ، اس کی جلاوطنی اور عالم تنہائی میں قتل ہونے کی علت صرف اور صرف سند جرم اس کا بیعت سے انکار کرنا تھا ۔

سوم : اس نے قعقاع بن عمرو سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا ؛ میں رسول اللہ کی رحلت کے دن مسجد میں تھا ، نماز کے بعد ایک شخص آیا او رمہاجرین کو خبر دی کہ انصار جمع ہوئے ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد و پیمان کے خلاف سعد کی بیعت کرنا چاہتے ہیں ! جیسا کہ پہلے اشارہ ہوا کہ سیف روایت جعل کرنے میں خاص تجربہ اورمہارت رکھتا تھا ، مثلاً اس روایت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک عہد وپیمان کا نام لیا ہے اور لشکر اسامہ کی روایت کو نقل کرتا ہے تا کہ اس عہد وپیمان سے مربوط شخص معلوم ہوجائے ، جہاں پر کہتا ہے : جوں ہی اسامہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی خبر ملی ، اپنا سفر موقوف کرکے عمر کو خلیفہ رسول خدا ابو بکر کے پاس بھیجا... ان دو روایتوں کو پڑھنے والا پہلی روایت سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ خلافت کے بارے میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی عہد وپیمان تھا اور انصار اس کی خلاف ورزی کرنا چاہتے تھے دوسری روایت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ عہد وپیمان ابو بکر کے بارے میں تھا سیف کہتا ہے جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی رحلت کی خبر اسامہ کو ملی تو وہ اس جگہ رک گیا اور عمر کو رسول خداؐ کے پاس بھیجا ۔ایک دوسری روایت میں وہ خود بھی اس نظریہ کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہے : تمام مہاجرین نے بغیر اسکے کہ کوئی انھیں دعوت دے یکے بعد دیگرے بیعت کی، لیکن ہم تحقیق اور بررسی کے بعد دیکھتے ہیں کہ اس روایت کا راوی قعقاع بن عمرو در حقیقت خارج میں وجود ہی نہیں رکھتا ہے اور سیف کے افسانوں کا جعلی ہیرو ہے، ہم نے اس مطلب کو اپنی کتاب ''ایک سو پچاس جعلی اصحاب'' میں واضح طور پر بیان کیا ہے ۔

چہارم: سیف کہتا ہے کہ حباب بن منذر انصاری نے سعد بن عبادہ کی بیعت کیلئے تلوار کھینچ لی، جبکہ حقیقت میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی زبیر بن عوام نے علی کے حق میں بیعت لینے کیلئے تلوار کھینچ لی تھی، لیکن چونکہ زبیر اور علیؑ مہاجروں میں سے تھے اسلئے سیف کہنا چاہتا تھا کہ مہاجرین میں سے کسی ایک نے بھی ابوبکر کی مخالفت نہیں کی صرف انصار تھے جنھوں نے مخالفت کی، لہذا اس نے زبیر کے کام کو حباب سے منسوب کیا ہے !اور یہ کہ اسکا کام بھی سعد انصاری کی حمایت میں تھا نہ حضرت علی قریشی کی حمایت میں ۔

پنجم : عمر نے ابوبکر سے بیعت کے بارے میں کہا تھا : ابوبکر سے بیعت کرنا زمانۂ جاہلیت کی لغزشوں جیسی ایک لغزش اور خطا تھی[1] سیف نے عمر کے بیان پر پردہ پوشی کرنے کیلئے ابوبکر کی بیعت سے انصار کی مخالفت کو ''فلتۃ'' یا لغزش سے تعبیر کیا ہے تھاکہ پڑھنے والا خیال کرے کہ عمر کی مراد ''فلتۃ'' سے وہی لغزش تھی!!

ششم : سیف نے نسبتاً طولانی دو خطبوں کو ابوبکر سے منسوب کیاہے کہ لوگوں کی بیعت کرنے کے بعد ابوبکر نے ان دو خطبوں کو جاری کیا ہے، اگر ان دو خطبوں پر دقت اور جانچ پڑتال کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سیف کی یہ روایت بھی اس کی دیگر روایتوں کے مانند جعلی ہے کیونکہ اس کے باوجود کہ ان دو خطبوں کا مواد اغلب موعظہ او رموت، دنیا کے فانی ہونے اور آخرت کے عذاب کی یاد دہانی پر مبنی ہے، خلفاء ثلاثہ کے خطبوں کی یہ روش نہیں ہوتی تھی یہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی ابن ابیطالب سے مخصوص روش

[1] انها كانت فلتۃ كفلتات الجاهليۃ ۔

تھی ،اور علی کے بعد مسلمانوں میں یہ معمول رہا ہے ، سیف کے لکھے گئے اشعار و رزم نامہ نسبتاً فصیح اور دلچسپ ہوا کرتے ہیں ، البتہ اس کے بر عکس یہ دو خطبے انتہائی بے مزہ اور سست انشاء پر مشتمل ہیں ،گویا سیف وعظ و نصیحت اور ثواب و عقاب کے بارے میں عقائد سے لئے گئے الہام کے تحت مناسب مہارت نہیں رکھتا تھا ، اس کی جھوٹ گڑھنے والی زبان اس حصہ کو بخوبی جعل کرنے میں ناکام رہی ہے اس کے علاوہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ابو بکر کے زمانے میں بنیادی طور پر طولانی خطبوں کا رواج نہیں تھا اور غالباً خطبے چھوٹے اور قابل سماعت ہوتے تھے ، طولانی خطبوں کا رواج عمر کے زمانے سے شروع ہوا ہے علی کی خلافت کے دوران اپنے عروج کو پہنچا ۔

اس کے علاوہ حکومت کے عہدہ دار عام طور پر اپنے پہلے خطبہ میں اپنی حکومت کے پروگرام اور منصوبوں کا اعلان کرتے ہیں ، یہ نکتہ ابو بکر کے حقیقی اور مختصر خطبوں میں مکمل طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے جن کے بارے میں دوسرے مؤرخین نے روایت کی ہے ،ان تمام چیزوں کو نظر انداز کرتے ہوئے جو بات زیادہ دلچسپ اور قابل توجہ ہے وہ سیف کا وہ جملہ ہے کہ جسے اس نے ان دو خطبوں میں ابو بکر سے منسوب کیا ہے کہ ابو بکر نے کہا :الا وان لی شیطاناً یعترینی فاذا اتانی فاجتنبونی و لا اوثر فی اشعارکم و ابشارکم[1] معلوم نہیں اس جملہ کو ابو بکر سے منسوب کرنے میں اس کا کیا مقصد تھا ؟کیا اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ اس زمانے کے لوگ ابو بکر سے بھی وعظ و نصیحت اور ترک دنیا کے موضوع پر پیغمبرؐ اور علی بن ابیطالبؑ کے جیسے خطبے سننا پسند کرتے ہیں ؟اگر ایسا تھا ،تو، وہ کیوں متوجہ نہیں ہوا کہ چارو ناچار ابو بکر کے اس بیان کی شدید ملامت و مذمت کی ہے !اور اس صورت میں خلیفہ مسلمین کا اعتراف ہرگز مناسب نہیں ہے،اور خلیفہ پر شیطان کا غلبہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کا ان سے پرہیز کرنا ، صحیح معنی و مفہوم نہیں رکھتا ، یہ جملہ بھی خلیفہ کے توسط لشکر اسامہ[2] کو الوداع کرتے وقت پڑھی گئی دعا کے مانند مسلمانوں میں خلیفہ کیلئے بدگمانی اور نفرت پیدا ہونے کا سبب بن سکتا ہے ۔

---

[1] اس جملہ کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔
[2] فضل " لشکر اسامہ " ملاحظہ ہو

حقیقت یہ ہے کہ سیف اس سے زیادہ چالاک تھا کہ ان جوانب کی طرف متوجہ نہ ہوتا بلکہ ہمارے عقیدہ کے مطابق سیف نے اپنے الحاد اور اسلام سے دشمنی کے باعث (جیسا کہ علمائے رجال نے بھی اسے زندیق کہا ہے[۱]) چاہا ہے کہ کچھ مضحکہ خیز اوھام اور کام کو تاریخ اسلام میں داخل کرے تا کہ اس طرح اسلام کی با عظمت عمارت کو متزلزل کرکے رکھدے آئندہ بحثوں میں نقل کی جانے والی روایتوں پر دقت کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوجائے گی ۔

ہفتم : سیف خالد بن سعید اموی کی ابو بکر کی بیعت سے مخالفت کے بارے میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے محافظ صخر سے نقل کی گئی روایتوں میں کہتا ہے: خالد جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کے وقت یمن میں تھا ، پیغمبرؐ کی وفات کے ایک ماہ بعد مدینہ آیا جبکہ وہ ریشمی لباس زیب تن کئے ہوئے تھا اور عمر کے حکم سے اس کے لباس کو پھاڑ ڈالا گیا چونکہ جنگ کی حالت کے علاوہ مردوں کیلئے ریشمی لباس پہننا جائز نہیں ہے ۔روایت کے اس حصہ سے سیف کا مقصد بیعت ابو بکر سے خالد کی مخالفت کو انتقامی رنگ دینا ہے تا کہ اسے اس توہین آمیز واقعہ کے ذریعہ مستند بنادے ،اس کے بعد کہتا ہے خالد نے حضرت علی سے کہا ؛ اے ابو الحسن !افسوس ہے عبد مناف کی اولاد پر !آپ لوگوں نے مقابلہ میں شکست کھائی ہے !یعنی کس طرح قبیلۂ تیم، قبیلۂ عبد مناف کے مقابلہ میں کامیاب ہوگیا ؟!

حضرت علی علیہ السلام نے جواب دیا : یہ قبیلوں کی جنگ نہیں تھی ،بلکہ امر خلافت ہے اور خلافت کا موضوع خاندانی مقابلہ اور تعصب سے جدا ہے !لیکن خالد نے تکرار کرتے ہوئے دوبارہ کہا : اے عبد مناف کی اولاد !خلافت کیلئے آپ لوگوں سے سزاوار تر کوئی نہیں ہے '' اور اس طرح دوبارہ مقصد کو خاندانی مقابلہ کے طورپر پیش کیا ۔یہاں پر عمر نے خالد سے کہا ؛ خدا تیرے منہ کو توڑدے تم نے ایک ایسی بات کہی جو جھوٹ بولنے والوں کیلئے ہمیشہ سند کے طور پر باقی رہے گی....جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے کہا ہے کہ سقیفہ کی فعالیتوں کی بنیاد خاندانی تعصب پر تھی لیکن سیف اس روایت کے آخری حصہ کو جعل کرکے کہنا چاہتا ہے کہ یہ صرف

[۱] فصل " سیف کتب رجال میں " ملاحظہ ہو

خالد تھا جو ایسا سوچتا تھا ورنہ مہاجرین و انصار کا دامن ان چیزوں سے پاک و پاکیزہ تھا کہ خلافت کے موضوع پر خاندانی تعصب دکھائیں، لہذا حضرت علی علیہ السلام نے اس روایت میں خالد کی بات پر اعتراض کیا اور عمر بھی برہم ہوئے اور خالد کو برا بھلا کہا، اس طرح سیف چاہتا ہے ابو بکر کی بیعت کے بعد خاندانی تعصب کی بنا پر کہے گئے تمام مطالب کو (جو تاریخ میں ثبت ہوئے ہیں) عمر سے منسوب کی گئی پیشن گوئی کے ذریعہ ختم کردے۔

اس سے اہم تر یہ کہ سیف یہ دکھانا چاہتا تھا کہ بنیادی طور پر اس امر میں حضرت علی علیہ السلام ابوبکر اور عمر کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہیں تھا ،تاکہ اگر کسی اختلاف کے بارے میں گفتگو ہوتی تو لوگ سمجھتے کہ اس کی بنیاد خالد کی بات تھی اور عمر نے اس کی پیشین گوئی کی تھی اور خبر دیدی تھی کہ یہ بات مستقبل میں جھوٹ بولنے والوں کیلئے ایک سند بن جائے گی، لہذا جو بھی ان کے درمیان اختلاف کی بات کرے گا وہ جھوٹا ہوگا (توجہ کیجئے)ساتھ میں یہ بات بھی ہم فراموش نہ کریں کہ سیف نے اس روایت کو پیغمبر کے محافظ صخر سے نقل کیا ہے جبکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس نام کا کوئی محافظ نہیں تھا اور مذکورہ محافظ جعلی اصحاب میں سے ایک ہے۔

ہشتم : سب سے اہم جملہ جو سیف کی جعلی روایتوں میں پایا جاتا ہے، یہ ہے کہ وہ کہتا ہے ؛ کسی نے بھی ابو بکر کی بیعت سے انکار نہیں کیا ،مگر یہ کہ مرتد ہوگیا ہو یعنی دین اسلام سے خارج ہوگیا ہو ، یا مرتد کے قریب پہونچ گیا ہو!سیف نے اس روایت کو گڑھ کر ابو بکر کی بیعت نہ کرنے والے مؤمنوں اور مسلمانوں کے ناموں کو تاریخ کے صفحات سے پاک کرنا چاہا ہے لہذا انھیں مرتد اور بے دین بتایا گیاہے تا کہ اس عمل سے یہ ظاہر ہو کہ اگر کوئی مطالعہ کرنے والا تاریخ کے متون میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صحابیوں کے ایک گروہ کو دیکھئے کہ انھوں نے ابو بکر کی بیعت سے مخالفت کی ہے، تو فوراً اس جملہ کے استناد پر انھیں حکم کفر و ارتداد دیکر مرتدوں کی فہرست میں قرار دے!اب دیکھنا چاہئے کہ جو شخصیتیں سیف کے ارتدادی تہمت کے زمرہ میں آئی ہیں کون ہیں اور کیا

سیف کی تہمت کا عنوان ان پر صادق آتا ہے ؟!ابو بکر کی بیعت سے اختلاف کرنیوالے اشخاص حسب ذیل ہیں: ا۔ علی بن ابیطالب علیہ السلام

٢۔ رسول اللہ کی بیٹی فاطمۂ زہراء سلام اللہ علیہا

٣۔ زبیر بن عوام، پیغمبرؐ کے پھوپھی زاد بھائی ۔

۴۔ عباس، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ۔

۵۔ سعد وقاص، فاتح عراق

٦۔ طلحہ بن عبید اللہ

٧۔ مقداد بن اسود ۔

٨۔ ابوذر غفاری ۔

٩۔ سلمان فارسی

١٠۔ عمار یاسر

١١۔ براء بن عازب انصاری

١٢۔ ابی بن کعب انصاری

١٣۔ فضل بن عباس، پیغمبر کے چچیرے بھائی

۱۴۔ ابو سفیان بن حرب اموی ۔

۱۵۔ خالد بن سعید اموی ۔

۱۶۔ ابان بن سعید اموی ۔ ۱۷۔ سعد بن عبادہ انصاری

۱۸۔ مالک بن نویرہ: یہ اٹھارہ شخصیتیں وہ ہیں، جنہوں نے تاریخ کے مطابق ابو بکر کی بیعت سے مخالفت کی، ان کے علاوہ بنی ہاشم کے تمام افراد کے بارے میں بھی مؤرخین نے صراحت سے کہا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ زہراءؑ کی زندگی میں انہوں نے ابو بکر کی بیعت نہیں کی ۔ کیا اسلام کی ایسی شخصیتوں کو سیف کے کہنے کے مطابق (نعوذ باللہ) مرتد کہا جاسکتا ہے ؟! اصحاب رسولؐ میں سے یہ افراد سب کے سب مدینہ میں موجود تھے، لیکن مدینہ سے باہر رہنے والے جن افراد نے ابو بکر کی بیعت سے مخالفت کی، ان میں سے بعض افراد ابو بکر کی مخالفت کی راہ میں قتل کئے گئے، جیسے: مالک بن نویرہ و غیرہ جن کو سیف نے صراحتاً مرتد قرار دیا ہے اور ان کے ساتھ ابو بکر کی جنگ کو مرتدوں سے جنگ کا نام دیا ہے اور ان جنگوں کو بھی حقیقت کے برعکس دکھایا ہے، انشاء اللہ ہم خدا کے مدد سے آنے والی جلد میں ان میں سے بعض کی تحقیق کریں گے ۔

آغاز کی طرف بازگشت:آخر میں ہم ابتدائی بات کی طرف لوٹتے ہیں، ہماری نظر میں ان صفحات کی گنجائش کے مطابق سیف کی حقیقت واضح ہوگئی ہم نے دیکھا کہ سیف نے کس طرح تاریخ اسلام کو اپنے خائن ہاتھوں کا کھلونا بنایا ہے اور اپنے مضحکہ خیز افسانوں کو مسلمانوں، غیر مسلمانوں اور مستشرقین میں رائج کردیا ہے او راس کے افسانوں کے سورما حضرات، اصحاب اور اسلام کی شخصیات کے طور پر معرفی ہوئے ہیں ۔ کیا ابھی بھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ہم خود غرضوں کو چھوڑ کر ، اسلام کے دامن کو جھوٹ اور حقیقت سے عاری روایتوں کو پاک کریں اور بحث و تحقیق کے ذریعہ پیغمبرؐ اسلام، آپ کے خاندان اور اصحاب کی زندگی کو حقیقت کے روپ میں پیش کریں، اور نتیجہ کے طور پر حقیقی اسلام کو موجودہ اور آئندہ نسل کیلئے متعارف کرائیں؟

یا ہمارا مزاج ان مضحکہ خیز افسانوں کا عادی بن گیا ہے کہ اسلام کے دفاع کے نام پر ان افسانوں اور افسانہ سازوں کا دفاع کرکے اسلامی حقائق کو منتشر کرنے کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ایجاد کرتے ہیں؟

تیسرا حصہ

سیف کی روایتوں میں ارتداد اور مرتد

اسلام میں ارتداد: فتکشف ما فی الصدور و تجلّت النفس العربیۃ پیغمبر اسلام کی رحلت کے بعد بعض لوگوں کے اندرونی عقدے کھل گئے نیز ان کی عربی خو، بو کی فطرت اور خاندانی تعصب آشکار ہوئے۔

تاریخ سیاسی اسلام ارتداد کے معنی عربی لغت میں ارتداد ''بازگشت'' کے معنی میں ہے، قرآن مجید میں آیۂ (فلّما إن جاء البشیر القیہ علی وجھہ فارتدّ بصیراً[1]) بھی اس معنی میں آئی ہے اور کلمہ ''رد'' بھی قرآن کریم میں ''دین سے منہ پھیرنے'' اور مسلمانوں کی اسلام سے روگردانی کے معنی میں آیا ہے، چنانچہ اس آیت میں آیا ہے: (یا ایّھا الذّین آمنوا اِن تُطیعوا فریقاً من الذّین أوتوا الکِتاب یَرُدّوکُم بعد إیمانکم کافرین[2]) اور ارتداد'' یعنی دین سے منہ موڑ لیا، چنانچہ آیۂ کریمہ (یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یأتی اللہ بقوم یّحبّھم و یحبّونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین[3] میں اور آیت (ولایزالون یقاتلونکم حتی یردّوکم عن دینکم ان استطاعوا و من یَرتَدِد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر اولئک حبطت اعمالھم[4]....) میں. لیکن ارتداد کا استعمال اسلام میں بازگشت کے معنی میں اس قدر مشہور ہوا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور معنی ذہن میں نہیں آتا۔

پیغمبر کے زمانے میں مرتد

بعض مسلمان، پیغمبر کے زمانے ہی میں مرتد ہوگئے، جیسے: عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح، اس نے اسلام قبول کر کے مدینہ ہجرت کی اور پیغمبر اسلام کا کاتب بن گیا، اور اس کے بعد مرتد ہوگیا اور قریش کی طرف مکہ لوٹا وہ قریش سے کہتا تھا کہ میں وحی لکھنے والوں میں سے

---

[1] یوسف، ٩٧۔
[2] آل عمران، ٩٩۔
[3] المائدہ، ٥٤
[4] البقرہ، ٢١٧

ایک تھا اور محمد کو جس طرف چاہتا موڑ دیتا تھا، وہ مجھ سے کہتے تھے کہ ''عزیز حکیم''، لکھو، میں کہتا تھا یا علیم حکیم؟! وہ فرماتے تھے : جی ہاں، دونوں مناسب ہیں ۔ جب فتح مکہ کا دن آیا تو رسول اللہ نے عبد اللہ کو قتل کرنا حلال کردیا اور حکم فرمایا جو کوئی عبد اللہ کو جس حالت میں بھی پائے، حتی وہ کعبہ کے پردے کا دامن بھی پکڑے ہو تو بھی اسے قتل کرڈالے عبد اللہ نے اپنے رضاعی بھائی عثمان کے پاس پناہ لی، عثمان نے اسے اپنے گھر میں چھپائے رکھا، اور اسکے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حضور لاکر امان حاصل کی/دیگر مرتدین میں ایک عبدا للہ جحش ہے جو پہلے ام حبیبہ کا شوہر تھا اور اپنی بیوی سمیت اسلام قبول کیا عبداللہ نے حبشہ میں دین مسیحیت اختیار کیا اور اسی حالت میں انتقال کرگیا اور ایک مرتد عبد اللہ بن خطل تھا وہ اس حالت میں قتل کیا گیا کہ کعبہ کا پردہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا' یہ تھے پیغمبر کے زمانے میں ارتداد کا معنی، یہ وہ لوگ تھے کہ اسلام کی نظر میں مرتد ہوچکے تھے اب دیکھنا یہ ہے کہ ابوبکر کے زمانے میں ارتداد کے کیا معنی تھے اور وہ کن لوگوں کو مرتد جانتے تھے ۔

ابوبکر کے زمانے میں ارتداد

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کی دلسوز خبر جنگل کی آگ کے مانند تمام جزیرۂ عرب میں پھیل گئی، اس زمانے میں جزیرہ میں ساکن عرب دو حصوں میں تقسیم ہوتے تھے: وہ لوگ جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا انھوں نے، رسول اللہ کی رحلت کے بعد زیادہ قوت اور قدرت حاصل کی اور کھلم کھلا مبارزہ او رمقابلہ کرنے پر اتر آئے ۔[1] ۔ عثمان نے عبد اللہ کو ۲۵ھ میں مصر کا حاکم مقرر کیا اور وہ ۳۴ھ تک اس منصب پر قائم رہا اور ۳۴ھ میں سائب بن ہشام عامری کو اپنا جانشین مقرر کرکے عثمان کی ملاقات کیلئے مصر سے روانہ ہوا اس موقع پر محمد بن ابی حذیفہ نے اس کے خلاف بغاوت کی اور سائب کو اقتدار سے برطرف کیا او خود حکومت کی باگ ڈور سنبھالی ۔ عبد اللہ بن سعد جب واپس آیا تو محمد بن ابی حذیفہ نے اس سے مصر میں داخل ہونے سے روکا پھر وہ نواحی شام میں واقع عسقلان گیا اور وہیں سکونت اختیار کی یہاں تک کہ ۳۶ھ میں عثمان قتل کئے گئے اور وہ تا ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں

[1] وہ جنہوں نے اسلام قبول کیاتھا ۔

[2] الاصابہ، ج ۲ص ۳۰۹،۳۱۰ ۔

وہیں پر وفات پاگیا لیکن تمام مسلمان، انتظار کی حالت میں مدینہ کی طرف چشم براہ تھے اور ہر راہی سے تازہ خبر پوچھتے تھے کہ اسی اثنا میں خبر آئی کہ اسلام کے دار الخلافہ مدینہ میں رسول اللہؐ کی رحلت اور فقدان کی وجہ سے ہلچل مچ گئی ہے، ابو بکر کی بیعت کی خبر مسلسل انھیں پہنچ رہی تھی اور فطری طور پر اس دن کے حوادث کا دامن اس سے وسیع تر تھا جو آج صدیاں گزرنے کے بعد ہم تک پہنچا ہے۔ خبر پہنچی کہ اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیعت کے مسئلہ پر ہاتھاپائی کرکے ایک دوسرے کی جان لینے کے پیچھے پڑے ہیں؟ اور دوسری طرف سے سنتے تھے کہ بنی ہاشم (خاندان پیغمبرؐ) متفقہ طور پر بیعت کرنے سے انکار کرتے ہیں! اور قبیلۂ خزرج کے سردار سعد نے بھی بیعت کرنے سے انکار کیا ہے اور ... اس قسم کی گوناگوں خبروں کے پھیلنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض مسلمان قبائل نے فیصلہ کیا کہ ایسی بیعت سے پرہیز کریں اور حکومت وقت کو اسلامی مالیات (زکات) ادا کرنے سے اجتناب کریں، نہ اسلئے کہ اصولاً زکوٰۃ ادا کرنے کیلئے حاضر نہ تھے اور بعض اسلامی قوانین جیسے زکوٰۃ اور نماز کی مخالفت کرتے تھے (جیسا کہ ان پر اس چیز کی تہمت لگائی گئی) بلکہ اس ایسا تھا کہ وہ وقت کی حکومت پر اعتماد نہیں رکھتے تھے اور حاضر نہیں تھے ابو بکر کے سامنے سر تسلیم خم کریں، البتہ حکومت کے ان مخالفین کی اس قدر حیثیت اور اہمیت نہیں تھی، جتنی مدینہ میں موجود مخالفین کی تھی، لہذا حکومت نے ایک خونین کاروائی کرکے ان سب کو قتل کرڈالا اور ابو بکر کا کوئی مخالف باقی نہ رہا، اس کے بعد باقی مشرکین کی سرکوبی کی کاروائی شروع ہوئی جو پیغمبری کا دعویٰ کرتے تھے اور رسول اللہ کے زمانے میں جزیرۃ العرب کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے نتیجہ کے طور پر ان کا بھی قلع قمع کیا گیا، مخالفین کی سرکوبی سے فارغ ہونے کے بعد حکومت نے فتوحات کیلئے اقدام کئے اور لشکر کشی شروع ہوئی، اسلام کے مؤرخین نے ان تمام جنگوں کو (جو وفات رسول اللہ کے بعد ابو بکر کے سپاہیوں اور جزیرۃ کے اعراب کے درمیان رونما ہوئیں) جنگ ''زردہ'' نام دیا ہے کیونکہ مدینہ سے باہر ابو بکر کے مخالفین کو ''مرتد'' کہا جاتا تھا۔

[1] استعاب ج ۲، ۳۶۷۔ ۳۷۰

ابو بکر کی مخالفت ارتداد نہیں ہے ڈاکٹر حسن ابراہیم اپنی کتاب ''تاریخ الاسلام السیاسی'' میں اسی نظریہ کی تائید کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں: ''جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے رحلت فرمائی اور آپ کی موت کی تصدیق ہوگئی تو لوگوں کی ایک جماعت، دین کے اصول (جو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے باقی بچے تھے) کے بارے میں شک و شبہہ میں پڑگئی اور بعض لوگ اس لحاظ سے خائف تھے کہ ایسا نہ ہو کہ قریش یا کوئی دوسرا قبیلہ حکومت کی باگ ڈور کو اپنے ہاتھ میں لے لے،اور اس سے متعلق ایک مطلق العنان اور خاندانی حکومت میں تبدیل کردے، اسلئے وہ اسلامی حکومت کی حالت اور اپنے مستقبل کے بارے میں فکر مند تھے۔ کیوں کہ وہ مشاہدہ کررہے تھے کہ جو پیغمبر، خداوند عالم کے عظیم سفیر کی حیثیت رکھتے تھے اور انھیں حق پر مبنی امر و نہی کی تبلیغ کرنے کے ساتھ ساتھ عصمت کی نعمت سے بہرہ مند اور خطا و لغزشوں سے بھی محفوظ تھے ان سے رخصت ہوچکے تھے۔

وہ جانتے تھے کہ مختلف قبائل کے درمیان مساوات کے قانون کو نافذ کرنے والا، لوگوں اور قبائل کیساتھ مساوی سلوک کرنے والا ایسا شخص ہونا چاہئے جس میں پیغمبر کے وہی عالی صفات موجود ہوں۔ان حالات کے پیش نظر یہ احتمال تھا کہ اس پیغمبر کا جانشین اپنے ذاتی اور خاندانی مطالبات کو مسلمانوں اور معاشرے کی مصلحتوں پر مقدم قرار دیگا، کیونکہ یہ امر بعید نہیں تھا کہ خلافت کے عہدہ دار خلیفہ وقت کے خاندان کی اجتماعی حیثیت کو بیشتر اہمیت دیکر اسے تقویت بخشیں گے اور دوسرے خاندان اور قبائل کو کچل کے رکھ دیں گے، جس کے نتیجہ میں سماجی انصاف اپنا توازن اور تعادل کھو بیٹھے گا۔

یہ احتمال اس لئے اہمیت کا حامل ہے کہ ہم نے دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے دوران عرب قبائل اور خاندانوں نے اقتدار کی باگ ڈور سنبھالنے اور حالات پر تسلط جما لینے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لینے کی ایک دوڑ لگانی شروع کردی تھی، تاکہ ہر ایک اس مقابلہ میں کامیاب ہوجائے اور دوسرے کو نیچا دکھا کر میدان سے خارج کرکے صرف اپنے آپ کو اس مقابلہ کا فاتح قرار دے، یہاں پر انکے پوشید راز طشت از بام ہوئے اور ان کی دیرینہ عرب قومی فطری اور مزاج کھل کر سامنے آگئے انصار، قریش اور مہاجرین سے خائف تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کام میں وہ سبقت حاصل کریں اور انصار کو اس میں

دخل دینے کی اجازت نہ دیں، قریش اور مہاجرین بھی اپنی جگہ پر وحشت و اضطراب سے دوچار تھے اور قبیلۂ اوس و خزرج بھی ایک دوسرے سے خوفزدہ تھے[۱]۔ یہ تھی مدینہ کی سیاسی حالت، دوسری طرف سے مکہ کی حالت بھی اسی سیاسی ہلچل کی وجہ سے مدینہ سے کم نہ تھی، کیونکہ مکہ میں موجود قریش کے قبائل میں بھی یہی رقابت موجود تھی، لہذا جب بیعت کا کام ابوبکر کے حق میں ختم ہوا تو بنی ہاشم ابوبکر سے سخت برہم ہوئے اسی لئے کئی مہینوں تک ان کی بیعت کرنے سے اجتناب کیا اور ابو سفیاں بن حرب نے زبردست تک و دو کی تاکہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے جذبات کو ابوبکر کے خلاف مشتعل کرے، جس نے خلافت کو بنی عبد مناف سے چھین لیا تھا۔

مہاجرین و انصار خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی قسم کی قرابت رکھتے تھے یا اسلام لانے میں سبقت حاصل کرچکے تھے یا دین خدا کی نصرت کی تھی اور اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کرچکے تھے ان فضائل کے پیش نظر افتخار اور ناز کرتے ہوئے خلافت کے امیدوار تھے، لیکن عربوں کے دوسرے قبیلے جو اسلام میں نہ ایسا سابقہ رکھتے تھے اور نہ ان کی رسول خداؐ سے کوئی رشتہ داری تھی، اگرچہ خلافت کی لالچ اور امید نہیں رکھتے تھے، لیکن جب وہ اس امر کا مشاہدہ کرتے تھے کہ مہاجر و انصار اس کام پر ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے ہیں اور مہاجر، انصار سے کہتے ہیں: سپہ سالار ہم میں سے ہو اور وزراء کی کابینہ آپ میں سے چنی جائے[۲] اور انصار اس تجویز کو مسترد کرکے کہتے تھے: ''نہیں، بلکہ سپہ سالاری ہم دونوں گروہ سے منتخب ہونا چاہئے[۳]'' ان حالت کے پیش نظر، وہ مکمل طور پر ناامید اور مایوس ہوئے اور اپنے آرمانوں کو برباد ہوتے دیکھا۔ لہذا انہوں نے مخالفت کا پرچم بلند کیا اور ان میں سے بھی بہت لوگوں نے ابوبکر کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا اور ان کو زکات ادا کرنے سے پرہیز کیا سیف نے اپنی روایتوں میں اس عمل کو ارتداد اور ایسے لوگوں کو مرتد کہا ہے اور ایسا دکھایا ہے کہ پیغمبر اسلام کی رحلت کے بعد اکثر عرب قبائل ارتداد کا شکار ہوگئے تھے۔

---

[۱] سقیفہ کی روداد اس سے پہلے بیان ہوئی ہے ملاحظہ ہو۔
[۲] منا الامراء و منکم الوزراء۔
[۳] بل منا امیر و منکم امیر۔

بعض مستشرقین[1] نے بھی اسی پر استناد کرکے پیغمبر کی وفات کے بعد بعض عرب قبائل ، مرتد ہوکر دین سے منحرف ہوگئے کے پیش نظر معتقد ہوئے ہیں کہ ''اسلام تلوار اور نیزہ کی نوک پر پھیلا ہے اور تنہا عامل جس نے عربوں کو یہ دین قبول کرنے پر مجبور کیا تھا تلوار کا خوف تھا''، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابو بکر کی حکومت کے دوران کسی قسم کا ارتداد نہیں تھا ، جن لوگوں کے ساتھ ابو بکر ارتداد کے نام پر جنگ کررہے تھے ، یہ نہ مرتد تھے اور نہ اسلام سے منحرف ہوئے تھے ،بلکہ ان میں سے کچھ لوگ تو آغاز ہی سے مسلمان نہیں تھے اور کچھ دوسرے لوگوں نے صرف ابو بکر کو زکات ادا کرنے سے انکار کیا تھا ۔ ان دونوں گروہوں کو غلطی یا اشتباہ سے مرتد کہا گیا ہے آئندہ فصل میں اس روداد کی تفصیل اور وضاحت بیان کی جائے گی ۔

سیف کی روایتوں میں ارتداد :لیقاتلنکم حتی تکنوہ ابا الفحل وہ تم لوگوں سے اس قدر جنگ کریں گے کہ ابو بکر کو بڑے اونٹ کا باپ کہیں گے نہ چھوٹے اونٹ کا باپ ۔ قبیلہ طی حضرت ابوبکر کی جنگ کا باعث ہم نے گزشتہ فصل میں کہا کہ لوگوں کی ایک جماعت نے ابو بکر کی حکومت کی مخالفت کی اور ابوبکر نے ان سے جنگ کی اور ان کے مال کو غنیمت کے طور پر ضبط کیا اور ان کے مردوں کو اسیر بنایا ان لوگوں کو تاریخ میں مرتد اور ان کے عمل کو ارتداد کہا گیا ہے لیکن تاریخ میں تحقیق اور مسئلہ کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہ مرتد تھے اور نہ ان کا عمل ارتداد تھا اور نہ انکے ساتھ ابو بکر کی جنگ اسلام سے ارتداد کے مرتکب ہونے کا سبب تھی ،کیونکہ کلمۂ ارتداد دوسرے معنی رکھتا ہے اور یہ ان لوگوں سے جو وقت کی حکومت کے مخالف تھے سے مطابقت نہیں رکھتا ۔

ڈاکٹر حسن ابراہیم اپنی ''تاریخ سیاسی'' میں کہتے ہیں '': جن لوگوں سے حضرت ابوبکر نے جنگ کی ان میں سے کوئی بھی مرتد نہیں تھا اور ابو بکر سے ان کی مخالفت اسلام سے ارتداد کا عنوان نہیں رکھتی تھی ،بلکہ اس کا باعثکچھ اور تھا ،اس وضاحت کے ساتھ کہ وہ لوگ دو گروہ میں منقسم تھے ۔اول : وہ گروہ جس نے زکات ادا کرنے سے انکار کیا تھا ،اس گمان سے کہ زکات ایک ایسا ٹیکس ہے

---

[1] جیسے '' فون فولٹن '' جرمنی کا معروف مستشرق۔

جو ذاتی طور پر رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیا جانا چاہئے، چونکہ پیغمبر نے رحلت فرمائی تھی اس لئے خلیفۂ وقت کو زکوٰۃ ادا کرنے سے وہ مستثنیٰ ہیں مسلمانوں کے اس گروہ سے جنگ کرنے پر عمر، ابوبکر سے اعتراض کرتے تھے اور ابو بکر اس کے جواب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعض فرمائشات سے استناد کرکے کہتے تھے، میں لوگوں سے جنگ کرنے پر مأمور ہوا تا کہ وہ توحید کا اقرار کریں، لہذا جس نے کلمۂ توحید کو زبان پر جاری کیا اس کا مال و جان میری طرف سے محفوظ ہے، مگر یہ کہ کسی حق کے سبب ہو تو اس کا جواب خدا کے ساتھ ہے امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فمن قالھا فقد عصم منی مالہ و نفسہ الا بحقہ و حسابہ علی اللہ ''

دوم: وہ گروہ جو در حقیقت مسلمان نہیں تھے... ڈاکٹر ابراہیم حسن اس کے بعد کہتا ہے:ا۔ ڈاکٹر ابراہیم حسن کا یہ نظریہ ہماری نظر میں صحیح اور کافی نہیں ہے، ایسا ہرگز نہیں تھا کہ مسلمان زکات کے معنی کو نہیں سمجھ رہے تھے، بلکہ مطلب وہی ہے جسے خود ڈاکٹر صاحب اور دوسروں نے کہا ہے کہ یہ لوگ ابوبکر کو پیغمبرؐ کے خلیفہ کے عنوان سے قبول نہیں کرتے تھے اس لئے انہیں زکوٰۃ دینے سے انکار کررہے تھے۔ ''لیکن اسلام[1] نے مرتدوں کیلئے جو سزا مقرر کی ہے اور اسے سزائے موت کا حکم دیا ہے ایک سیاسی حکم تھا جسے حکومت وقت نے اس کیلئے مد نظر رکھا تھا اور اس حکومت کی دلچپی اس حکم کو جاری کرنا تھی بجائے اس کے کہ انھیں اسلام لانے کی ترغیب دے۔

جبکہ دین اسلام نے خاص طور پر مرتدین کی نسبت انتہائی احتیاط کو مد نظر رکھا ہے اور ہرگز شبہہ کے استناد پر انھیں مؤاخذہ نہیں کیا ہے اور صرف تہمت کی بناء پر ارتداد کا حکم جاری نہیں کرتا، بلکہ تین دن تک مرتد کو فرصت دی جاتی ہے اور ان تین دنوں کے دوران علماء اور فقہائے اسلام مرتد کی طرف سے دین اسلام پر کئے گئے اعتراضات پر مناقشہ کرکے کوشش کرتے ہیں تا کہ اس شبہہ کو دور کریں اور جس کی وجہ سے اسلام کے صحیح ہونے میں انھیں شک و شبہہ پیدا ہوا ہے برطرف کردیں (لیھلک من ھلک عن بینۃ و

---

[1] یہاں پر ڈاکٹرصاحب کا " اسلام'' سے مقصود اسلام کا خلیفہ ہے کیونکہ بعد والی عبارت میں وہ اس کی ضاحت کرتے ہیں ۔

يَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ[1]) یہاں پر ہم قارئین کی اطلاع کیلئے اس موضوع پر مذہبی پیشواؤں کے بیانات کا ایک حصہ نقل کرتے ہیں: ابو حنیفہ کہتے ہیں ’’:جب کوئی مسلمان مرد مرتد ہوجائے، اسے اسلام کی دعوت دینی چاہئے اور تین دن مہلت دینی چاہئے، کیونکہ ظاہراً ایسا ہے کہ اس کے دل میں ایک شبہہ پیدا ہوا جس کی وجہ سے ہم پر فرض بنتا ہے کہ اس کے اس شبہہ کو دور کریں یا خود اس کیلئے فکر و اندیشہ کی ضرورت ہے تا کہ اس پر حقیقت آشکار ہوجائے اور یہ کام مہلت دئیے بغیر ممکن نہیں ہے پس اگر مرتد مہلت کی درخواست کرے، تو امام پر لازم ہے کہ اس کو مہلت دے اور شرع اسلام میں جس مدت کے دوران ایک موضوع پر غور و فکر کیا جا سکے، تین روز معین کئے گئے ہیں، کیونکہ معاملات کے موضوع میں معاملہ توڑنے کے اختیار کے بارے میں معاملہ کی شرط اور اشیاء کو دیکھنے کیلئے تین روز مہلت دی گئی ہے، اس لئے مرتد کو بھی تین دن کی مہلت دی جانی چاہئے[2] بعض مالکی فقہاء یوں کہتے ہیں : مرتد، خواہ غلام ہو یا آزاد، خواہ عورت ہو یا مرد، واجب ہے تین دن اور تین رات کی اسے توبہ کرنے کی مہلت دی جائے، ان تین دن کی ابتداء اس دن سے شروع ہوتی ہے جس دن سے ارتداد ثابت ہوا ہے، نہ اس روز سے کہ جس روز کافر ہوا ہے، البتہ ان تین دنوں کے دوران اسے بھوکا اور پیاسا نہیں رکھنا چاہئے، بلکہ اپنے ہی مال سے اسے کھانا پینا فراہم کرنا چاہئے، نیز اسے جسمانی اذیت نہیں دی جانی چاہئے اگر چہ وہ توبہ بھی نہ کرے[3] امام شافعی کہتے ہیں ’’: مرتد، خواہ مرد ہو یا غیر مرد واجب ہے، اسے توبہ کرائیں، کیونکہ وہ اسلام کی خاطر محترم تھا۔

شائد وہ جس شبہہ سے دوچار ہوا ہے کہ ممکن ہے یہ شبہہ دور ہوجائے، بعض نے کہا ہے : تین دن کی مہلت دی جاتی ہے[4] امام احمد حنبل کہتے ہیں : جو بھی اسلام سے مرتد ہوجائے، مرد ہو یا عورت وہ سن بلوغ کو پہنچا ہو اور دیوانہ نہ ہو، تین دن تک اسے اسلام کی دعوت دینی چاہئے[5] ان فتاویٰ کے علاوہ اصولاً سزاوار نہیں ہے کہ ایک مسلماں کو کافر کہا جائے جس کے گفتار یا کردار سے کافر

[1] الانفال۲ ۴۲
[2] کتاب مبسوط، تالیف شمس الدین سرخسی طبع قاہرہ ۱۳۲۴ ؁ھ کے حاشیہ میں تین دن مقرر کئے گئے ہیں ج ۱۰ ، ۹۸ ۔ ۱۰۰۔
[3] باب گروہ اور اس کے احکام، شرع کبیر تالیف در دیر طبع بولاق ۱۲۱۹ ھ ؁ ج ۴ ص ۲۷۰ حاشیہ دسوقی ج ۱۴ ص ۲۶۷۔
[4] باب " ردہ" حاشیہ، بجری، شرح نہج البلاغہ، طبع بولاق ۱۳۰۹ ؁ھ
[5] کشف القناع علی متن الاقناع، طبع قاہرہ ۱۳۱۹ ھ ؁ ج ۴، ص ۱۰۰ ۔ ۱۰۵ ۔

ہونے یا نہ ہونے کا دونوں احتمال پایا جاتا ہومگر یہ کہ وہی مسلمان اس گفتار و کردار کو کفر کا سبب جانیں اور علمائے اسلام نے وضاحت کی ہے کہ اگر ایک مسلمان مرد کے گفتار میں ۹۹ فیصد کفر کا احتمال اور ایک فیصد ایمان کا احتمال ہوتوایسے مسلمان کے خلاف کفر کا حکم نہیں دیا جاسکتا ہے[۱]۔

تاریخ لکھنے والے کیا کہتے ہیں ؟

تاریخ کی کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ جن افراد نے ابوبکر سے جنگ کی وہ اسلام کو قبول کرتے تھےاور نماز پڑھتے تھے، توحید و نبوت کی شہادت دیتے تھے، ان کی مخالفت صرف ابوبکر کی حکومت کو قبول کرنے اور ان کو زکوٰۃ ادا کرنے میں تھی، ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں یوں لکھا ہے ''؛ ابن ماجہ '' کے علاوہ تمام اہل حدیث نے اپنی کتابوں میں ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ عمر ابن خطاب نے ابوبکر سے کہا؛ لوگوں کے ساتھ کس لئے جنگ کررہے ہو؟ جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے ؛ میں مأمور ہوں تا کہ لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں کہ خدا کی وحدانیت اور میری (محمدؐ) رسالت کی شہادت دیدیں، اورجوں ہی یہ دو شہادتین کہیں گے تو ان کے مال و جان میری طرف سے محفوظ ہیں پھر ان کے ساتھ جنگ نہیں کروں گا مگر یہ کہ حق ہو۔

ابوبکر نے کہا :خدا کی قسم !جو زکوٰۃ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ادا کرتے تھے، اگرمجھے ادا نہ کریں گے اگر چہ وہ ایک اونٹ یا اس اونٹ کا بندھن ہی کیوں نہ ہو، ضرور ان کے ساتھ لڑوں گا ، کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے خدا کی قسم نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرنے والوں کی ساتھ میں حتمی طور پر لڑوں گا عمر کہتے ہیں میں نے جب دیکھا کہ خدا نے ابوبکر کے سینہ کو جنگ کیلئے آمادہ کیا ہے تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ حق پر ہیں[۲]تاریخ طبری میں آیا ہے '' ؛ کچھ عرب گروہ مرتد ہوئے تھے، ابو بکر کے پاس آئے، وہ نما زکا

---

[۱] باب مرتد حاشیہ رد المختار علی الدر المختار ، تالیف ابن عابدین، طبع مصر۔

[۲] البدایہ و النہایہ ج ۶، ۳۱۱ ، و ان عمر بن الخطاب قال لابی بکر :لم تقاتل الناس و قد قال رسول اللہ امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدو ان لا الہ الا اللہ و ان محمداً رسول اللہ فاذا قالوھا عصموا منی دماءھم و اموالھم الا بحقّھا فقال ابو بکر: و اللہ لو منعونی عناقا و فی روایۃ عقالاً کانوا یؤدونہ الی رسول اللہ(ص) لأ قاتلنّھم علی منعھا ان الزکاۃ حق المال و اللہ لاقاتلن من فرق بین الصلاۃ و الزکاہ قال عمر: فما ھوالا ان رایت اللہ قد شرح صدر ابی بکر للقتال فعرفت انہ الحق (ص ۲۴۰)

اقرار کرتے تھے، لیکن زکوٰۃ ادا کرنے سے پرہیز کرتے تھے، ابوبکر نے اس کام کو قبول نہیں کیا اور انھیں واپس بھیجدیا[1]'' ابن کثیر نے البدایہ والنھایہ کی چھٹی جلد کے ۳۱۱ صفحہ پر کہتے ہیں'' :عربوں کا گروہ مدینہ آیا جبکہ نماز کا اقرار کرتے تھے لیکن زکات دینے سے پرہیز کرتے تھے ان میں ایسے اشخاص بھی تھے جو ابو بکر کو زکات ادا کرنے سے پرہیز کرتے تھے'' ان میں سے ایک نے یہ شعر کہے:

اطعنا رسول اللہ ما کان بیننا

فوا عجبا ما بال ملک ابی بکر

ایورثنا بکراً اذا مات بعدہ

وتلک لعمر الہ قاصمۃ الظھر[2]

ترجمہ: جب تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان تھے، ہم ان کی فرمانبردار تھے، تعجب کی بات ہے! ابوبکر کو حکمرانی سے کیا ربط ہے؟ کیا مرنے کے بعد اپنے بیٹے بکر کو جانشین قرار دیں گے؟ خدا کی قسم یہ واقعہ کمر شکن تھا۔ طبری نے سیف سے اور اس نے ابو مخنف سے روایت کی ہے'': قبیلہ طی کے سوار، بنی اسد اور فزارہ کے سواروں سے (خالد کے ان پر حملہ کرنے سے پہلے) ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوکر جنگ کئے بغیر ایک دوسرے کو گالیاں بکتے تھے، اسد اور فزارہ کہتے تھے: نہیں، خدا کی قسم ہم ہرگز ابو الفصیل کی بیعت نہیں کریں گے سوار ان، اُن کے جواب میں کہتے تھے: ہم شہادت دیتے ہیں کہ ابو بکر آپ لوگوں سے اس قدر جنگ کرے گا کہ آپ اسے ابو الفحل اکبر کہیں گے[3] مذکورہ مقدمہ سے اہل بحث و تحقیق کیلئے واضح ہوگیا

[1] تاریخ طبری ج ۴۷۴،۲ و قد جائتہ و فود العرب مرتدین یقرّون بالصلاۃ و یمنعون الزکاۃ فلم یقبل ذلک منھم و ردّھم ۔
[2] البدایۃ و النھایۃ ، ج ۶ ص ۳۱۱۔
[3] " بکر و بکرہ '' کا عربی لغت میں ایک معنی اونٹ کا بچہ ہے اور " فصیل ''بھی اونٹ کے بچہ کو کہتے ہیں لہذا ابو بکر کو " ابو الفصیل '' کہا گیا ہے ، یعنی اونٹ کے بچہ کا باپ لہذا ابوبکر کو اس نام کیساتھ یادکرنا تو ھین کے عنوان سے تھا ۔

کہ جس چیز کو ابو بکر کے زمانے میں ارتداد کہتے تھے وہ در حقیقت اسلام سے ارتداد نہ تھا بلکہ صرف ابو بکر سے مخالفت تھی۔ لیکن چونکہ ابو بکر کی بیعت کے مخالفین عرب قبائل اور صحرا نشین تھے اور جنگ میں شکست کھا کر قدرت پر قبضہ نہ کر سکے تھے اور دوسری طرف سے مسلسل کئی برسوں تک حکومت ابو بکر و عمر اور ان کے دوستوں، خاندان اور حامیوں کے ہاتھ میں رہی، اور وہ روایتیں جو مبارزات کے روداد اور سیاسی حالات کی تشریح کرتی ہیں، انہیں با نفوذ اور فاتح افراد کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں، لہذا ہم پرلازم اور واجب ہے کہ شکست خوردہ فرنٹ کے بارے میں نقل کئے گئے مطالب کے صحیح ہونے کے بارے میں دقیق تحقیق اور جانچ پڑتال کریں، یہ تھا ابو بکر کے دوران حکومت میں مرتدوں کے واقعہ کے بارے میں ایک خلاصہ۔ سیف کیا کہتا ہے؟ طبری نے سیف بن عمر سے نقل کیا ہے ''؛ جب ابو بکر کی بیعت کی گئی، عرب عام طور پر یا ہر قبیلہ کے کچھ لوگ مرتد ہوگئے[1] اس کے علاوہ ایک اور جگہ پر سیف کے حوالہ سے نقل کرتا ہے ''؛ کفر نے زمین پر اپنا دامن پھیلایا تھا اور لوگ دین سے روگردانی کرتے تھے اور قریش و ثقیف کے علاوہ ہر قبیلہ میں سے یا تمام افراد یا کچھ مخصوص افراد مرتد ہوگئے تھے[2] سیف نے ارتداد کے سلسلے میں رونما ہونے والی جنگوں کی توصیف میں افسانوی اور خیالی داستانیں گڑھ لی ہیں جو تاریخ طبری میں پراکندہ حالت میں پائی جاتی ہیں، سچ تو یہ ہے کہ سیف افسانے گڑھنے میں '' عنترہ بن شداد '' کے افسانے گڑھنے والوں اور ان کے مانند افسانہ نویسوں کا استاد تھا اور اس کی خیال بافی کا دامن ان لوگوں سے وسیع تر تھا، کیونکہ سیف کے افسانوں کے ہیرو کیلئے خشک بیابانوں اور ریگستانوں میں پانی کے چشمے جاری ہوتے ہیں وہ دریا کے پانی پر چلتے ہیں، حیوانات ان سے گفتگو کرتے ہیں۔

اور فرشتے ان کی خبر گیری کرتے ہیں، اور اسی طرح کے مطالب جو دوسرے افسانوں میں نہیں پائے جاتے ہیں، اس کے علاوہ سیف کے افسانے، ایک اور خصوصیت کے بھی حامل تھے اور وہ یہ کہ اس کے افسانے با نفوذ شخصیتوں اور وقت کے حکام کی

---

[1] تاریخ طبری ج ۶، ۲۶۱ : لمّا بویع ابو بکرارتدت العرب اما عاما و اما خاصة فی کل قبیلة ۔

[2] تاریخ طبری ج ۶، ۴۷۰ ، کفرت الارض و تصرّمت و ارتدّت من کل قبیلة عامّة او خاصة الا قریشاً و ثقیفاً
کی مرتدوں سے جنگ کے بارے میں سیف کی گڑھی چند داستانوں کو نقل کریں تا کہ اس کی کتاب " الفتوح و الردة '' میں اس کی داستان سرائی و افسانہ سازی کا طریقہ کار اور رویہ معلوم ہوسکے طبری نے اپنی تاریخ کبیر میں اسی کتاب سے بہت کچھ نقل کیا ہے ۔

ستائش میں ہوا کرتے تھے اور اس نے ایسے لوگوں کی رفتار و گفتار کے دفاع میں (جو عام لوگوں کی نظروں میں مورد تنقید قرار پاتے تھے)زیادہ سے زیادہ روایتیں جعل کی ہیں،نمونہ کے طور پر کافی ہے کہ ہم ابو بکر معتبر روایتوں میں مالک بن نویرہ کی داستان ان خالدا قتل مسلماً و تزوج امرأتہ فی یومھا خالد نے ایک مسلمان کو قتل کیا اور اسی دن اسکی بیوی سے شادی کرلی!!

عمر بن خطاب:مالک بن نویرہ قبیلۂ یربوع تمیمی نامی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے،ان کی کنیت ابو حنظلہ تھی اور لقب جفول تھا۔ مرزبانی کہتا ہے '' : وہ ایک عالی رتبہ شاعر تھے اور قبیلۂ یربوع کے جنگجو مردوں میں ایک نامور شہسوار تھے،وہ عصر جاہلیت میں اپنے قبیلہ کے اعلی طبقہ کے افراد میں شمار ہوتے تھے،اسلام قبول کرنے کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انھیں اپنے قبیلہ کا ٹیکس جمع کرنے پر مأمور فرمایا،پیغمبر کی وفات کے بعد انھوں نے جمع کیا ہوا ٹیکس حکومت وقت کو دینے سے انکار کیا اور اپنے رشتہ داروں کے درمیان تقسیم کردیا اوراس سلسلہ میں فرمایا :فقلت خذوا اموالکم غیر خائف و لا ناظر فیما یجیٔ من الغدفان قام بالدین المحوف قائم اطعنا و قلنا الدین دین محمدؐ[1]

ترجمہ: میں نے کہا : مستقبل کے بارے میں خوف و پروا کئے بغیر اپنے مال کو واپس لے لو، کیونکہ اس مال کو تم لوگوں نے دین کے خاطر ادا کیا ہے، لہذا اگر کسی نے دوبارہ قیام کیا تو ہم اس کی اطاعت کرکے کہیں گے کہ دین، دین محمدؐ ہے ۔طبری نے اپنی سند سے عبد الرحمان بن ابو بکر سے نقل کیا ہے '': جب خالد سرزمین بطاح[2] پہنچا تو ضرار بن ازور[3] کو لشکر کی ایک ٹولی کے ہمراہ بھیجا

---

[1] شرح ابن ابی الحدید میں (فان قام بالامر المجدد قائم)ہے ، یعنی اگر کسی نے قیام کیا اور دوبارہ دین کی ذمہ داری لی، سید مرتضی کی طرف سے قاضی القضاۃ کو دئے گئے ساتویں جواب میں ہے۔

[2] بطاح قبیلہ اسدبن خزیمہ کے اطراف میں ایک پانی ہے(معجم البلدان)

[3] ضراربن ازور مرداس بن حبیب بن عمیربن کثیر بن شیبان اسدی اور کہا گیا ہے کہ ازور کا نام مالک تھا اور وہ بن اوس بن خزیمہ بن ربیعہ بن مالک بن ثعلبہ بن دودان بن اسد ہے اس کی کنیت ابوازور اسد ہے وہ ایک دلیر شہسوار تھا اور جنگ اجنادین میں قتل ہواکہا گیا ہے کہ یمامہ میں قتل ہوا ہے اور بعض نے کہا ہے زمان حکومت عمر میں فوت ہوا ۔ الاستیعاب ج ۲/ ص ۲۰۳ ۔ ۲۰۴ اور الاصابہ کی ج۲، ۲۰۰ ۔ ۲۰۱ میں لکھتا ہے : خالد نے ضرار کو کچھ لوگوں کے ہمراہ جنگ کیلئے بھیجا ، خالد کے مأمورین نے بنی اسد کے ایک قبیلہ پر شب خون مارا اور ایک خوبصورت عورت کو گرفتار کیا ضرار نے لشکر سے مطالبہ کیا کہ اس عورت کو اس کے حوالہ کریں انہوں نے قبول کرکے اسے اس کے حوالہ کردیا،ضرار نے اس سے ہمبستری کی اور اسکے بعد پشیمان ہوا ، روداد کو خالد کے پاس پہنچا دیا گیا ، خالد نے کہا : کوئی مشکل نہیں ہے میں نے اسے تم پر حلال کیا ، ضرار نے قبول نہ کرتے ہوئے کہا، اس روداد کو عمر کی خدمت میں پہچانا چاہئے ، خالد نے تشریح لکھی اور عمر نے جواب میں لکھا کہ اسے سنگسار کرو ۔ جس وقت عمر کا خط پہنچا تو اس وقت ضرار فوت ہوچکا تھا خالد جب قضیہ سے آگاہ ہوا تو اس نے کہا: خدا نہیں چاہتا تھا کہ ضرار ذلیل و خوار ہوجائے ، نیز اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ ضرار ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے ابو جندب کے ساتھ شراب پی لی تھی ،جب ابو عبیدہ نے عمر کو اس کی خبر دی تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ اس کی تحقیق کر اوگر لوگوں نے کہا کہ شراب حلال ہے تو انہیں قتل کر ڈالو ورنہ ان پر حد جاری کرنا، انہوں نے پوچھ تاچھ پر اعتراف کیا کہ خمر حرام ہے۔

ابو قتادہ[1] بھی ان کے ساتھ تھا، انہوں نے قبیلۂ مالک پر شب خون مارا، بعد میں ابو قتادہ کہتا تھا: جب ہماری فوج نے رات میں ان کا محاصرہ کرلیا تو قبیلۂ مالک وحشت میں پڑ کر جنگی اسلحہ لے کر آمادہ ہوگئےابو قتادہ نے کہا: ہم نے کہا: ہم مسلمان ہیں ۔انہوں نے کہا: ہم بھی مسلمان ہیں ۔ لشکر کے سپہ سالار نے کہا؛ پھر کیوں جنگی اسلحہ لئے ہوئے ہو؟انہوں نے کہا؛ تم لوگ کیوں مسلح ہو؟ ہم نے کہا: اگر تم لوگ سچ کہتے ہو کہ مسلمان ہو تو اسلحہ کو زمین پر رکھدو ۔ ابو قتادہ نے کہا: انہوں نے اسلحہ کو زمین پر رکھدیا، پھر ہم نے نماز پڑھی اور انہوں نے بھی نماز پڑھی ۔ابن ابی الحدید اپنی شرح میں اس کے بعد کہتا ہے ": جوں ہی انہوں نے اسلحہ کو زمین پر رکھدیا تو ان سب کو اسیر بنا کر رسیوں سے باندھ کر خالدا کے پاس لے آئے" کنزل العمال[2] اور تاریخ یعقوبی۳ میں اس داستان کو یوں نقل کیا گیا ہے: مالک بن نویرہ، گفتگو کیلئے خالد کے پاس آئے ان کی بیوی بھی انکے پیچھے آئی، جب خالد کی نظر اس عورت پڑی تو وہ اس پر فریفتہ ہوگیا اور مالک سے مخاطب ہوکر کہا: خدا کی قسم تم پھر سے اپنے قبیلہ کی طرف واپس نہیں جا سکتے ہو، میں تجھے قتل کر ڈالوں گا ۔

کنزل العمال کی تیسری جلد ۱۳۶ پر کہتے ہیں ": خالد بن ولید نے دعویٰ کیا کہ مالک بن نویرہ مرتد ہوگیا ہے اس دعویٰ میں اس کی دلیل اور استناد ایک بات تھی کہ اظہار کرتا تھا کہ جو بات مالک سے اس کے کان تک پہنچی ہے، مالک نے اس خبر کو جھٹلا دیا اور کہا: میں بدستور مسلمان ہوں اور میں نے اپنے دین میں کوئی تبدیل نہیں کی ہے، نیز ابو قتادہ اور عبد اللہ بن عمر نے بھی اس کی صداقت پر شہادت دی، اتنے میں خالد نے مالک کو آگے کھینچ کر ضرار بن ازور کو حکم دیا کہ مالک کا سر قلم کردے، اس کے بعد خالد نے مالک کی بیوی (جس کا نام ام تمیم تھا) کو اپنے قبضہ میں لے کر اس کے ساتھ زنا کیا[3] ۔ تاریخ ابو الفداء[4] اور وفیات الاعیان میں آیا ہے: عبد اللہ بن عمر اور قتادۂ انصاری دونوں اس مجلس میں حاضر تھے اور انہوں نے مالک کے بارے میں خالد

---

[1] فلما وضعو السلاح ربُطوا أُسارى فاتوا بهم خالدا
[2] كنز ل العمال ، ج ۳، ۱۳۲ ـ ۳ـ تاريخ يعقوبى، ج ۲، ۱۱۰ـ
[3] كنز العمال ،ج ۳، ۱۳۲
[4] تاريخ ابو الفداء ، ص ۱۵۸ ـ

سے گفتگو کی، لیکن خالد نے ان کی بات کو قبول نہیں کیا ، مالک نے کہا : خالد !تم مجھے ابو بکر کے پاس بھیجدو تا کہ وہ خود میرے بارے میں فیصلہ کریں ، خالد نے جواب میں کہا : خدا مجھے معاف نہ کرے اگر میں تجھے معاف کردوں گا اس کے بعد ضرار بن ازور سے مخاطب ہوکر کہا : مالک کا سر قلم کردو! مالک نے اپنی بیوی پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالی اور خالد سے مخاطب ہوکر کہا ؛ اس عورت نے مجھے قتل کروایا ہے وہ عورت انتہائی خوبصورت تھی ، خالد نے کہا : بلکہ خدا نے تجھے قتل کیا ہے چونکہ اسلام سے تم نے منہ پھیر لیا ہے! مالک نے کہا : میں مسلمان ہوں اور اسلام پر پابند ہوں ۔ خالد نے کہا : ضرار اس کا سر قلم کردو، اور اس نے بھی اس کا سر تن سے جدا کردیا[1] اور ابن حجر، ''الاصابہ'' (ج۳/ ص ۳۳۷) میں ثابت بن قاسم سے نقل کرتا ہے کہ اس نے اپنی کتاب الدلائل میں لکھا ہے '': خالد کی نگاہ مالک کی بیوی پر پڑی، وہ اپنے وقت کی خوبصورت ترین عورت تھی ، مالک نے اپنی بیوی سے کہا : تم نے مجھے قتل کیا[2] اس کا مقصود یہ تھا میں تیرے سبب جلد ہی قتل کیا جاؤں گا[3] اور اصابہ میں زبیر بن بکار سے اس نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے: مالک بن نویرہ کو جس وقت قتل کیا گیا[4] سکے سر پر گنجان زلف تھی ، خالد نے حکم دیا کہ مالک کے سر کو دیگ کا پایہ قرار دیں تو ایسا ہی کیا گیا اور اس سے پہلے کہ آگ ان کے بالوں سے گزر کر انکی کھال تک پہنچے دیگ میں موجود کھانا پک چکا تھا[5] خالد نے مالک کی بیوی ام تمیم (منہال کی بیٹی) سے اسی رات زنا کیا ۔

ابو نمیر سعدی اس سلسلہ میں کہتا ہے :

أَلا قُلْ لحیّ اوطأوا بالسنابک

تطاول هذا اللّیل من بعد مالک

[1] یہ تاریخ ابن شحنہ ص ۱۶۶ کا مل ج ۷ کے حاشیہ سے نقل کیا گیا ہے ۔
[2] الاصابہ ج ۳، ۳۳۷۔
[3] ان خالد رآی امرة مالک و کانت فائقہ فی الجمال فقال مالک : بعد ذلک لامر تہ قتلیتنی یعنی سأُقتل من اجلک
[4] ان مالک بن نویره کان کثیر شعر الرأس فلما قتل امر خالد برأسہ فنصب أُثفیۃ لقدر فنضج ما فیها قبل ان یخلص النارالی شؤن رأسہ ۔
[5] طبری ،ج ۲، ۵۰۳ ، الاصابہ ،ج ۳، ۳۳۷ ، ابن اثیر ،جنگ بطاح ، ابن کثیر ،ج ۶ ، ۳۲۱ ، ابی الفداء ،۱۵۸ و ابن ابی الحدید، ج ۱۷۔

قضیٰ خالد بغیاً علیہ دعرسہ

وکان لہ فیھا ھوی قبل ذلک

فامضی ھواہ خالد غیر عاطف

عنان الھویٰ عنھا ولا متمالک

فاصبح ذا اھل واصبح مالک

الی غیر اھل ھالکاً فی الھوالک[1]

ترجمہ : خبردار !اس گروہ سے کہدو جنہوں نے گھوڑے دوڑائے ہیں،مالک کے بعد ہماری تاریک رات ختم ہونے والی نہیں ہے، خالد جو اس سے پہلے مالک کی بیوی پر فریفتہ ہوچکا تھا ،اس نے مالک کو اس عورت کیلئے بزدلانہ طور پر قتل کیا اور اپنے دل کی تمنا پوری کی اور اپنے سرکش نفس کو لگام نہ لگا سکا جس صبح کو مالک اپنی بیوی سے جدا ہوکر عدم کی طرف روانہ ہوئے، خالد ان کی بیوی پر تصرف کرچکا تھا ۔

ابن حجر الاصابہ میں کہتا ہے: جب خالد نے مالک کو قتل کیا تو منہال کی نظر مالک کے بے سر بدن پر پڑی تو اپنی زنبیل سے ایک پیراہن نکال کر مالک کو اس سے کفن کیا[2] یہ تھا مالک کا خاتمہ۔اب دیکھنا چاہئے کہ حکومت وقت نے اپنے اس سردار خالد کے ساتھ اس عمل کی سزا کے طورپر کیا برتاؤ کیا ؟تاریخ یعقوبی میں آیا ہے: ابوقتادہ نے اپنے آپ کو ابوبکر کے پاس پہنچا دیا اور تمام واقعہ کے بارے میں رپورٹ پیش کی اور کہا ؛ خدا کی قسم اب میں خالد کے پرچم تلے اس کی کمانڈری میں کسی جگہ نہیں جاؤں گا کیوں

[1] یعقوبی، ج۲، ۱۱۰۔
[2] اصابہ ۳، ۴۸۷

کہ اس نے مالک کو مسلمان ہونے کے باوجود قتل کر ڈالا ہے ۔ تاریخ طبری میں ابن ابی بکر سے نقل کیا گیا ہے: من جملہ جن لوگوں نے مالک کے مسلمان ہونے پر شہادت دی، قتادہ تھا ،اس نے اپنے خدا سے عہد کیا کہ وہ خالد کی کمانڈ ری میں کسی محاذ جنگ پر شرکت نہیں کرے گا[1] اور تاریخ یعقوبی میں ہے کہ '' عمر بن خطاب نے ابو بکر سے کہا : اے رسول اللہ کے جانشین ! یہ سچ ہے کہ خالد نے ایک مسلمان مرد کو قتل کیا ہے اور اسی دن اس کی بیوی سے ناجائز تعلقات قائم کئے ابو بکر نے خالد کو خط لکھا اور اسے اپنے پاس بلایا ، خالد نے کہا : اے جانشین رسول ! میں نے مالک کو قتل کرنے میں اپنی نظر میں ایک تاویل کی ہے اور اس میں صحیح راستہ اختیار کیا لیکن خطا بھی سرزد ہوگئی ہے'' یعقوبی نے کہا ہے '' : متمم بن نویرہ[2] (اس زمانہ کے شاعر تھے) نے اپنے بھائی کی سوگ میں بہت سے شعر کہے ہیں اور نوحہ بھی پڑھا ہے وہ مدینہ میں ابو بکر کے پاس گئے، فجر کی نماز کو ابو بکر کی امامت میں پڑھی ، جوں ہی ابو بکر نماز سے فارغ ہوئے، متمم اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنی کمان سے ٹیک لگا کر مندجہ ذیل اشعار پڑھے:

نعم القتیل اذ الریاح تناوحت

خلف البیوت قتلت یا بن الأزور

أدعوتہ باللہ ثم غدرتہ

لو ھو دعاک بذمۃ لم یغدر

ترجمہ: اے فرزند ازور ! جب نسیم صبح ہمارے گھر کے در و دیوار پر چل رہی تھی، تم نے کتنے نیک مرد کا قتل کیا ! خدا کے نام پر اسے بلایا اور اسے امان دیا ، اس کے بعد مجرمانہ طور پر اسے قتل کر ڈالا ، جب کہ اگر مالک تم سے کوئی عہد کرتا تو وہ اپنے عہد و پیمان

[1] فلحق ابو قتادہ بابی بکر فاخبرہ الخبر و حلف ان لا یسیرتحت لواء خالد لانہ قتل مالکا مسلماً۔

[2] اس کی کنیت ابو ادھم یا ابو نہیک یا ابر اہیم تھی ، وہ نویرہ کا بیٹا ہے، اس کا نسب اسکے بھائی کے حالات میں ہم نے بیان کیا ہے اس نے اپنے بھائی کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا ، اس نے اپنے بھائی مالک کے سوگ میں اچھے مرثیہ کہے ہیں الاصابہ ج ۲، ۳۴۰ ، استیعا ج ۲، ۴۸۸۔

پر وفادار رہتا اور کسی قسم کی فریب کاری و حیلہ سے کام نہیں لیتا‘‘تاریخ ابو الفداء میں لکھا گیا ہے کہ جب یہ خبر ابو بکر و عمر کو پہنچی تو عمر نے ابو بکر سے کہا ’’ : مسلم الثبوت ہے کہ خالد نے زنا کیا ہے،اسے سنگسار کیا جانا چاہئے !ابو بکر نے کہا: میں اسے سنگسار نہیں کروں گا کیونکہ اس نے اپنے لئے ایک فریضہ کو تشخیص دیا ہے اور گویا فریضہ کی تشخیص میں خطا ہوئی ہے ؟!!عمر نے کہا : وہ قاتل ہے اور اس نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے اس کے خلاف قصاص کا حکم دینا چاہئے ۔

ابو بکر نے کہا : میں اس کو ہرگز قتل نہیں کروں گا ،جیسا کہ میں نے کہا کہ اس سے ایک فریضہ کی تشخیص میں خطا ہوئی ہے! عمر نے کہا: پس کم از کم اسے معزول کرو!!ابوبکر نے کہا: میں ہرگز اس تلوار کو دوبارہ نیام میں نہیں رکھوں گا جسے اس نے اسلام کیلئے کھینچا ہے ۔ اور طبری کی روایت میں نقل ہے:مالک کو قتل کرنے میں خالد کا عذر یہ تھا کہ جب مالک میرے پاس آئے، تو انھوں نے گفتگو کے دوران کہا: میں گماں نہیں کرتا ہوں کہ آپ کے حاکم نے ایسا ویسا کہنے کے علاوہ کچھ اور کہا ہوگا! خالد نے کہا : مگر تم اسے اپنا حاکم نہیں جانتے ہو کہ کہتے ہو تمہارا حاکم ؟ پھر مالک کو آگے کھینچ کر اس کا سر تن سے جدا کیا اور اس کے دوستوں کا سر بھی قلم کر دیا ۔

جب مالک اور اس کے دوستوں کے قتل کی خبر عمر کو پہنچی تو انھوں نے ابو بکر سے کافی گفتگو کی اور کہا :[1] ما اخال صا حبکم الا وقد کان یقول کذا و کذا ۔اس دشمن خدا نے ایک مسلمان پر متجاوزانہ دست درازی کرکے اسے قتل کر ڈالا ہے اور اس کے فوراً بعد حیوان کی طرح اس کی بیوی کی عصمت دری کی ہے‘خالد سفر سے لوٹ کر مسجد میں چلا گیا ،ایک چغہ زیب تن کیا ہوا تھا جس پر لوہے کا زنگ لگا ہوا تھا اور ایک عمامہ سر پر باندھے ہوا تھا کہ اس پر اسلامی لشکر کی علامت کے طور پر چند تیر نسب کئے ہوئے تھے جب مسجد میں داخل ہوا تو عمر غضبناک ہوکر اپنی جگہ سے اٹھے اور تیروں کو اس کے عمامہ سے کھینچ کر انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا اور اس کے بعد خالد کی سرزنش کرتے ہوئے بولے : تم نے یہ مکاری اور ریا کاری سے ایک مسلمان کو قتل کر ڈالا ہے

[1] عدو االله ، عدا علی امرء مسلم فقتله ، ثم زنا علی امرأته ـ

اور اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ ایک حیوان کی طرح اس کی بیوی پر جھپٹ پڑے ، خدا کی قسم میں تجھے سنگسار کرونگا اور تم اس سزا کے مستحق ہو! خالد خاموش بیٹھا تھا ، کیونکہ وہ گمان کرتا تھا کہ عمر کی طرح ابو بکر بھی اسے مجرم جانتے ہوں گے اس نے عمر کو کوئی جواب نہیں دیا بلکہ ابو بکر کے پاس جا کر اپنی رپورٹ پیش کی اور اپنے کئے ہوئے پر عذر خواہی کی ، ابو بکر نے خلاف توقع اس کے عذر کو قبول کرلیا ، راوی کہتا ہے : جوں ہی خالد نے ابو بکر کی رضامندی حاصل کی وہ وہاں سے رخصت ہو کے مسجد کی طرف چلا گیا عمر ابھی تک مسجد میں بیٹھے تھے خالد سے خطاب کرتے ہوئے گرج کر بولے : خبردار اے ام شملہ کے بیٹے !اس وقت اگر مجھے کچھ کہنا چاہتے ہو تو آگے بڑھ کر کہو عمر نے اپنی فراست سے جان لیا کہ ابو بکر خالد سے راضی ہوگئے ہیں اس لئے خالد سے کچھ کہے بغیر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگئے!!یہ تھا صحیح اور معتبر روایتوں میں خالد او رمالک بن نویرہ کی داستان کا خلاصہ ، جسے تمام مؤرخین نے اسی طرح نقل کیا ہے ۔ لیکن سیف کی روایتوں میں یہ داستان دوسری طرح میں نقل ہوئی ہے کہ جسکو آنے والی فصل میں ملاحظہ فرمائیں گے ۔

سیف کی روایت میں مالک بن نویرہ کا ارتداد

فان اقرّوا بالزکاۃ فاقبلوا منھم وان ابو فلا شیء الا الغارۃگر انہوں نے زکات ادا کی تو ان کا قصور معاف کیا جائے گا اور اگر اس سے پرہیز کریں گے تو ان کی سزا بربادی اور غارت گری کے سوا کچھ نہیں ہے... سیف کی روایت کے مطابق ، ابو بکر کا فرمان سیف کی روایتیں قارئین کرام نے مالک بن نویرہ کی داستان کے بارے میں مؤرخین کی روایتوں کا گذشتہ فصل میں مطالعہ کیا ، اب ہم اس فصل میں سیف کی روایتوں کو نقل کرتے ہیں تاکہ بعد والی فصل میں روایتوں کے ان دو مجموعہ کا آپس میں موازنہ کریں ۔

سیف ، مالک بن نویرہ کی داستان کو سات روایتوں میں تشریح کرتا ہے اور انھیں مرتد بتاتا ہے،مالک بن نویر ہ کی داستان اور ان کے ارتداد کے بارے میں سیف کی سات روایتیں حسب ذیل ہیں :ا۔ طبری ، جس جگہ بنی تمیم و سجاح کی روایت نقل کرتے ہیں!وہاں پر کہتے ہیں: پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے گماشتے اور مأمورین، قبیلۂ بنی تمیم میں زکات جمع کرنے میں مشغول تھے، پیغمبر اسلام کی رحلت کے بعد زکات وصول کرنے والے مأمورین میں شدید اختلاف ہوگیا ۔

اور وہ دو دھڑوں میں تقسیم ہوگئے، ان میں سے کچھ لوگوں نے وصول کی گئی زکات کو ابو بکر کے حوالہ کیا اور چند دیگر افراد اسے ابو بکر کے حوالے کرنے کے سلسلے میں شک میں پڑگئے اور انہوں نے زکات ادا کرنے سے پرہیز کیا تا کہ ان کی تکلیف واضح ہوجائے، مالک بن نویرہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو ابو بکر کو زکات ادا کرنے کے سلسلے میں شک میں پڑے ہوئے تھے، اس لئے وہ زکات کو ابو بکر کے ہاتھ دینے سے پرہیز کرتے تھے تا کہ یہ دیکھ لیں کہ مسئلہ کہاں تک پہنچتا ہے، اسی دوران جب سرزمین بنی تمیم میں یہ اختلاف اور دوگانگی پیدا ہوئی تھی اور وہاں کے باشندے اس اختلاف میں سرگرم تھے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد پیغمبری کا دعویٰ کرنے والا سجاح نامی شخص اچانک پیدا ہوا تا کہ ابو بکر پر حملہ کرکے اس سے جنگ کرے۔ سجاح نے مالک بن نویرہ کو ایک خط لکھا، مالک نے بھی اس کی تجویز مان لی اور وکیع اور سجاح نے مل کر ایک سہ رکنی انجمن تشکیل دی، اس انجمن میں ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے، اتحاد و یکجہتی قائم کرنے اور دوسروں سے مل کر جنگ کرنے کا عہد و پیمان باندھا ۔

۲۔ اہل بحرین کے ارتداد اور علاء حضرمی کے ان کی طرف بھیجنے کی داستان کے ذیل میں کہتے ہیں: ۱۔ تاریخ طبری ۲؍ ۴۹۵۔ جب علاء بن حضرمی ان کی طرف روانہ ہوا تو یمامہ کا مقابلہ ہوا جس کے نتیجہ میں ان کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا اور آپس میں جنگ اور مساوات کی ٹھان لی کچھ لوگ علاء سے ملحق ہوگئے راوی کے بقول کہ مالک اور اس کے ساتھی بطاح نامی جگہ پر تھے وہ ہم سے جنگ اور مقابلہ کر رہے تھے اور ہم ان سے نبرد آزما ہوئے۔

۳۔ اور مزید اس داستان کے بارے میں کہتا ہے: جب سجاح جزیزہ واپس لوٹا، مالک بن نویرہ پشیمان ہوچکے تھے اور اپنے کرتوت سے باخبر امور میں حیران و پریشان تھے، لیکن وکیع و سماعہ، جنہوں نے زکات ادا کرنے سے پرہیز کیا تھا، سیاہ کارناموں کو باقی رکھتے ہوئے نہایت اطمینان کے ساتھ خالد کے استقبال کیلئے دوڑے اور اسے زکات ادا کی ۔ اس کے بعد بنی حنظلہ کی سرزمین پر مالک

بن نویرہ اور بطاح میں اس کے اردگرد جمع ہوئے لوگوں کے علاوہ کوئی ناخوشگوار چیز باقی نہیں رہی تھی وہ بدستور پریشان تھے بعض اوقات نیک رفتار اور کبھی بد کردار بن جاتا تھا ۔

۴ ۔ اس کے بعد یوں روایت کرتا ہے '': خالد قبیلۂ اسد اور عطفان کے علاقوں کو مرتدوں سے پاک کرنے کے بعد بطاح کی طرف روانہ ہوا جہاں پر مالک بن نویرہ اپنے کام میں مشکوک تھے، انصار خالد کے بطاح کی طرف روانہ ہونے کے بارے میں تشویش میں پڑے لہذا اس کا ساتھ دینے سے پرہیز کیا اور کہا کہ : ا۔ وکان مالک فی البطاح و معہ جنودہ یساجلنا و نساجلہ۔ خلیفہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر ہمیں بزاخہ کی جنگ سے فراغت حاصل ہوجائے تو ہم اس وقت تک وہیں پر رکے رہیں جب تک کہ خلیفہ کا خط نہ ملے خالد نے کہا : کمانڈر میں ہوں اور مجھے حکم دیتے ہو اب جبکہ مالک بن نویرہ ہمارے مقابلے میں ہے میں اس کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں اور تم میں سے کسی ایک کو اپنے ساتھ آنے پر مجبور نہیں کروں گا ، اتنا کہہ کر روانہ ہوا خالد کے روانہ ہونے کے بعد انصار پشیمان ہوئے اور اسکے پیچھے روانہ ہوئے اور اس سے جا ملے اس کے بعد خالد بطاح پہنچا اور وہاں پر کسی کو نہیں پایا ۔یہاں تک جو کچھ بیان ہوا ہے وہ سیف کی چار روایتوں کا خلاصہ تھا اور اب مالک کی داستان کے ضمن میں باقی داستان ملاحظہ ہو۔

۵ ۔ طبری سیف کی ایک دوسری روایت کے مطابق یوں کہتا ہے '': خالد بن ولید جب بطاح پہنچا تو اس نے وہاں پر کسی کو نہیں پایا اور دیکھا کہ مالک نے اپنے کام میں تردید کی وجہ سے اپنے قبیلہ والوں کو متفرق ہونے کا حکم دے چکے ہیں اور انہیں ایک جگہ جمع ہونے کے بارے میں سختی سے منع کرچکے ہیں اور ان سے کہہ رہے ہیں : اے بنی یربوع کے افراد ! تم لوگ جانتے ہو کہ جب بزرگ اور سپہ سالار ہمیں دین کی دعوت دیتے تھے ،تو ہم ان کے حکم کی نافرمانی کرنے کے علاوہ، ان کے خلاف پروپگنڈا کرتے تھے تا کہ دوسرے جلدی ان کی تبلیغ سے متاثر نہ ہوں، لیکن اس مقابلہ میں ہم نے شکست کھائی، ہے میں آپ لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ خلافت کے بارے میں میرے مطالعہ کا نتیجہ یہ ہے کہ، خلافت کا کام لوگوں کی تدبیر کے بغیر آگے بڑھا ہے، اس بنا پر ایسا نہ ہو کہ تم ان لوگوں کو کہ جنکو زمانے نے ان کی مرادوں تک پہونچا دیا ہے، ان سے دشمنی کرو، اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ اور چون و

چرا گئے بغیر اس کام میں مداخلت نہ کرو، اس تقریر کے بعد لوگ متفرق ہوگئے اور مالک بھی اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگئے ۔

جب خالد بطاح پہنچا تو اپنے لوگوں کو اسلامی تبلیغات کیلئے علاقہ کے اطراف میں بھیج کر حکم دیا کہ جو بھی ان کی دعوت کو قبول نہ کرے اسے گرفتار کرکے اس کے پاس لے آئیں، اور اگر کسی نے آنے سے انکار کیا تو اسے قتل کر ڈالیں یہ انہیں منجملہ احکام میں سے تھا جو ابو بکر نے خالد کو دیا تھا کہ : جہاں پر بھی پڑاؤ ڈالنا اذان و اقامت کہنا، اگر اس علاقہ کے لوگوں نے بھی تمہارے ہمراہ اذان و اقامت کہا تو ان کے ساتھ تعارض نہ کرنا اور اگر ایسا نہ کیا تو اس کے علاوہ تمہارا اور کوئی فرض نہیں ہے کہ ان پر اچانک حملہ کرنے کا اختیار رکھتے ہو، جس طرح ممکن ہو سکے انھیں قتل کر ڈالو، حتیٰ آگ لگاؤ یا کسی اور طریقے سے اگر انہوں نے اسلام کی دعوت قبول کرلی تو ان سے پوچھ تاچھ کرو اور اگر پوچھ تاچھ کے دوران انہوں نے زکوٰۃ ادا کرنے کا اعتراف کیا تو ان کے اسلام کو قبول کرلو اور اگر اس کا اعتراف نہ کیا نہ اس کی سزا لوٹ مار کرنے علاوہ کچھ نہیں ہے ۔

مأموریت پر گئے خالد کے سپاہی واپس آئے اور مالک بن نویرہ کو ان کے قبیلہ کے افراد اور چچیرے بھائیوں کے ہمراہ پکڑ کر خالد کے پاس لئے آئے، سپاہیوں کے درمیان اختلاف پیدا ہوا بعضوں، من جملہ ابو قتادہ نے گواہی دی کہ مالک اور اس کے ساتھیوں نے اذان و اقامت کہکر نماز ادا کی ہے جب یہ اختلاف رونما ہوا تو خالد نے حکم دیا کہ مالک اور اسکے ساتھیوں کو زندان میں ڈال دیا جائے، اتفاقاً اس رات اس قدر شدید سردی تھی کہ کوئی بھی اس سردی کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا، رات کے گزرنے کے ساتھ ساتھ سردی بھی زور پکڑتی جارہی تھی، خالد نے حکم دیا کہ اپنے اسیروں کو گرم رکھو، یہ حکم جملۂ ''ادفئوا اسرا کم'' کے ذریعہ ابلاغ ہوا، کہ یہ لغت میں گرم رکھنے اور قتل کرنے کے دو کنایوں کی صورت میں استعمال ہوتا ہے، دوسروں کی لغت میں ''دفہ'' جو لفظ ادفئہ سے شباہت رکھتا ہے قتل کے معنی میں ہے، لوگوں نے جب مذکورہ جملہ سن لیا تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ خالد نے ان کے قتل کرنے کا حکم جاری کیا ہے، لہذا انہوں نے اسیروں کو قتل کر ڈالا ۔ مالک کا قاتل ضرار بن ازور تھا، جب چیخ پکار کی آواز خالد کے کانوں تک پہنچی تو وہ اپنے گھر سے باہر نکل آیا اور دیکھا کہ کام تمام ہوچکا ہے اس نے کہا : جب خداوند عالم

کسی کام کا اردہ کرتا ہے تو وہ انجام پاتا ہےاس کام کے اختتام پر ،خالد کے حامیوں کے درمیان مقتولین کے بارے میں گفتگو ہوئی اور اختلاف پیدا ہوا ،ابو قتادہ نے خالد سے مخاطب ہوکر کہا یہ تمہارا کام تھا، خالد نے اسے ایک دھمکی دی، ابو قتادہ برہم ہوکر غضب کی حالت میں روانہ ہوکر ابوبکر کے پاس آئے، لیکن ابوبکر ابو قتادہ پر غضبناک ہوئے پھر عمر واسطہ بنے، لیکن ابوبکر اس سے راضی نہ ہوئے مگر یہ کہ وہ دوبارہ لوٹ کے خالد کے پاس جائے، لہذا واپس چلے گئے اور خالد کے ساتھ مدینہ آگئے ۔ خالد نے ام تمیم بنت منہال (مالک کی بیوی) سے شادی کرلی، لیکن عدہ تمام ہونے تک اس سے ہمبستری نہیں کی[2]عمر نے ابوبکر سے کہا کہ خالد کی تلوار میں سرکشی و طغیانی ہے بالفرض اگر ہرجگہ ایسا نہ ہو،لیکن مالک کے بارے میں تو ایسا ہی ہے لہذا اس سے مالک کا قصاص لینا چاہئے اس سلسلہ میں عمر اصرار کررہے تھے لیکن ابوبکرنے اپنے کارندوں اور مأمورین میں سے کسی سے بھی قصاص نہیں لیا ،اور ان سے کہا ؛ چھوڑو عمر ! خالد اپنی نظر میں ایک تاویل کرنے میں خطا کرگیا ہے اس کے بارے میں اپنی زبان کنٹرول میں رکھو نیزاس موضوع پر اس کے بعد بات مت کرناابوبکر نے مالک کا خون بہا ادا کردیا اور خالد کے نام ایک خط لکھا ،اسے اپنے پاس بلایا ،اس نے ابوبکر کے حضور میں آکر تمام واقعہ بیان کیا ابوبکرنے خالد کے عذر کو منظور کیا اور عربوں کی نظر میں معیوب سمجھی جانے والی شادی کے سلسلے میں اس کی سرزنش کی!

٦۔ سیف ایک اور حدیث میں کہتا ہے ’’: خالد کے بعض سپاہیوں نے شہادت دی کہ ہم نے اذان و اقامت کہہ کر نماز پڑھی ہے مالک نے بھی ایسا ہی کیا لیکن کچھ دیگر سپاہیوں نے شہادت دی کہ ایسا نہیں ہوا ہے لہذا اسے قتل کردیا گیا ‘‘

٧۔ سیف نے اپنی آخری روایت میں یوں کہا ہے ’’ مالک کے سر پر گھنے بال تھے جب سپاہیوں نے مقتولین کے سروں کو دیگ کے پایہ کے طور پر استعمال کیا تو مالک کے سر کے علاوہ کوئی سر ایسا نہ بچا کہ اس کی کھال تک آگ نہ پہنچی ہو دیگ میں موجود کھانا پک کر کھانے کیلئے آمادہ ہوچکا تھا لیکن مالک کا سر گھنے بال کی وجہ سے ابھی تک جلا نہیں تھا ۔ متمم نے اس کے بارے میں کچھ

---

[1] اذا اراد اللہ امرا اصابہ۔
[2] جنگ میں ازدواج کرنا عربوں کیلئے اچھا نہیں تھا بلکہ قابل ملامت اور سرزنش کا مقام ہوتا تھا ۔

اشعار کہے ہیں، ان میں مالک کے دھنسے ہوئے پیٹ کی تعریفیں کی ہیں، جو جنگی سورماؤں کے افتخارات میں شمار ہوتا تھا، عمر نے اس سے پہلے دیکھا تھا کہ مالک کس طرح پیغمبر اسلام ؐ کے حضور میں حاضر ہوئے تھے لہذا انھوں نے کہا؛ مگر ایسا ہی تھا اے متمم! اس نے جواب میں کہا؛ میری نظر میں ایسا ہی تھا ۔ جو کچھ ہم نے سیف کی روایتوں میں پایا، اس کا یہ ایک خلاصہ تھا، انشاء اللہ آئندہ فصل میں متن اور سند کے لحاظ سے تحقیق کریں گے۔

مالک کی داستان کے بارے میں سیف کی روایتوں کی چھان بین و بکل ذلک اثبت ارتداد مالک بن نویرہ.... سیف من گڑھت روایتوں سے مالک کے ارتداد کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے ....

مؤلف: انا علی الاسلام لا غیّرت ولا بدّلت میں اپنے اسلام پر ثابت و پائیدار ہوں نہ میں نے دین میں تغیر پیدا کیا ہے اور نہ تبدیلی کی ہے ۔ مالک بن نویرہ

گزشتہ فصلوں کا ربط

ہم نے گزشتہ دو فصلوں میں مالک بن نویرہ کی داستان کے بارے میں سیف کی روایتوں اور دیگر مؤرخین کی روایتیں درج کی ہیں، اب ہم اس فصل میں اس جگہ پر سیف کی روایتوں کو دیگر مؤرخین کی روایتوں سے تطبیق اور موازنہ کرکے تحقیق کریں گے پھر متن اور سند کے لحاظ سے ان کی جانچ پڑتال کریں گے ۔ جب ہم سیف کی روایتوں کی اسناد کی تحقیق کرتے ہیں اور ان کے متن کو دوسروں کی روایتوں سے ملاتے اور موازنہ کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سیف کی روایتیں متن اور سند کے لحاظ سے بے بنیاد اور ناقابل اعتبار ہیں، یہاں پر ہم پہلے سیف کی روایتوں کی سند کی چھان بین کریں گے اور پھر ان کے متن پر بحث کریں گے ۔

سند کے لحاظ سے سیف کی روایتوں کی قدر و قیمت: سیف نے روایت نمبر ١، ٢ و ٣ کو صعب بن عطیہ سے نقل کیا ہے اور کہتا ہے: صعب نے بھی اپنے باپ عطیہ بن بلال سے روایت کی ہے اور اپنی پانچویں اور ساتویں روایت کو عثمان بن سوید بن مثعبہ سے نقل کیا

ہے ۔ عطیہ اور صعب باپ، بیٹے اور عثمان بن سوید کی آشنائی کیلئے ہم نے علم حدیث اور سند شناس دانشوروں کی رجال کی کتابوں کی طرف رجوع کیا تو ہمیں عطیہ و صعب کے بارے میں کہیں کوئی اثر نہ ملا لیکن، عثمان بن سوید ، اگرچہ تاریخ میں سوید بن مثعبہ یا سوید بن شعبہ کا نام ملتا ہے لیکن اس کیلئے عثمان نامی کوئی فرزند ذکر نہیں ہوا ہے اہل فن کی نظر میں واضح اور مسلم قاعدے کے مطابق ان راویوں کو سیف کے ذہن کی تخلیق جاننا چاہئے اور اس مطلب کی وضاحت کے سلسلے میں ہم کہتے ہیں : سیف نے بہت سے لوگوں کیلئے بیٹے جعل کئے ہیں چنانچہ حواب کے کتوں کی داستان میں ام قرفہ کیلئے ''ام زمل'' نامی ایک بیٹی تخلیق کی ہے اور ہرمزان کیلئے قاذبان نامی ایک بیٹا جعل کیا ہے چانچہ یہ بحث آئے گی، ''جعلی اصحاب''کی بحث میں ہم دیکھیں گے کہ ایک سو پچاس سے زائد راوی و اصحاب اس کی کے ذہنی تخلیق کا نتیجہ ہیں جن کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں ہے اور ان کا کسی کتاب میں نام و نشان تک نہیں ملتا ، لہذا ہم ناچار ہیں کہ عثمان بن سوید کو بھی سیف کے ذہن کی تخلیق سمجھیں ۔

راویوں کے طبقات

یہاں پر ممکن ہے سوال کیا جائے کہ : کس وجہ سے سیف نے جن راویوں سے روایتیں نقل کی ہے ان کا نام و نشان کتابوں میں نہیں ملتا اور وہ سیف کے خیالات کی تخلیق ہیں ؟اس سوال کے جواب کو واضح کرنے کیلئے ہم کہتے ہیں: علم حدیث کے علماء نے حدیث کے راویوں کی طبقہ بندی کی ہے:طبقۂ اول میں: وہ لوگ ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہم عصر تھے اور بلا واسطہ آپ سے روایت نقل کرتے ہیں اس گروہ کو اصحاب یا صحابہ کہتے ہیں ۔

طبقہ دوم : وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو درک نہیں کیا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب سے ملاقات کی ہے اور ان سے روایت کرتے ہیں انھیں تابعین کہتے ہیں اور تابعین میں سے جنہوں نے دس اصحاب یا دس سے زیادہ اصحاب سے روایت کی ہو انھیں ''بزرگان تابعین'' کہتے ہیں: تیسرا طبقۂ : یہ تابعین کے وہ افراد ہیں جنہوں نے بعض اصحاب سے حدیث روایت کی ہو اور اس گروہ کا زمانہ ولید اموی کی خلافت کے اختتام ۱۲۶ھ پر ختم ہوتا ہے ۔

چوتھا طبقۂ : یہ تابعین کا آخری گروہ اور ان کے ہمعصر راوی ہیں او راس طبقہ نے غالباً طبقۂ اول کے تابعین سے روایت کی ہے اور ان میں سے بعض نے بھی بعض اصحاب کو درک کیا ہے اس طبقہ کا زمانہ،بنی امیہ کی خلافت کے اختتام ۱۳۲ھ پر ختم ہوتا ہے ۔

پانچواں طبقۂ :یہ وہ راوی ہیں جو طبقہ چہارم کے بعد تھے اور ان کا زمانہ منصور عباسی کی خلافت کے اختتام تک تھا ۔

چھٹا طبقۂ : یہ وہ راوی ہیں جن کا زمانہ مأمون کی خلافت کے اختتام تک ختم ہوتا ہے[1] اور یہ طبقہ بندی چودہ طبقۂ تک پہنچتی ہے بعض علماء نے دوسرے طریقے سے طبقہ بندی کی ہے جن راویوں نے ہجرت کے پہلے دس برسوں کے دوران وفات پائی ہے انکو پہلے طبقہ سے جانا جاتا ہے اور جنہوں نے دوسرے دس سال میں وفات پائی ہے انھیں دوسرا طبقہ اور اسی طریقہ سے طبقات کے سلسلہ کو آگے بڑھایا جاتا ہے چونکہ دینی علم پہلی صدی ہجری کے اوائل میں قرائت قرآن اور روایت حدیث تک منحصر تھا اوراس کے بعد صرف روایت حدیث اہم ترین دینی علم حساب ہوتا تھا ، لہذا صحاب و تابعین اور ان کے بعد جنہوں نے حدیث روایت کی ہے انھیں عالم کہا جاتاہے جس سے روایت کی گئی ہے اسے شیخ کہا جاتا ہے ہر شیخ (جو روایت کا استاد تھا) کو معین کیا گیا ہے جس کے چند شاگرد تھےاور ہر شاگرد نے راوی کی تعیین کی ہے جنہوں نے چند شیوخ سے اخذ کیا ہے ان کے اساتید کون ہیں ؟پھر اس وقت کس طرح ہر ایک کے تفصیلی حالات بیان کرتے ہیں کہ کس شہر میں زندگی گزار رہے تھے با تقویٰ اور پرہیزگار تھے یا یوں ہی ضعیف عقیدہ ،شیعہ تھے یا سنی، خارجی تھے یاغالی مرجئی تھے یا قدری، معتزلی تھے یااشعری، خلق قرآن کے قائل تھے یا اس کے قدیم ہونے کے، حاکم وقت کے درباسے دور تھے یا درباری تھے، قوی حافظہکے مالک تھے یا ضعیف حافظہ والے ،سچ بولنے والے تھا یا جھوٹ بولنے والے ،آخر عمر تک اس کی عقل کام کرتی تھی یا آخری عمر میں ضعیف العقل ہوگئے تھے ،حدیث نقل کرنے میں کسی دوسرے کے ساتھ شریک تھے یا تنہا روایت کرتے تھے حتی راویوں کی جمع کی گئی حدیثوں کے نمبر تک بھی معین کئے گئے ہیں ۔

[1] تذکرہ حفاظ کے چار جلد ، طبع حیدر آباد کو طرف رجوع کیا جائے ۔

بعض طبقات اپنے شاگرد کے نام پر روایت نقل کرنے کی اجازت نامے جاری کرتے تھے اور شاگرد (راوی) کو سر ٹیفکیٹ دیتے تھے او خود ان روائی اجازوں کو کو علماء نے دسیوں جلد کتابوں میں ضبط کیا ہے اور اس کے علاوہ دسیوں کوائف حدیث کے راویوں کے بارے میں لکھے گئے ہیں علم حدیث کی اتنی اہمیت تھی کہ اسے دیکھنے کیلئے ایک شہر سے دوسرے شہر میں جاتے تھے، جیسے کہ آج کل علم حاصل کرنے کیلئے ایک ملک سے دوسرے ملک میں سفر کرتے ہیں خراسان سے مدینہ، یمن سے مصر اور ری سے بغداد جاتے تھے، نیز نیشابور، کوفہ، بصرہ، بلخ اور سمرقند وغیرہ جاتے تھے۔

راویوں کے حالات میں تالیف کی گئی کتابیں چند حصوں میں تقسیم کی گئی ہیں، اکثر کتابوں میں راویوں کے نام او رمؤلف کا زمانہ الف باء کی ترتیب سے لکھا گیا ہے اور ان کے حالات کی تشریح بھی لکھی گئی ہے جیسے : ''تاریخ کبیر''، ''وسیط بخاری'' صاحب صحیح بخاری، ''جرح و تعدیل''رازی، تہذیب بن مزی، میزان الاعتدال ذہبی، تہذیب التھذیب، لسان المیزان، ابن حجر عقلانی کی تقریب التھذیب۔

بعض کتابیں سال کی ترتیب سے لکھی گئی ہیں، یعنی ہر ایک راوی کی زندگی کے حالات اس کی وفات کے سال میں لکھے گئے ہیں، جیسے : ''التھذیب'' ابن حجر عقلانی، ''العبر'' تالیف ذہبی، ''شذرات الذہب'' تالیف ابن عمار، ''الرفیات'' تالیف صلاح الدین صفری، ''تکملۃ الرفیات'' مندری، اور بعض تاریخ کی کتابوں سے بھی راوی کے سال وفات میں اس کے حالات کی تشریح لکھی ہے، جیسے : ''ابن اثیر''، ''ابن کثیر''، ذہبی نے ''تاریخ اسلام کبیر'' میں، ابن سعد نے طبقات میں ہر شہر کے راویوں کی طبقہ بندی کی ہے، جیسے : مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، ری، بغداد، یمن اور شام کے راوی، جن علماء نے شہروں کیلئے مخصوص تاریخ لکھی ہے انہوں نے ان شہروں میں رہنے والے راویوں یا ان شہروں سے گزرنے والے راویوں کے حالات کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے، جیسے : ابن عساکر کی ''تاریخ دمشق''، خطیب بغدادی کی ''تاریخ بغداد''، ابو نعیم اصفہانی کی ''تاریخ اصفہان'' حموی نے معجم البلدان میں شرح بلاد کے ضمن میں ان شہروں سے منسوب راویوں کو بھی لکھا ہے۔

بعض روات کسی شہر کی طرف منسوب ہوئے یا لقب سے مشہور تھے، جیسے : اصفہان،طبری، عکلی، عمری ،برجمی و. بعض دانشوروں نے ایسے راویوں کے حالات زندگی پر کتابیں لکھی ہیں، جیسے : سمعانی نے ''انساب'' میں اور ابن اثیر نے '' لباب الانسابمیں اس نسبت کا ذکر کیا ہے اور جو بھی راوی اس نسبت سے مشہو تھے اس کو لکھا ہے، جب کبھی راویوں کے نام میں کوئی غلطی ہوجاتی تھی تو اس غلطی کو دور کرنے کیلئے کتابیں لکھی جاتی تھی، جیسے : المختلف و المؤتلف اور المشتبہ و الاکمال ۔ خلاصہ یہ کہ،جیسا کہ ہم نے کہا کہ علم حدیث، ایک اہم ترین علم او رمسلمانوں کی دلچسپی کا علم تھا ۔ اس سلسلے میں تمام کوشش و تلاش کی گئی ہے کہ سند شناسی کے لحاظ سے کوئی تاریک نقطہ باقی نہ رہے ۔ اس کے پیش نظر اگر ہم نے دیکھا کہ ، سیف نے اپنی روایتوں کو اپنی دو کتابوں '' فتوح '' اور '' جمل ''میں جمع کیا ہے اور کسی سبب سے جسے ہم نے مناسب جگہ پر بیان کیا ہے ان دوکتابوں کو اس نے بنی امیہ کے زمانے میں لکھا ہے اس زمانے تک حدیث کے راوی گنے چنے تھے اور اس کے علاوہ سند شناسی کی کسی کتاب میں سیف کے راویوں کا نام و نشان نہیں پایا جاتا ہے، خاص طور پر جو تجربہ ہم سیف کے احادیث گڑھنے کے بارے میں رکھتے ہی، ہمارے لئے مسلم طور پر ثابت ہوگا کہ وہ راوی صرف اور صرف سیف کے خیال کے پیداوار ہیں اور کچھ نہیں ۔

قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ ہم سیف کی روایتوں کی سند کی پڑتال اور تحقیق میں صرف اس زاویے کی طرف توجہ مبذول کراتے کہ اس حدیث کا فلان راوی وجود و خلقت کے بنیادی اصول کے تحت سیف کے خیال کی پیدائش ہے اور اسی زاویہ پر اکتفا کرتے ہیں، لیکن دوسرے زاویئے جو حدیث شناسی کے فن کے لحاظ سے روایت کی سند کی بناوٹ میں ہماری نظر میں قابل اعتراض ہیں جیسے : فلاں راوی کے بارے میں روایت کی سند میں باجود اس کے اس کا نام تاریخ میں ذکر ہوا ہے اور حقیقت میں راویوں میں سے ایک ہے، لیکن سیف کا اس سے روایت کرنا محل اشکال ہے جیسے اس داستان کی پانچویں روایت ہم اس قسم کے اشکالات کو نظر انداز کریں گے ۔فی الجملہ چونکہ رجال کی کتابوں میں عطیہ، صعب او رعثمان بن سوید کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا ،اس لئے ہم مجبور ہیں کہ انہیں سیف کے ذہن کی پیداوار شمار کریں ،اور یہ کام علمائے حدیث کے راویوں کی نظر میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے اور

اسے ناقابل بخشش گناہ سمجھا جاتا ہے لیکن یہ سیف کی نظر میں ایک انتہائی سہل و آسان کام ہے جی ہاں ! اس سادگی اور آسانی کے ساتھ کہتا ہے کہ : صعب بن عطیہ نے اپنے باپ عطیہ بن بلال سے میرے لئے روایت کی ہے ؟! اور ان چند جملوں کے ذریعہ اس نے بیٹے، باپ اور جد پر مشتمل ایک گھرانے کو خلق کیا ہے تا کہ اپنی روایتوں کیلئے سند جعل کر سکے یہ تھی سیف کی روایتوں کی سند اور ملاحظہ ہو ان کا متن اور صحیح روایتوں سے ان کا موازنہ: متن کے لحاظ سے سیف کی روایتوں کی قدر و قیمت جب ہم سیف کی روایتوں کے متن کا دوسروں کی روایتوں سے تطبیق اور موازنہ کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سیف بن عمر نے ان روایتوں کے ایک حصہ کو مکمل طور پر جعل کیا ہے اور ان کے ایک حصہ میں اپنی مرضی کے مطابق تحریف کر کے ان میں کچھ مطالب کا اضافہ کر دیا ہے، تاکہ اس طرح، خالد بن ولید پر کئے گئے اعتراض اور تنقید کا دفاع کر سکے اور اس نظریہ کی حمایت کیلئے پہلے اہل بحرین، بنی تمیم اور سجاح کی روایتوں کو نقل کرنے کے ضمن میں راہ ہموار کی ۔

اور وہاں پر مالک کے شک و شبہہ کا ذکر کیا ہے اور اس کے مقابلے میں ثابت قدم مسلمانوں کے ایک گروہ کو جعل کیا ہے اور انہیں مالک کے طرفداروں سے مجادلہ اور نبرد آزمائی کرتے دکھایا ہے اور ابو بکر کو ثابت قدم مسلمانوں پر حملہ کی غرض سے نبوت کے مدعی سجاح سے مالک کی موافقت جعل کی ہے، سجاح کی واپسی کے بعد مالک کو حیران و پریشان دکھایا ہے جبکہ مؤرخین میں سے کسی ایک نے نہیں کہا ہے کہ مالک نے ضرار کے ہاتھوں گرفتار ہونے کے وقت اپنے ارد گرد کچھ لوگوں کو جمع کیا تھا اور اپنے ساتھ ایک فوج تیار کر رکھی تھی، جیساکہ سیف نے کہا ہے، سیف اپنی رسوائی سے بچنے کیلئے چارہ جوئی کے طورپر اپنی چوتھی روایت میں اس زاویہ کو اپنے خیال میں اس وضاحت کے ساتھ تصحیح کرتا ہے کہ مالک نے اپنے حامیوں کو حکم دیا کہ متفرق ہوجائیں او رمالک کا یہ کام اس لحاظ سے نہیں تھا کہ اس نے اپنی کارکردگی سے پشیمان ہوکر توبہ کیا ہو بلکہ اس خوف و دہشت کی وجہ سے تھا جو اس پر طاری ہوا تھا ۔آخر کار ان باتوں نے رفتہ رفتہ مالک کے ارتداد کو ثابت کیا اس نے مالک کے ارتداد کو نہ صرف ان روایتوں سے ثابت کیا ہے بلکہ دوسری روایتوں میں بھی جس میں خالد کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے مالک کے ارتداد کو ثابت کیا ہے اور یہ کام اس

غرض سے انجام دیا ہے تاکہ کوئی اس امر کی طرف متوجہ نہ ہوجائے کہ مالک پر لگائی گئی تہمت در حقیقت خالد یا کسی اور کے دفاع میں ہے اور گر یہ ثابت ہوجائے کہ مالک کا قاتل خالد ہے تو عام فیصلہ خالد کے حق میں دیا جائے کہ اس نے ایسے شک کرنے والے مرتد شخص کو قتل کیا ہے ۔ اس کے بعد اس نے خالد کی سپاہ میں موجود انصار اور خالد کے درمیان فرضی اختلافات درست کئے ہیں تاکہ خالد کا گناہ ابوبکر کی گردن پر نہ پڑے اور تاریخ پڑھنے والا خالد کے اس عمل کو ابوبکر سے نسبت نہ دے، سیف کی گڑھی ہوئی روایت میں انصار نے ابوبکر کا دفاع کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابوبکر نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا ہے،اور خالد پر یہ الزام نہ لگا سکے کہ وہ اس جرم کر مرتکب ہوا ہے چونکہ خالد نے واضح کیا ہے کہ اسے پے در پے فرمان ملتے تھے تا کہ تنقید و اعتراض صدا بصحرا ہوجائے ۔پھر راہ ہموار کرنے کے بعد سیف کہتا ہے : خالد نے اپنے سپاہیوں کو اسلام کی تبلیغ کرنے کیلئے مختلف علاقوں میں بھیجا اور حکم دیا کہ جو بھی ان کی دعوت کو قبول نہ کرے ،اسے گرفتار کریں ،ابوبکر سے نقل کی گئی ایک سفارش کے تحت اس سے کہیں زیادہ اور سخت تر سزا کا قائل ہوا ہے مزید کہتا ہے کہ مالک کے سپاہیوں کو دھوکہ دے کر خالد کے پاس لایا گیا جبکہ وہ خود بھی مالک کے باب میں اختلاف رکھتے تھے اس کے بعد خالد حکم دیتا ہے کہ مالک اور اس کے ساتھیوں کو جاڑے کی سرد رات میں جیل میں ڈالدیں اور انھیں گرم رکھنے کا انتظام کریں ،فوجیوں نے اس گمان سے کہ خالد کنایہ میں بات کرتا ہے زندانیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے ،ان سب کو قتل کر ڈالا جب چیخ و پکار اور گریہ و زاری کی آوازیں خالد کے کانوں تک پہنچیں تو وہ باہر آیا لیکن دیکھا کہ کام تمام ہوچکا ہے اور فوجی ,قیدیوں کا قتل عام کرکے فارغ ہوچکے ہیں پھر اس کے بعد کہتا ہے : خالد نے عدہ تمام ہونے کے بعد مالک کی بیوی سے ہمبستری کی، تنہا اعتراض جو خالد کیلئے باقی رہتا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے جنگ کی حالت میں شادی کی ہے جو عربوں میں قبیح فعل شمار ہوتا ہے ،اسی طرح اس نے ابو قتادہ خالد اور عمر کے درمیان گزرے واقعات کو تحریف کے ساتھ پیش کیا ہے۔جی ہاں !اس کے خیال میں مالک کو غلطی سے قتل کیا گیا ہے اور اس کا سبب یہ تھا کہ خالد کے سپاہیوں نے خیال کیا تھا کہ خالد نے ان کے ساتھ کنایہ میں بات کی ہے، ہم تو یہ نہ سمجھ سکے کہ اس خیال کا سرچشمہ کیا تھا ؟ باوجودیکہ خود خالد قبیلۂ قریش اور بنی مخزوم سے تعلق

رکھتا تھا اور ضرار بن ازور (قاتل) قبیلۂ بنی اسد و بنی ثعلبہ سے تھا ، بالفرض اگر یہ قتل غلطی کے سبب بھی انجام پایا تھا ، تو مقتولین کے قلم کئے گئے سروں کو کیوں کھانا پکانے والی دیگوں کے پایہ کے طور پر استعمال کیا گیا ؟ یہ اور اس کے علاوہ دیگر نکات (جن کی طرف ہم پہلے اشارہ کرچکے ہیں ہے) ایسے مطالب ہیں جنہیں صرف سیف نے نقل کیا ہے اور ا سکے علاوہ کسی اور نے نقل نہیں کیا ہے لیکن کیا کیا جائے کہ طبری جیسے مؤرخ پیدا ہوتے ہیں اور اس کی باتوں کو اپنی تاریخ میں درج کردیتے ہیں اور دوسرے بھی مانند ابن اثیر ، ابن کثیر ، میر خوان جیسے لوگ اپنی تاریخ کی کتابوں میں طبری سے نقل کرتے ہیں ا ور اسی طرح ابن حجر بھی اپنی کتاب الاصابہ میں انھیں درج کرتے ہیں۔

نتیجہ کے طور پر سیف کی گڑھی ہوئی روایتیں ابن حجر بھی اپنی کتاب الاصابہ میں انھیں درج کرتا ہے نتیجہ کے طور پر سیف کی گڑھی ہوئی روایتیں تاریخ اسلام اور رجال کی کتابوں میں شائع ہوجاتی ہیں اور حقیقت واقعہ آئندہ نسلوں سے پوشیدہ رہ جاتاہے مگر یہ کہ کوئی (سیف کے علاوہ) دوسروں کی لکھی گئی تاریخ او ر تشریح کا سنجیدہ گی سے مطالعہ کرکے چھان بین کرے تا کہ اس پر حقیقت امر واضح اور روشن ہوجائے اور جان لے کہ سیف کے کہنے کے علاوہ دیگر مصادر نے بھی (جیسا کہ اس سے پہلے کہا گیا)خالد کا مالک کے قتل کا حکم دینا نقل کیا ہے ، جیسے : فتوح البلدان بلاذری[1]، تاریخ ابن عساکر تاریخ الخمیس ج ۲، ص ۲۳۳، نہایۃ ابن اثیر ج ۳، ۲۵۷، صواعق المحرقہ ص ۲۱، تاج العروس زبیدی ج ۸، ص ۷۵ وغیرہ یہ تھی '' ردہ '' کی جنگوں میں سے ایک جنگ کی داستان و علی ھذہ فقس ما سواھا اور اسی پر باقی کو قیاس کیجئے۔

علاء حضرمی کی داستان اور بحرین کے لوگوں کا ارتداد واقتتلوا قتالا شدیداً فا ترکوا بھا مخبراً '' علاء کے سپاہیوں نے دارین کے لوگوں سے ایسی جنگ کی اور ان پر تلوار چلائی کہ حتی ان میں سے ایک شخص بھی زندہ نہیں بچا '' سیف:علاء حضرمی ، عبداللہ بن عماد بن اکبر بن ربیعہ بن مالک بن عویف حضرمی کا بیٹا ہے اس کا باپ مکہ کا باشندہ تھاا ور حرب بن امیہ کا ہم پیمان تھا، علاء کو رسول خداؐ

[1] ج ۵، ۱۰۵ ، ۱۱۲۔

نے بحرین کا گورنر مقرر رفرمایا تھا، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد ابو بکر نے بھی اسے اسی عہدہ پر برقرار رکھا اور عمر کے زمانے میں بھی اسی عہدہ پر برقرار تھا یہاں تک کہ ۱۴ھ یا ۲۱ھ میں اس دنیا سے چلا گیا[1] سیف کی روایتوں میں علاء کی داستان: طبری نے سیف سے اور اس نے منجاب بن راشد[2] سے نقل کیا کہ ابو بکر نے علاء حضرمی کو حکمدیا کہ بحرین کے مرتد لوگوں سے جنگ کریہاں تک کہتا ہے ''": ہمیں دہنا[3] کے راستہ سے روانہ کیا، جوں ہی ہم اس بیابان کے بیچ میں پہنچ گئے اور خداوند عالم نے اپنی آیات میں سے ایک آیت کو ہمیں دکھانا چاہا، علاء مرکب سے نیچے اترا اور لوگوں کو بھی حکم دیاکہ اپنے اپنے مرکبوں سے نیچے اتریں ، جب ہم سب نے وہاں پر پڑاؤ ڈالا تو ہمارے اونٹوں نے اندھیری رات میں اچانک فرارکیا اور ہمارا پورا مال و منال اس ریگستاں میں ایسے نابود ہوا کہ پڑاؤ ڈالتے وقت نہ ہمارے اونٹ کہیں تھے اور نہ زاد راہ کا نام و نشان موجود تھا ، کیوں کہ ہمارے اونٹ سب کچھ لے کر ریگستان میں غائب ہوچکے تھے ہم نے کسی مصیبت زدہ گروہ کو اس حالت میں نہیں دیکھا تھا جو اس رات ہم پرگزری ، ہم اس حد تک مصیبت میں گرفتار ہوئے تھے کہ اپنی زندگی سے بھی مایوس ہوچکے تھے اور ہم میں سے ہر ایک ، ایک دوسرے کو وصیت کرتا تھا ، اسی اثناء میں علاء کے منادی نے آواز بلند کرکے سپاہیوں کو ایک جگہ جمع ہونے کا اعلان کیا ہم سب علاء کے اردگرد جمع ہوئے ، اس نے ہم سے مخاطب ہوکر کہا ؛ تم لوگوں میں یہ کیا حالت پیدا ہوئی ہے ؟

لوگوں نے جواب میں کہا : کیا یہ ملامت کا موقع ہے ؟ اگر ہم اس موجودہ صورت حا ل میں رات گزاریں گے تو کل سورج روشن ہونے سے پہلے ہی ہمارا نام و نشان باقی نہیں رہے گا ۔ علاء نے کہا : اے لوگو ! نہ ڈرو کیا تم مسلمان نہیں ہو ؟ کیا تم خدا کی راہ میں قدم نہیں اٹھا رہے ہو ! کیا تم خدا کے یاور نہیں ہو ؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں ! اس نے کہا : پھر میں تمہیں نوید دے رہا ہوں ، خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ خداوند عالم ہرگز تمہارے جیسی حیثیت کے مالک فرد کو ذلیل و خوار نہیں کرے گا جب صبح نمودار ہوئی منادی

[1] الاستیعاب ج ۳، ص ۱۴۶ ۱۴۸۰ ، الاصابہ ۴۹۱۔
[2] اغلب گمان یہ ہے کہ منجاب بن راشد سیف کی خیالی پیداوار ہے ہم مناسب جگہ پر کہیں گے کہ سیف نے اس قسم کے اصحاب بہت جعل کئے ہیں۔
[3] دہنا بنی تمیم کے قبیلہ کی زمینوں میں سے ہے جس میں ر یت کے سات پہاڑ تشکیل پائے ہیں ،معجم البلدان ج۴، ۱۱۵

نے نماز کیلئے اعلان کیا اور علاء نے نماز ہمارے ساتھ پڑھی ہم میں سے بعض نے تیمم کرکے نماز پڑھی اور بعض دیگر ابتدائے شب ہی سے با وضو تھے علاء نے جب نماز سے فراغت حاصل کی تو دو زانو بیٹھ گیا . لوگ بھی دو زانو بیٹھ گئے ، اس نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے ، اس دوران سورج کی گرمی کی وجہ سے دور سے پانی کی لہریں نظر آنے لگیں ، علاء نے جماعت کے صف کی طرف رخ کرکے کہا ؛ کوئی جاکر دیکھ لے یہ کیا ہے تو ایک شخص جاکر واپس آیا ، اس نے کہا : یہ ایک سراب کے علاوہ کچھ نہیں ہے ، علاء نے پھر سے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے ، ایک اور سراب نمودار ہوا جو بالکل پہلے کی طرح تھا ، اس کے بعد پھر سے پانی کی لہریں دکھائی دینی لگیں ، اس دفعہ ہمارا راہنما واپس آکر بولا '' پانی ہے ''

پھر علاء اٹھا اور لوگ بھی اٹھے ہم سب پانی کی طرف روانہ ہوئے اور پانی تک پہنچ گئے ہم نے پانی پی لیا ور اور ہاتھ منہ دھویا ، ابھی سورج بلند نہ ہوا تھا کہ ہم نے دیکھا ہمارے اونٹ ہر طرف سے ہماری طرف ہانکے جارہے ہیں ، جب وہ ہمارے پاس پہنچے تو ہمارے سامنے جھک کر بیٹھ گئے اور ہر ایک نے اپنے اونٹ کو پکڑلیا ، ان کے مال کا ایک ذرہ بھی کم نہیں ہوا تھا ہم نے اپنے مرکبوں کو پانی پلایا او خود بھی سیراب ہوئے اور ہم وہاں سے روانہ ہوگئے ابوہریرہ میرے ساتھ تھا ، جب ہم اس جگہ سے آگے بڑھے اور وہ جگہ نظروں سے اوجھل ہوئی ، تو ابو ہریرہ نے مجھے کہا : کیا پانی کی جگہ کو پہچان سکتے ہو؟ میں نے جواب میں کہا : تمام لوگوں سے بہتر میں اس سرزمین کے بارے میں آشنا ہوں اس نے کہا : میرے ساتھ آؤ تا کہ مجھے اس پانی کے کنارے پہنچادو ، ہم دونوں ایک ساتھ آکر اس جگہ پہنچے ، لیکن ہم نے انتہائی تعجب کے ساتھ مشاہدہ کیا کہ نہ وہ تالاب موجود تھا اور نہ پانی کا کہیں نام و نشان باقی تھا میں نے اس سے کہا : خدا کی قسم اگر میں تالاب کو یہاں غائب نہ پاتا تو کہتا : یہ وہی جگہ ہے ، دلچسپ کی بات یہ ہے کہ میں نے اس سے پہلے بھی یہاں پر پانی نہیں دیکھا تھا ، ہم اس گفتگو میں لگے تھے کہ ابو ہریرہ کی نگاہ اس کے اپنے لوٹے پر پڑی جو پانی سے بھرا تھا ، اس نے کہا : اے ابو سھم خدا کی قسم یہ وہی جگہ ہے اور میں اسی لوٹے کیلئے واپس آیا ہوں اور تجھے بھی اسی لوٹے کیلئے اپنے ساتھ لے آیا ہوں میں نے اس میں پانی تالاب کے کنارے رکھا تھا تا کہ واپس آکر دیکھو لوں کہ پانی کا کوئی اتا پتہ ہے کہ نہیں اس صحرا

میں پانی کا نمودار ہونا ایک معجزہ تھا ، اب مجھے معلوم ہوا کہ یہ معجزہ لہذا بوہریرہ نے خدا کا شکر ادا کر کے ہمراہ روانہ ہوگیا ۔ اس کے بعد سیف بحرین کے مرتد لوگوں سے علاء کی جنگ کی داستان نقل کرتا ہے اور اس سلسلے میں کہتا ہے : علاء کی فوج نے اس رات میں (جب سب مست تھے) فتح پائی یہاں تک اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۵۲۶ پر لکھتا ہے جب علاء نے اس طرف سے خاطر جمع ہوکر سکون حاصل کیا تب اس نے لوگوں کو شہر '' دارین '' کی طرف روانہ ہونے کی دعوت دی اور ان کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا اور بولا : خداوند عالم نے شیاطین اور جنگ سے فرار کرنے والوں کو اس شہر میں جمع کیا ہے ، اس نے اپنی آیات صحرا میں تمہارے لئے دکھلائی ہیں، تا کہ تم لوگوں کیلئے عبرت اور اطمینان کا سبب بنو ،لہذا اٹھو! اور اپنے دشمن کی طرف رخ کر کے سمندر میں کود پڑو کہ خداوند عالم نے تمہارے دشمن کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے ۔

فوجیوں نے کہا : خدا کی قسم صحرائے '' دھنا '' کی داستان کے بعد مرتے دم تک ہم کسی بھی خطرناک واقعہ کے رونما ہونے سے خائف نہیں ہوں گے ۔ علاء اپنے مرکب پر سوار ہوا ور اس کے فوجی بھی سوار ہوئے اور سمندر کے ساحل پر پہنچے ، علاء اور اس کے سپاہی یہ دعا پڑھ رہے تھے : یا ارحم الراحمین یا کریم یا حلیم یا احد یا صمد یا حی یا محیی الموتی یا حی یا قیوم لا الہ الا انت یا ربنا اس کے بعد خدا کا نام لے کر سمندر میں کود پڑے ان کے قدموں تلے سمندر کا پانی نرم زمین کے مانند تھا پانی صرف اونٹوں کے سموں کے اوپر والے حصہ تک پہنچتا تھا دریا سے شہر دارین تک سمندر میں کشتیوں کے ذریعہ ایک دن رات کا فاصلہ تھا ۔ '' دارین '' پہنچ کر وہ دشمن کی فوج سے نبرد آزما ہوئے ، گھمسان کی جنگ ہوئی ، دشمن پر انہوں نے ایسی تلوار چلائی کہ ان میں سے ایک نفر بھی زندہ نہ بچا ، جو ان کی کوئی خبر لاتا ان کے بال بچوں کو اسیر کیا گیا اور ان کا مال لوٹ لیا گیا ، اس قدر دولت ہاتھ آئی کہ ہر سوار کو چھ ہزار اور ہر پیادہ کو دو ہزار کا حصہ ملا پھر وہ اسی روز اس طرح واپس چلے گئے جس طرح آئے تھے ، عفیف بن منذر نے اس واقعہ کے متعلق یوں کہا :

ألم تر ان اللہ ذلّل بحرہ

و انزل بالکفار احدی اا الجلائل

دعونا الذی شق الرمال فجائنا

باعجب من فلق البحار الاوائل

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خداوند عالم نے کس طرح سمندر کی پر خروش اور سرکش لہروں کو رام کیا اور کفار کے سر پر ایک بڑی بلاء و مصیبت ڈال دی ؟ ہم نے ایک ایسے خدا سے التجا کی جس نے ریگستان کی ریت کو توڑ دیا (اور ہمارے لئے پانی جاری کیا) اس نے بھی ہماری دعا قبول کی اور ایسا کام کیا کہ گزشتہ زمانوں میں (دوران فرعون) سمندر کو چیرنے سے عجیب تر تھا ۔ اسکے بعد طبری کہتا ہے '': جب علاء بحرین واپس آیا تو اس قت اس سرزمین میں اسلام پائدار و مستحکم ہوگیا تھا اہل اسلام عزیز اور اہل شرک ذلیل ہوگئے مسلمانوں کے ہمسفر ایک راہب نے اسلام قبول کیا تو اس سے سوال کیا گیا کہ تیرے اسلام قبول کرنے کا کیا سبب ہوا ؟ اس نے جواب میں کہا ؛ میں نے تین چیزوں کا مشاہدہ کیا اور ڈر گیا کہ اگر ان کا مشاہدہ کرنے کے باوجود ایمان نہ لاؤں، تو خداوند عالم مجھے ایک حیوان کی صورت میں مسخ کردے گا ۔

ا ۔ ریگستان میں جاری ہونے والا پانی

۲ ۔ سمندر کی طوفانی لہروں کا راستہ میں تبدیل ہونا ۔

۳ ۔ ہنگام سحر لشکر اسلام سے جو دعا میں نے سنی ۔

سوال کیا گیا : وہ دعا کیا تھی ؟ اس نے کہا : اللّٰھم انت الرحمن الرحیم، لا الہ غیرک، و البدیع لیس قبلک شیء و الدائم غیر الغافل، و الحی لا یموت، و خالق ما یری، و ما لا یری و کل یوم انت فی شأن و علمت اللّٰھم کل شیء بغیر تعلّم ، پھر مجھے معلو ہوا کہ ملائکہ ان لوگوں کیلئے

مأمور کئے گئے ہیں کیونکہ وہ حق کی راہ پر چلتے ہیں، بعد میں رسول خداؐ کے اصحاب نے اس راہب سے مذکورہ واقعہ سنا۔ علاء نے حضرت ابو بکر کو لکھا : اما بعد ، خداوند عالم نے ریگستان کو ہمارے لئے ایک ایسے چشمے میں تبدیل کردیا ہے جس کی انتہا نظر نہیں آتی تھی : اس طرح ہمارے مشکل اور غم و اندوہ میں گرفتار ہونے کے بعد اپنی قدرت کی ایک آیت اور عبرت کے اسباب ہمیں دکھایا ، تاکہ ہم خدا کا شکر بجالائیں، لہذا آپ بھی ہمارے لئے دعا کیجئے اور خدا سے درخواست کیجئے کہ اپنے لشکر اور اسکے دین کی یاری کرنے والوں کی مدد فرمائے۔

جب حضرت ابو بکر کو یہ خط ملا تو انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور دعا کرتے ہوئے کہا : ہر وقت جزیرۃ العرب کے بیابانوں کے بارے میں بات چھڑتی تھی، عرب کہتے تھے لقمان سے پوچھا گیا : کیا ''دہنا'' کے ریگستانوں میں کنواں کھودیں ؟ لقمان نے منع کیا اور اجازت نہیں دی کہ وہاں پر کھدائی کی جائے ،کیونکہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ اس سرزمین میں پانی اتنی گہرائی میں ہے کہ کوئی بھی رسی، اس تک نہیں پہنچ سکتی اور اس سرزمین سے ہرگز کوئی چشمہ ابل نہیں سکتا ایسی صورتحال میں اس سرزمین پر پانی کا وجود خدا کی عظیم نشانی ہے اس سے قبل کسی بھی امت میں ایسا واقعہ رونما نہیں ہوا ہے ، الٰہی ! وجود محمدؐ کے اثرات و برکات کو ہم سے نہ چھین لینا''[1] اس افسانہ کو ابن کثیر نے اپنی تاریخ[2] میں سیف سے تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے اور ابو الفرج نے بھی ''الاغانی'' میں اسی روایت کو طبری سے نقل کرکے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے بے شک ان تمام دانشوروں اور علماء نے اس افسانہ کو سیف سے نقل کیا ہے ۔ سیف کے علاوہ دوسروں کی روایت میں علاء کی داستان ہم نے علاء کی داستان کے بارے میں سیف کی روایت کو پڑھا ، لیکن سیف کے علاوہ دوسرے اس بارے میں کچھ اور روایت نقل کرتے ہیں جو سیف کی روایت سے سازگار نہیں ہے، مثال کے طورپر بلاذری فتوح البلدان میں لکھتے ہیں : '' خلافت عمر بن خطاب کے زمانے میں ''زارہ'' اور ''دارین'' کے لوگوں سے جنگ کرنے کیلئے علاء روانہ ہوا ، لیکن ''زارہ'' کے لوگ جنگ کیلئے آمادہ نہیں ہوئے اور صلح کے دروازے سے داخل ہوکر علاء

---

[1] تاریخ طبری ،م ج ۲ ، ۵۲۲۔ ۵۲۸ ۔
[2] تاریخ ابن کثیر ،ج ۶، ۳۲۸ ، و ۳۲۹ ۔

سے صلح کا عہد پیمان باندھ کر جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیااور صلح کی شرط یہ تھی کہ شہر کی دولت کا ایک تہائی نیز وہاں پر موجود سونے چاندی کا ایک تہائی علاء کو دیا جائے اور شہر سے باہر موجود اموال کا نصف اس کو دیا جائے ،اخنس بن عامری علاء کے پاس آیا اور کہا کہ انہوں نے اپنے بارے میں آپ سے صلح کی ہے لیکن '' دارین '' میں موجود اپنے خاندان کے بارے میں کوئی صلح نہیں کی ہے، ''کرازالنکری '' نامی ایک شخص نے علاء کو پانی کے درمیان سے گزرنے والے ایک خشکی کے راستے '' دارین '' تک پہنچانے میں راہنمائی کی ۔ علاء مسلمانوں کے ایک گروہ کے ہمراہ اسی راستہ سے روانہ ہوا، اہل '' دارین '' جو بالکل بے خبر تھے، نے اچانک مسلمانوں کے '' اللہ اکبر '' کا نعرہ سن کر اپنے گھروں سے باہر نکل آئے، وہ تین جانب سے حملہ کا نشانہ بنے، ان کے جنگجو اسلام کے سپاہیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے اور ان کے اہل و عیال کو اسیر بنایا گیا ''

سیف کی روایت کا متن اور دیگر تاریخ نویسوں کے متن سے اس کی تطبیق: قارئین کرام نے یہاں تک علاء کی داستان اور بحرین کے باشندوں کے ارتداد کے بارے میں سیف اور غیر سیف کی روایت کو ملاحظہ فرمایا، اب ہم روایتوں کے ان دو سلسلوں جو مضمون کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں کی تطبیق اور موازنہ کرتے ہیں اور سیف کی روایت کے متن کی ساخت کے لحاظ سے باطل ہونے کو واضح اور روشن کریں گے ۔ سیف نے ابو بکر کے لشکر کیلئے ان جنگوں میں (جنہیں جنگ '' ردہ '' کہا جاتا تھا) خشک بیابان میں پانی کا تالاب جعل کیا ہے ، البتہ ان کے اونٹوں کے رم کرکے فرار کرنے کے بعد اور مطلب کی مکمل طور پر تائید کرنے کیلئے کہا ہے کہ ابوہریرہ اپنے ساتھی کے ہمراہ دوبارہ اس جگہ کی طرف لوٹے اور تالاب کے کنارے رکھے ہوئے اپنے لوٹے کو اس صورت میں موجود پایا، لیکن تالاب کا کہیں کوئی نام و نشان نہ تھا، اور اس کے علاوہ کہا ہے کہ لقمان نے (ان تمام خداداد حکمت کے باوجود) بیابان میں کنواں کھودنے کی اجازت نہیں دی تھی کیونکہ اس کنوے کے عمق تک پہنچنے والی رسی موجود نہیں تھی اس کے بعد ان کیلئے ایک اور معجزہ گڑھ لیا ہے کہ اس کے کہنے کے مطابق اس سے پہلے کسی نے ایسا معجزہ نہیں دیکھا یا، اگر چہ موسی ابن عمران نے دریا کو چیر ڈالا ، لیکن (موسی ید بیضا کے ذریعہ) پانی کے اوپر سے نہ چل سکے ، اس مطلب کی تائید میں

عفیف بن منذر کے دو شعر بھی نقل کرتا ہے اور ان کے ہمسفر راہب کے اسلام قبول کرنے کو اپنی صداقت ثابت کرنے کیلئے ایک دوسری تائیدپیش کرتا ہے اس بیچارہ نے ان معجزوں کو دیکھ کر اور ملائکہ کی دعا کو سن کر اسے خدا کی طرف سے ابوبکر کے لشکر کی تائید سمجھ کر اسلئے اسلام قبول کیاتا کہ مسخ نہ ہوجائے اور اپنی بات کی آخری تائید کے طور پر اس خط کو پیش کرتا ہے جیسے ابوبکر کے نام لکھا تھا اور ان سے دعا کی درخواست کی تھی توابوبکر نے بھی اس کے التماس کو منظور کرکے منبر پر جاکر اس کیلئے دعا کی تھی۔

سیف ایسے افسانہ کو جعل کرتا ہے اور طبری، حموی، ابن اثیر، ابن کثیر اور دوسرے مؤرخین اور علمائے حدیث اس کی روایت کے استناد کی بناء پراس افسانہ کو اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں اور نتیجہ کے طورپر یہ افسانے تاریخ اسلام کے جزو قرارپاتے ہیں جبکہ حقیقت اس کے علاوہ صرف اتنیہے کہ لشکر اسلام دارین کی طرف جارہا تھا کہ ان کے راستے میں ایک دریا ملا، جس میں عبورکرنے کا راستہ بھی موجود تھا اور یہ راستہ ابوبکر کے لشکر کیلئے مخصوص نہیں تھا بلکہ ہر ایک راہی اس طرف سے دریا کو عبورکرسکتا تھا، لہذا ''کرازنکری'' پہلے سے اس راستہ کے بارے میں علم رکھتا تھا اور اس نے ابوبکر کے لشکر کی راہنمائی کی تھی اور انھیں پانی سے عبور کرادیا تھا، ان تمام باتوں کے علاوہ،جنگ ابوبکر کے زمانے میں واقع نہیں ہوئی ہے (جیساکہ سیف نے کہاہے) بلکہ یہ جنگ عمر کے زمانے میں واقع ہوئی ہے ان تمام مطالب کو صرف سیف نے نقل کیا ہے اور یہ اسکی خصوصیات میں سے ہے ۔چنانچہ وہ جنگ کی کیفیت نقل کرنے میں بھی منفرد ہے، کہتا ہے: ''انہوں نے ایک شدید جنگ لڑی، حتی کہ ان میں سے ایک نفر بھی زندہ باقی نہ بچا تا کہ ان کی کوئی خبر لے کر آتا[1]۔

سیف کی روایتوں کی سند:جعلی او رمن گڑھت تھی سیف کی روایتوں کا متن ملاحظہ فرمایا،لیکن اس روایت کے سند کے لحاظ سے باطل اور کمزور ہونے کے سلسلے میں اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اس روایت کو صعب بن عطیہ سے نقل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس روایت کو اس نے اپنے باپ عطیہ بن بلال سے میرے لئے نقل کیا ہے اور ہم نے مالک بن نویرہ کی داستان میں ثابت کردیا کہ یہ باپ، بیٹے

---

[1] اس افسانوی راہب کی جعلی دعا کو ابن طاووس نے کتاب " مہج الدعوات '' میں تاریخ ابن اثیر سے نقل کرکے اپنی کتاب کی دعاؤں میں شامل کیا ہے ۔

اور جد سیف کے خیالات کی پیداوار ہیں ا ور ہرگز ایسے افراد اور کارندوں کا دنیا میں وجود ہی نہیں تھا ،یہ ہے سیف کی روایت کے متن اور اس کی سند کا عالم ایہ سیف کی ''مرتدین'' کی داستانوں کی دوسری داستان تھی جسے ہم نے اس فصل میں بیان کیا اور اگلی فصل میں تیسری داستان ملاحظہ فرمائیں ۔

ام زمل کا ارتداد اور حوأب کی داستان

وَضَع سَیف ھذہِ الأسطورۃ دِفاعاً عن عائشۃ سیف نے اس داستان کو عائشہ کے دفاع کیلئے جعل کیا ہے ۔مؤلف سیف کی روایت کے مطابق داستا ن حوأب طبری نے حوأب[1] کی داستان کو ہوازن کے ارتداد کے حصہ میںیوں بیان کیا ہے: ام زمل [2] مالک بن حذیفہ بن بدر کی بیٹی تھی وہ ام قرفہ کے دنوں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ میں اسیر ہوئی اور عائشہ کے حصہ کے طور پر اسے دی گئی اور عائشہ نے اسے آزاد کردیا ۔ لیکن وہ بدستور عائشہ کی لونڈی کی حیثیت سے رہی اور آخر میں اپنے خاندان کی طرف لوٹی، ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ا س کے پاس تشریف لئے گئے اور فرمایا: ''تم میں سے ایک ،حوأب کے کتوں[3] کے بھونکنے کا سبب ہوگی اور یہ کا مسلمی سے انجام پایا ،جبکہ وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کے بعد اپنے اُن رشتہ داروں کو خونخواہی کا مطالبہ کرتے ہوئے جو زمانہ رسول میں قتل کردیئے گئے تھے، اُٹھی اور ظفر اور حوأب کے درمیان گشت لگارہی تھی تا کہ ان قبیلوں میں سے ایک لشکر کو اپنے گرد جمع کرے ، جب یہ خبر خالد کو پہنچی .... وہ اس عورت کی طرف روانہ ہوا جس نے اپنے گرد ایک لشکر کو جمع کیا تھا ، خالد اس عورت کے پاس آیا اور ان کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی یہ عورت اس وقت اونٹ پر سوار تھی ... کچھ سواروں نے اس کے اونٹ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اونٹ کو پئے کرکے اس عورت کو بھی قتل کر ڈالا

---

[1] حوأب بصرہ کے راستہ پر ایک منزل گاہ ہے ۔
[2] لسان المیزان ،ج ٣، ٩٢٢ ۔
[3] إنَّ أحدکنَّ تسنبح کلاب الحَوأب۔

۔ حموی نے بھی اس روایت کو سیف سے نقل کرتے ہوئے لغت حوأب کے ذیل میں اپنی کتاب معجم البلدان میں ذکر کیا ہے اور ابن حجر نے ''الاصابہ[۱]''میں خلاصہ کے طور پر نقل کیا ہے لیکن روایت کی سند کو ذکر نہیں کیا ہے ۔

سیف کی روایت کی سند:اس روایت کو سیف نے سہل و ابو ایوب سے روایت کیا ہے ۔ سہل ، سیف کی روایتوں کی سند میں ، سہل بن یوسف سلمی ہے کہ اس کا نام سیف کی روایت کی سند نمبر ۲۶ میں تاریخ طبری میں آیا ہے ابن حجر[۲] نے لسان المیزان میں کہا ہے کہ دونوں باپ بیٹے معروف نہیں ہیں،اس کے علاوہ ابن عبدا لبر سے نقل کیا ہے،نہ وہ معروف ہے اور نہ اس کا باپ اور سیف نے اس سے روایت نقل کی ہے ۔ رہا سوال ، ابو یعقوب کا جو سیف کی روایتوں میں سند کے طور پر ذکر ہوا ہے،اس کا نام سعید بن عبید ہے بعض راوی اس نام کے تھے لیکن ان میں سے کسی ایک کی کنیت ابو یعقوب نہیں تھی ۔ ذہبی نے راویوں میں سے ایک شخص کے بارے میں جس کا نام سعید بن عبید کہا ہے : یہ غیر معروف ہے یہ تھا روایت کی سند کے بارے میں اب ملاحظہ فرمائیے اس کے متن کے بارے میں:سیف کی روایت کے متن کی قدر و قیمت:سیف نے یہاں پر دو حقیقی داستانوں کو آپس میں ملاکر اس میں چند جھوٹ کا بھی اضافہ کیا ہے داستان کی اصلی حقیقت جیسے کہ ابن سعد و ابن ھشام نے روایت کی ہے وہ یوں ہے: پیغمبر اسلام نے ۶ھ کو رمضان کے مہینہ میں زید بن حارثہ کی سرکردگی میں ایک لشکر قبیلۂ فزارہ سے جنگ کرنے کیلئے بھیجا،اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ اس سے پہلے زید ایک کاروان کے ہمراہ اصحاب پیغمبر سے تجارتی مال لے کر شام رفت آمد کرتے تھے ۔ جب وہ مدینہ سے سات منزل کی دوری پر وادی القریٰ پہنچے، قبیلۂ فزارہ نے ان پر حملہ کیا اور ان کے تجارتی مال کو لوٹ کرلے گئے اور زید اس واقعہ میں سخت زخمی ہوئے اور میدان جنگ میں زمین پر گرپڑے ، صحت یاب ہونے کے بعد مدینہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم حضور میں پہونچے اور روداد کو حضرت کی خدمت میں بیان کیا ،یہی وجہ تھی کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے اسامہ کی سرکردگی میں ایک لشکر کو ان سے جنگ کرنے کیلئے روانہ کیا ا اور داستان ام قرفہ پیش آئی ۔

---

[۱] ج ۲، ۳۲۵ ۔
[۲] لسان المیزان، ج۲، ۱۵۰۔

یعقوبی، زید کے بھیجے جانے کے سلسلے میں یوں لکھتا ہے: قبیلۂ فزارہ کے سردار کی بیوی ام قرفہ نے پیش قدمی کرکے ایک لشکر کو جس میں اس کے چالیس بیٹے بھی شامل تھے، پیغمبر ؐ سے جنگ کرنے کیلئے روانہ کئے زید نے اس کے ساتھ ایک سخت جنگ لڑی، ان کے تمام جنگجوؤں کو قتل کر ڈالا اور ان کی عورتوں کو اسیر بنایا، اس جنگ میں ام قرفہ کا خاندان پورا کا پورا نابود ہوگیا ۔ اس میں سے صرف دو شخص زندہ بچے: ام قرفہ اور جاریہ نام کی ایک بیٹی یہ دونوں اسیر ہوئیں اس کے بعد ام قرفہ خالد کے حکم سے قتل کی گئی اور جاریہ کو پیغمبر ؐ نے اپنے ماموں کو بخش دیا اور اس سے عبدالرحمان نامی ایک فرزند پیدا ہوا ۔

یہ داستان تاریخ میں '' داستان ام قرفہ '' کے نام سے مشہور ہے اور یہ تمام واقعات پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانے میں رونما ہوئے ہیں۔ دوم حوأب کے کتوں کی داستان ہے حوأب بصرہ کے راستے میں ایک منزل ہے حدیث کی کتابوں میں ابن عباس سے روایت کی گئی ہے کہ پیغمبر ؐ نے اپنی بیویوں سے مخاطب ہوکر فرمایا : تم میں سے کون ہے ؟ جو پشم سے پُر اونٹ پر سوار ہوکر وہاں تک جائے گی جہاں پر حواب کے کتے اس پر بھونکیں گے، اور بہت سے لوگ اس کے دائیں بائیں قتل کئے جائیں گے لیکن وہ جان سے مار ڈالنے کی دھمکی کے باوجود نجات پائے گی[۲] یہ حدیث ام سلمہ سے یوں روایت کی گئی ہے '': رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بعض امہات مؤمنین (اپنی بیویوں) کے باہر نکلنے کے بارے میں یاددہانی کی، عائشہ نے اس پر مذاق اڑایا، حضرت ؐ نے اس سے مخاطب ہوکر فرمایا : اے حمیرا ! : خبر دار، کہیں ان میں سے تم ہی نہ ہو، اے حمیرا : گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ حوأب کے کتے تم پر بھونک رہے ہیں، اس وقت تم علی بن ابیطالب سے جنگ کروگی جبکہ تم ظالم ہوگی[۳] اس کے بعد علی علیہ السلام کی طرف رخ کرکے فرمایا: اگر عائشہ کے امور تمہارے ذمہ ہوئے تو اس کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے پیش آنا[۴]

---

[۱] ابن کثیر ،ج ۶، ۱۲۱

[۲] سیوطی نے خصائص، ج ۲، ص ۱۳۷ ، ابن عبدالبر نے عائشہ کی تشریح میں استعیاب میں یہ روایت نقل کی گئی ہے اس کے بعد کہا گیا ہے : یہ روایت نبو ت کی نشانیوں میں سے ہے۔

[۳] سیوطی نے خصائص، ج ۲، ۱۳۷ ، ابن عبد البر نے عائشہ کی تشریح میں استیعاب میں یہ روایت نقل کی گئی ہے ۔ اس کے بعد کہا گیا ہے : یہ روایت نبوت کی نشانیوں میں سے ہے ۔

[۴] ابن عبدربہ ، عقد الفرید، ج ۳، ۱۱۸، سیرۂ حلبیہ، ج ۳، ۳۲۰ ۔ ۳۲۱ ۔

غیر سیف کی روایت میں حوأب کی داستان

یہ تھی وہ حدیث جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پیشگوئی کے طور پر روایت کی گئی ہے اور مؤرخین کے نقل کے مطابق اصل داستان یوں ہے: عرنی(عائشہ کے اونٹ کے مالک) نے کہا : میں ایک اونٹ پر سوار تھااور راستے پر چل رہا تھا کہ اچانک ایک سوار سامنے آکر بولا : اے اونٹ کے مالک !کیا اپنے اونٹ کو بیچو گے ؟

میں نے کہا : ہاں اس نے کہا : کتنے میں؟ہزار درہم میں ۔کیا تم دیوانہ ہوگئے ہو ؟کیا اونٹ ہزار درہم میں فروخت کیا جاتا ہے ؟ جی ہاں !میرااونٹ ہے کس لحاظ سے یہ بات کہہ رہے ہو ؟اس کا سبب یہ ہے کہ میں نے اس اونٹ پر سوار ہوکر کسی کا پیچھا نہیں کیا مگر یہ کہ اس تک پہنچا اور جس کسی نے میرا پیچھا کیا ،اگر میں اس اونٹ پر سوار تھا تو پیچھا کرنے والا مجھ تک نہیں پہنچ سکا ہے ۔اگر میںیہ بتادوں کہ اس اونٹ کو کس کیلئے خریدنا چاہتا ہوں تو تم میرے ساتھ اس سے اچھا معاملہ کرو گے ۔کس کیلئے چاہتے ہو؟ تیری ماں کیلئے!میں تو اپنی ماں کو اپنے گھر میں چھوڑ کے آیا ہوں وہ صاحب فراش ہےاور حرکت کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔

میں اس اونٹ کو ام المؤمنین عائشہ کیلئے چاہتا ہوں ۔اگر ایسا ہے تو اونٹ کو میں بلا قیمت تجھے دیتا ہوں ۔ نہیں، میرے ساتھ میرے گھر آؤ تا کہ ایک اونٹ اور کچھ رقم تجھے دیدوں ۔وہ کہتا ہے میں وہاں چلا گیا اس نے مجھے ایک بچہ دار اونٹی دی جو عائشہ کی تھی اور اس کے علاوہ چار سو یا چھ سو درہم دئیے، اس کے بعد کہا : کیا راستہ جانتے ہو ؟میں نے کہا : ہاں، دوسروں سے بہتر اس نے کہا : لہذا ہمارے ساتھ آجاؤ۔میں ان کے ہمراہ چلا ہم جس بیابان اور دریا سے گزرتے تھے وہ مجھ سے سوال کرتے تھے یہاں کونسی جگہ ہے ؟یہاں تک ہم حوأب کے پانی سے گزرے ، وہاں کے کتوں نے بھونکنا شروع کیا سوال کیا؛ یہ کونساپانی ؟ میں نے کہا : حوأب کا پانی کہتا ہے کہ : عائشہ نے بلند آواز میں ایک فریاد بلند کی،اس کے بعد اونٹ پر ہاتھ مارا اور اونٹ کوبٹھا دیا اور کہا : خدا کی قسم ! میں وہی ہوں جس کیلئے حوأب کے کتون نے بھونکا ،مجھے واپس لے چلو (تین مرتبہ جملہ کی تکرار کی) عائشہ نے اونٹ کوبٹھا دیا اور لوگوں نے بھی اپنے اونٹوں کو اسکے اطراف میں بٹھادیا ،وہ سب اسی حالت میں تھے اور عائشہ دوسرے دن

آگے بڑھنے سے انکار کرتی رہیں ۔کہتا ہے : عائشہ کا بھانجا ،ابن زبیر عائشہ کے پاس آیا اور کہا : جلدی کرنا جلدی کرنا خدا کی قسم علی ابن ابیطالب آپ کے نزیک پہنچ رہے ہیں ، وہاں سے روانہ ہونے کے بعد اس نے ہمیں برا بھلا کہا... تا آخر روایت[1] مسند احمد میں یوں لکھا گیا ہے کہ اس موقع پر زبیر نے کہا : کیا واپس جانا چاہتی ہو ؟ شاید خداوند عالم تیرے واسطے لوگوں کے درمیان صلح کرائے[2] ابن کثیر کہتا ہے :با وجو اس کے کہ اس روایت میں صحیح ہونے کے وہ شرائط موجود ہیں جنکے شیخین قائل ہیں ، لیکن پھر بھی شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا ہے[3] طبری نے نیز زہری سے نقل کیا ہے کہ عائشہ نے کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی اور کہا :یہ پانی کونسا پانی ہے ؟کہا گیا : حوأب اس نے کہا : (انا للہ و انا الیہ راجعون)یقیناً میں وہی ہوں سچ یہ ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا ہے جبکہ آپ کی سب بیویاں آپ کے نزدیک موجود تھیں اور آپ نے فرمایا تھا : کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تم میں سے کس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے !عائشہ وہاں سے واپس جانا چاہتی تھیں لیکن عبداللہ بن زبیر اس کے پاس آئے اور .....تا آخر[4] ابن کثیر[5] اور ابو الفداء[6] کی روایت میں یوں آیا ہے : عائشہ نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا '' :میں وہی عورت ہوں'' اسی روایت میں ہے کہ ابن زبیر نے عائشہ سے کہا : جس نے بھی یہ کہا ہے کہ یہ حوأب کا پانی ہے ،اس نے یقیناً جھوٹ بولا ہے ۔ معودی نے مروج الذہب میں روایت کی ہے کہ ابن زبیر نے کہا : خدا کی قسم یہ حوأب نہیں ہے اور جس نے تجھے ایسا کہا ہے اس نے خطا کی ہے ۔ طلحہ (جو مجمع کی انتہائی نقطہ پر تھے)نے بھی اپنے آپ کو عائشہ کے پاس پہنچا دیا اور قسم کھا کر کہا کہ یہ حوأب نہیں ہے ،اس کے علاوہ ان میں سے پچاس افراد نے بھی ان دونوں کی پیروی میں اس طرح شہادت دی ،یہ پہلی جھوٹی قسم تھی جو اسلام میں کھائی گئی ۔تاریخ یعقوبی میں لکھا گیا ہے کہ عائشہ نے کہا ؛مجھے واپس بھیجدو یہ وہی پانی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا : ہوشیار رہنا !ایسا نہ ہو کہ جس عورت پر حوأب کے کتے بھونکیں گے تم ہو ، چالیس آدمی عائشہ کے پاس لائے گئے اور انہوں نے خدا کی

---

[1] ابن کثیر، ج ۶، ۱۳۶ خوارزمی نے مناقب میں بھی جنگ جمل کے باب میں ، المستدرک ،ج۳، ص ۱۱۴ ، الاصابہ،۶۳۔
[2] مسند احمد ، ج ۶، ص ۹۷۔
[3] البدایۃ و النہایۃ ، ج ۷ ص ۲۳۰۔
[4] تاریخ طبری ج ۳، ص ۴۸۵۔
[5] تاریخ ابن کثیر ، ج ۷، ۲۳۰۔
[6] تاریخ ابو الفداء ص ۱۷۳۔

قسم کھا کر کہا کہ یہ پانی، حوأب کا پانی نہیں[1] الامامۃ و السیاسۃ اور مناقب خوارزمی میں جنگِ جمل کی ذکر میںیوں آیا ہے: جب حواب کے کتوں نے عائشہ پر بھونکنا شروع کیا تو اس نے محمد بن طلحہ سے سوال کیا ؛ یہ کونسا پانی ہے ؟ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا قول نقل کیا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: اے حمیرا! ایسا نہ ہو کہ وہ عورت تم ہو ؟! محمد بن طلحہ نے عائشہ سے کہا: خدا آپ کو معاف کرے، آگے بڑھیئے اور ایسا کہنے سے پرہیز کیجئے۔ عبداللہ بن زبیر بھی عائشہ کے پاس گئے اور خدا کی قسم کھا کر کہا: آپ شب کی ابتداء میں سے گزری ہیں ۔ اور عربوں میں سے جھوٹے گواہ لاکر اسی چیز کی شہادت بھی دلائی گئی، کہا جاتا ہے کہ یہ پہلی جھوٹی شہادت تھی جو اسلام میں دی گئی مذکورہ مؤرخین کے علاوہ دوسرے مؤرخین نے بھی اس روایت کو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نقل کیا ہے، جیسے: ابن اثیر نے کتاب ''النہایۃ'' میں، حموی نے ''معجم البلدان'' میں، دونوں نے لغت ''حوأب'' میں، زمخشری نے لغت ''دیب'' میں کتاب الفائق سے، ابن الطقطقہ نے الفخری ۸۷، طبع مصر میں، زبیدی نے لغت ''خأب'' ج ۱، ص ۱۹۵ اور لغت ''دبب'' ج: ۲۴۴ میں، مسند احمد ج ۶، ۵۲ ـ ۹۷، تاریخ اعثم مص ۱۶۸ ـ ۱۶۹، سمعانی نے انساب میں ''حوبنی'' کی تشریح میں، سیرہ حلبیہ، ج ۳، ص ۳۲۰، ۳۲۱ اور منتخب کنز، ج ۵، ۴۴۴ ـ ۴۴۵۔

چھان بین اور موازنہ کا نتیجہ

سیر، حدیث اور تاریخ کی تمام کتابوں میں متفقہ طور پر لکھا گیا ہے کہ ام المؤمنین عائشہ تنہا خاتون ہیں جس پر حوأب کے کتوں نے بھونکا ، چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس سے پہلے خبر دی تھی اور اس خبر کو نبوت کی علامتوں میں سے ایک علامت سمجھا گیا ہے ۔ ان میں صرف سیف ہے جس نے اپنے افسانوں کے پیاسوں کیلئے اس تاریخی حقیقت کو بدلنا چاہا ہے، لہذا اس نے ''ام زمل'' نامی ایک عورت کو گڑھکر اس واقعہ کو ان کے سر تھونپا ہے، لیکن خوش قسمتی سے چونکہ طبری نے اس قضیہ میں صرف اسی کی روایت کو نقل کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ عرنی (اونٹ کے مالک) اور زہری کی روایت کو بھی جمل اور کتوں کے بھونکنے

---

[1] تاریخ یعقوبی ،ج ۲، ۱۱۷۔
[2] الامامۃ و السیاسۃ، ج ۱، ۵۶۔

کی داستان میں نقل کیا ہے ۔ لہذا طبری سے نقل کرنے والے تاریخ نویسوں اور تاریخ طبری پڑھنے والوں کیلئے حقیقت قضیہ پوشیدہ نہیں ہے، یہ بعض تاریخی حقائق کے برعکس ہے جنکے بارے میں طبری نے سیف کے علاوہ کسی اور کی روایت کو نقل نہیں کیا ہے ۔ہم نے یہاں تک ابو بکر کے زمانے کے مرتد لوگوں کے بارے میں اس کے کثیر افسانوں میں چند نمونے پیش کئے ان کے دوسرے حصہ کو ہم اس کتاب کی دوسری جلد اور اپنی کتاب ''ایک سو پچاس جعلی اصحاب'' کیلئے رکھتے ہیں اس کتاب کے اگلے حصہ میں ہم طاقتور بدکرداروں کے حق میں سیف کا دفاع کے عنوان سے سیف کے چند دوسرے افسانوں پر بحث کریں گے۔

چوتھا حصہ

ابو سفیان سے زیاد کا رشتہ جوڑنے کی داستان

الولد للفراش و للعاھرا لحجر! بیٹا باپ کا ہے اور زنا کار سنگسار ہونے کا حقدار ہے!رسول اللہ۔ایک شرمناک اور ناشناس رشتہ زیاد جس کی کنیت ابو مغیرہ تھی اس کی ماں کا نام سمیہ تھا،ابو المغیرہ (زیاد) کی ماں '' سمیہ '' ایک ایرانی دیہاتی کنیز تھی،مذکورہ دیہاتی بیمار ہوگیا تو حرث بن کلدہ نامی ایک ثقفی طبیب کو اپنے علاج کیلئے بلایا ، حرث کے علاج کرنے پر بیمار صحت یاب ہوا ،اس نے اس خدمت کے عوض میں اپنی کنیز سمیہ کو اپنے معالج، طبیب کو پیش کیا، سمیہ کے اس طبیب کے ذریعہ نفیع و نافع نامی دو بیٹے پیدا ہوئے، اس کے بعد حرث نے سمیہ کو اپنے عبید نامی رومی غلام کے عقد میں قرار دیا ،اس دوران ابوسفیان کا گزر طائف سے ہوا ،اس نے ناجائز کاموں کے ایک دلال ابو مریم سلولی سے درخواست کی کہ اپنا منہ کالا کرنے کیلئے ایک عورت فراہم کرے، اس نے سمیہ کو ابو سفیان کی آغوش میں قرار دیا ، سمیہ حاملہ ہوئی اور عبید کی قانونی بیوی ہوتے ہوئے ۱ھ میں زیاد کو جنم دیا ،جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے طائف کو اپنے محاصرہ میں لیا تو نفیع طائف سے فرار کرکے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حضور پہنچا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسے آزاد کیااور اس کی کنیت '' ابوبکر '' رکھی، اس طرح اسے موالی الرسول (رسول کا آزاد کیا ہوا) خطاب کرتے تھے اور نافع کو ابن الحرث (حرث کا بیٹا) اور زیاد کو ابن عبید (عبید کا بیٹا) کہتے تھے، جب معاویہ نے زیاد کو اپنے رشتہ سے جوڑا تو اسکے بعد زیاد کو زیاد بن ابی سفیان کہنے لگے ۔ یہ سلسلہ بنی امیہ کی حکومت کے زوال تک جاری رہا ، لیکن بنی امیہ کی حکومت کے زوال کے بعد زیاد کو بے باپ ہونے کے سبب زیاد بن ابیہ (باپ کا بیٹا) کہتے تھے یا اسے اپنی ماں سے نسبت دیکر زیاد بن سمیہ کہتے تھے۔

[1] تاریخ کامل ابن اثیر ،حوادث ۴۴ھ کے ضمن میں ، الاستیعاب ،ج ۱، ۵۴۸ ۔ ۵۵۵ الاصابۃ ،ج ۱ ص ۵۶۳۔

زیاد کے ابوسفیان سے رشتہ جوڑنے کی داستان اور یہ کہ معاویہ نے زیاد کو اپنے بھائی کا عنوان دیکر ابو سفیان سے نسبت دی ہے، متواتر نقل ہوا ہے اور مسلمانوں کے زبان زد عام و خاص تھا ، اس کام کیلئے معاویہ کی سرزنش کی جاتی تھی اور اس پر تنقید کی جاتی تھی۔

زیاد کا شجرۂ نسب ، سیف کی روایت میں: سیف نے یہاں پر بھی ہمت باندھی ہے تاکہ معاویہ سے اس تنقید کا ازالہ کرکے زیاد کے دامن سے اس شرمناک داغ کو چھڑا دے ، لہذا طبری نے جس روایت میں ۲۳ھ کے حوادث نقل کئے ہیں ، سیف اس روایت میں طائفہ عنزہ کے ایک مرد کی شکایت بیان کرتا ہے کہ اس نے ابو موسیٰ[1] کے خلاف عمر کے پاس شکایت پہنچادی ۔ کہتا ہے کہ مرد عنزی نے عمر سے کہا ؛ اس نے ایک کام اپنے کاتب زیاد بن ابو سفیان کو سونپا[2] اس روایت میں سیف کی چابک دستی کا مقصد یہ ہے کہ وہ کہنا چاہتا ہے کہ زیاد ، قبل از زمان معاویہ یعنی معاویہ کا زیاد کو اپنے نسب میں شامل کرنے سے قبل بھی زیاد بن ابوسفیان کے نام سے مشہور معروف تھا ؟! کیونکہ اس مرد عنزی نے عمر کے پاس ابوموسیٰ کی شکایت کی تھی اور عمر کے حضور میں کہا تھا : ''زیاد بن ابی سفیان '' اور عمر نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا اس کے بعد بڑی چالاکی اور مہارت سے (جو سیف کی خصوصیت تھی کہ کوئی متوجہ نہ ہوسکے) زیاد کے عبید کے ساتھ منسوب ہونے کا اسی روایت میں علاج کیا ہے اور کہا ہے : عمر نے زیاد کو گرفتار کیا اور اس سے پوچھ گچھ کے دوران پوچھا : پہلا تحفہ جو تجھے ملا اسکو تم نے کیسے خرچ کیا ؟ زیاد نے جواب میں کہا : '' پہلے اپنی ماں کو خرید کر آزاد کرایا پھر اپنے سوتیلے بھائی عبید کو خرید کر اسے بھی آزاد کرایا ، سیف نے ایسی چالاکی سے معاویہ کے بارے میں عام مسلمانوں کی اس بات پر تنقید کا ازالہ کیا ہے کہ اس نے کیوں زیاد کو اپنے رشتہ سے جوڑا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ زیاد ابوسفیان کا بیٹا تھا اور روایت کو بھی عمر کے زمانے سے نقل کیا ہے تاکہ یہ لوگوں کے دلوں میں بہتر صورت میں جگہ پیدا کرلے اور کسی قسم کا

---

[1] (ابو موسی اشعری کا نام عبداللہ بن قیس ...ہے اس کے نسب کے بارے میں اختلاف ہے ، جب وہ مکہ آیا تو اس نے سعید بنی عاص سے پیمان باندھا اس کے بعد مکہ میں اسلام قبول کیا ، عمر نے مغیرہ کو معزول کرنے کے بعد اسے بصرہ کی گورنری سونپ دی اور وہ اس عہدہ پر خلافت عثمان تک باقی رہا ، عثمان نے اسے معزول کردیا ، کوفہ کے لوگوں نے عثمان سے درخواست کی کہ ابو موسی کو ان کا حاکم مقرر کردے اس نے بھی کوفہ والوں کی درخواست کے مطابق ابو موسی کو کوفہ کاگورنر مقرر کردیا ، تا کہ ابو موسی لوگوں کو علی علیہ السلام کی حمایت کرنے سے روکتا رہے ، لہذا علی نے اسے معزول کیا اسکے بعد عراق کے لوگوں کی درخوا ست پر صفین کے قضیہ میں اسے حَکَم کے طور پر منتخب کیا وہ (ابو موسی اشعری) عمر و عاص کی فریب کاری سے دھوکہ کھانے کے بعد مکہ چلا گیا او رآخر عمر تک وہیں پر ساکن رہا یہاں تک ۴۲ ھ یا ۴۴ ھ یا ۵۰ ھ یا ۵۳ ھ میں (روایتوں میں اختلاف کے ساتھ) فوت ہوا، استیعاب، ج ۴، ۱۷۳۔ ۱۷۴ ، الاصابہ، ابو موسی کی تشریح میں ۔

[2] و فوّض الی زیاد بن ابی سُفیان ۔

شک و شبہہ باقی نہ رہے ۔اب ہم سیف کی روایت کا دوسروں کی روایتوں سے موازنہ کرنے سے پہلے سیف کی روایت کی سند کے بارے میں بحث کرتے ہیں ۔

سیف کی روایت کی سند :اس روایت کی سند میں محمد ، طلحہ اور مہلب کا نام آیا ہے ، سیف کی روایت کی سند میں محمد سے مراد، محمد بن عبد اللہ بن سواد بن نویرہ ہے۔ تاریخ طبری میں سیف کی تقریباً ۲۱۶ روایتیں اس راوی سے نقل کی گئی ہیں ہم نے کسی اور کتاب میں کثرت سے روایت کرنے والے اس راوی کا نام و نشان نہیں پایا ، صرف اکمال میں کہا ہے، سیف نے اس سے روایت کی ہے اس جملہ سے واضح ہوتا ہے کہ صاحب اکمال نے بھی اس راوی کا نام صرف سیف کی روایتوں کی سند میں پایا ہے ۔

اور طلحہ کا نام سیف کی روایتوں کی سند میں دو افراد میں مشترک ہے ،ایک ابو سفیان ، طلحہ بن عبد الرحمان ہے کہ ہم نے اس نام کو رجال اور سند شناسی کی کتابوں میں نہیں پایا ، دوسرا طلحہ بن الاعلم حنفی ہے جو شہر ری کے اطراف میں واقع جیان نامی گاؤں کا باشندہ تھا اور معلوم نہیں ہے کہ سیف کا منظور نظر ان دو میں سے کون ہے ؟!اور مہلب سیف کی روایتوں کی سند میں، مہلب بن عقبہ اسدی ہے،تاریخ طبری میں سیف نے اس سے ۶۷ حدیثیں روایت کی ہیں سیف کے اس راوی کا بھی رجال اور سند شناسی کی کتابوں میں کوئی سراغ نہیں ملتا،یہ رہا سیف کی اس روایت کا متن اوراس کی سند کی بحث ۔

سیف کے علاوہ دوسروں کی روایت میں زیاد کا نسب

دینوری نے '' الاخبار الطوال '' نامی اپنی کتاب میں اسی روداد کی روایت کرتا ہے '' : ابو موسی نے زیاد بن عبید (جو ثقیف کا غلام تھا) کے بارے میں پوری دقت کی اور اس کی عقل و ادب کو پسند کیا اور اسے کاتب کی حیثیت سے اپنا ملازم قرار دیا ،اور ایک مدت تک اس کے ساتھ رہا ،وہ اس سے پہلے مغیرہ کے ساتھ تعاون کررہا تھا[1] ابن عبدالبر ،استعیاب میں '' زیاد '' کی تشریح میں لکھتا ہے '' : معاویہ سے ملحق ہونے سے پہلے اسے زیاد بن عبید ثقفی کہتے تھے '' اس کے علاوہ روایت کی ہے کہ راوی نے

[1] اخبار الطوال ، ص ۱۴۔

کہا ''زیاد نے اپنے باپ عبید کو ایک ہزار دینار میں خرید کر آزاد کیا ، ہم اسکے اس خدادوست عمل پر رشک کرتے ہیں[1] ''اور ایک دوسری جگہ پر کہتا ہے؛ ''زیاد نے عمر کے سامنے ایک تقریر کی جو سامعین کی نظر میں بے مثال تھی '' عمرو عاص نے کہا : خدا کی قسم اگر یہ جوان خاندان قریش میں سے ہوتا تو عربوں کی اچھی راہنمائی کرتا اور انھیں ہانکتا ،ابوسفیان نے کہا : خدا کی قسم میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جس نے اپنا نطفہ اس کی ماں کے رحم میں داخل کیا ہے ۔ علی ابن ابیطالب نے کہا : وہ کون ہے اے ابوسفیان ؟ اس نے جواب میں کہا ؛ میں خود ہوں، علی علیہ السلام نے کہا ؛ اے ابوسفیان !مبالغہ نہ کرنا !ابو سفیاں نے کہا : خدا کی قسم اے علی ! اگر اس مجلس میں موجود اپنے ایک دشمن سے نہ ڈرتا تو حقائق سے پردہ اٹھاتا تا کہ سب پر عیان ہوجائے کہ وہ (زیاد) یوں ہی اس قدرت بیان کا مالک نہیں ہے ۔اما و اللہ لولا خوف شخصٍ

یرانی یا علیؑ من الاعادی

لاظہر امرہ صخر بن حرب

ولم یکن المقالۃ عن زیاد[2]

زیاد کے معاویہ کے نسب سے پیوند کی داستان کے بارے میں مندجہ ذیل مؤرخین نے روایت کی ہے '': ابن اثیر ۴۴ھ کے حوادث بیان کرنے کے ضمن میں،ابن عبدالبر نے استعیاب میں زیاد کی تشریح میں،یعقوبی نے اپنی تاریخ کی جلد ۲، ۱۹۵ میں، مسعودی نے مروج الذہب ج ۲، ۵۴ میں ، سیوطی نے اپنی تاریخ میں ۴۱ھ کے حوادث کے ضمن میں ، ابن کثیر نے ج ۸/ ۲۸ میں ، ابو الفداء نے ص۱۹۴ میں ، طبری نے اپنی تاریخ کی ج ۴، ۲۵۹ میں ۴۴ھ کے حوادث کے ضمن میں اشارہ کے طور پر ،اور ۱۶۰ھ کے حوادث کے ضمن میں ص ۳۳۴ و ۳۳۵ میں ، صحیح مسلم ج ۱، ۵۰۷ ،اسد الغابہ و الاصابہ میں ''زیاد ''کی سوانح حیات میں ،ابن عساکر

---

[1] الاستیعاب ، ج۱، ۵۴۸۔
[2] الاستیعاب ،ج ۱، ص ۵۴۹۔

نے ج ۵، ۴۰۹ ـ ۴۲۱ میں اور تاریخ و تشریح کی دوسری کتابوں میں موجود ہیں جن کے نام اختصار کے پیش نظر ذکر کرنے سے اجتناب کرتے ہیں ۔

تحقیق و جستجو کا نتیجہ

مؤرخین اور علم الانساب کے ماھرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زیاد ، عبید رومی کے ہاں سمیہ نامی ایک بد کردار عورت سے پیدا ہوا ہے، سب نے کہا ہے کہ ابوسفیان طائف گیا اور وہاں پر ابو مریم سلولی سے ایک فاحشہ سے منہ کالا کرنے کی درخواست کی اور یہ کہ وہ کس طرح سمیہ سے وصال کرنے میں کامیاب ہوا اور جو بات (ابوسفیان) نے مجلس عمر میں مخفیانہ کہی اور عمر کے ڈر سے کھلم کھلا نہ کہہ سکا ہم نے اس کی تفصیلات بیان کرنے سے پرہیز کیا ہے، مزید کہا گیا ہے کہ زیاد کو عبید سے نسبت دی جاتی تھی یہاں تک معاویہ نے اسے اپنے نسب سے ملادیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کس طرح یہ کام بنی امیہ کی طرف سے مورد انکار و اعتراض واقع ہوا ۔اس سلسلہ میں چند اشعار بھی کہے گئے ہیں اور فقہاء نے معاویہ کے بارے میں جو تنقید کی ہے کہ معاویہ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے خلاف عمل کیا ہے، کہ حضرت نے فرمایا : الولد للفراش و اللعاھر الحجر ،یہ سب چیزیں مفصل داستانیں ہیں اور ان کا بیان طولانی ہوگا تمام مؤرخین نے لکھا ہے زیاد کی بنی امیہ کے زمانے میں ابو سفیان سے نسبت دی گئی اور حکومت بنی امیہ کے زوال کے بعد کبھی کبھی اس کے باپ '' عبید '' اور بعض اوقات اسکی اپنی ماں '' سمیہ '' سے اس کی نسبت دی جاتی تھی ۔ اس دوران سیف بن عمر پیدا ہوا اور وہ اس خیال میں پڑا کہ ایک روایت میں دخل اندازی کرکے اس تمام شور و غوغا کو خاتمہ دیدے اور اس روایت میں اس نے ایک شکایت کرنے والے کو عمر کے پاس بھیجا اور اس کی زبان سے اس شخص کو زیاد بن ابوسفیان کہا گیا ہے وہی عمر ، جس کے ڈر سے ابوسفیان نے اظہار حقیقت کی جرأت نہ کی تھی اور روایت کے آخر میں کہا ،زیاد نے عبید کو اپنی ربیبہ (بیوی کا بیٹا) معرفی کیا ،جب کہ خود زیاد نے معاویہ کے اسے، اپنے سے ملحق کرنے کے بعد شام میں ایک تقریر

کے دوران کہا: '' عبید میرے لئے ایک نیک باپ تھا اور میں اس کا شکر گزار ہوں '' چنانچہ اسے یعقوبی نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے[1]حقیقت یہ ہے کہ سیف نے افسانہ سازی میں نہایت مہارت اور تجربہ کا مظاہرہ کیا ہے۔

مغیرہ بن شعبہ کے زنا کی داستان

ترکت الدین والاسلام لما بدت لک غدوۃ ذات النصیف مغیرہ ! تم وہی ہو، جب ایک عورت کو اپنے سامنے دیکھا، تو اپنے دل و دین کو ہاتھ سے گنوادیا حسان بن ثابت سیف کی روایت میں مغیرہ کے زنا کی داستان طبری نے ۱۷ھ کے حوادث کو بیان کرتے ہوئے سیف سے مغیرہ کے زنا کی ایک داستان نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے '': بعض لوگوں کے مغیرہ کے زنا کرنے پر شہادت دینے کی وجہ یہ تھی کہ مغیرہ اور ابوبکرۃ[2] کے دمیان رنجش تھی، نیز بصرہ میں مغیرہ اور ابی بکرۃ کا کمرہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھا ہر ایک کے کمرے کی کھڑکی ایک دوسرے کے مقابلے میں تھی ایک دن کچھ لوگ ابی بکرۃ کے گھر میں بیٹھے گفتگو میں مشغول تھے، اچانک ہوا چلی اور کمرہ کی کھڑکیاں کھل گئیں، ابوبکرہ اپنی جگہ سے اٹھا تا کہ کھڑکی کو بند کرے اتفاق سے ہوا نے مغیرہ کے گھر کی کھڑکیاں بھی کھول دی تھیں ابوبکرہ کی نظر مغیرہ پر پڑی کہ وہ ایک عورت کے دو پاؤں کے درمیان تھا، چند افراد جو اس کے پاس تھے، اس نے ان سے کہا : اٹھئے اور دیکھئے، اس کے بعد کہا : گواہ رہنا، انہوں نے کہا : یہ عورت کون ہے ؟ ابوبکرہ نے کہا: یہ ام جمیل ہے (یہ ایک خادمہ تھی جو مغیرہ اور تمام امراء و اشراف کے یہاں رفت و آمد کرتی تھی) انہوں نے کہا؛ ہم نے اس کے بدن کا نچلا حصہ دیکھا لیکن اس کا چہرہ پہچان نہیں سکے (انا رأینا اعجازاً و لاندری ما الوجہ) جب عورت اپنی جگہ سے اٹھی تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ زانی کو معین کریں (ثم انھم صمموا حین قامت)اس کے بعد گواہی کی کیفیت کے بارے میں کہتا ہے کہ مغیرہ نے عمر سے کہا؛ اس کام کے بارے میں غلاموں سے پوچھنا کہ مجھے کس حالت میں دیکھا گیا میں ان کی طرف رخ

---

[1] تاریخ یعقوبی ، ج۲، ۱۹۵۔

[2] ابوبکرہ ، اس کا نام نفیع بن مروح حبشی ہے ، کہا گیا ہے اس کے باپ کا نام حارث بن کلدہ بن عمرو بن علاج بن ابی سلمۃ بن عبد العزیز بن عوف بن قیس ہے اور وہ قبیلہ ثقیف سے ہے ابی بکرہ کی ماں کا نام سمیہ تھا وہ ایک کنیز تھی ، وہ حارث کے غلاموں میں سے تھا ،جب پیغمبر ؐ نے طائف کو محاصرہ کیا ابوبکرۃ طائف سے نکل کر رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، رسول ؐ خدانے اسے آزاد کیا اور اسے ابوبکرۃ کی کنیت عطاکی وہ پیغمبر کے آزاد کئے ہوئے افراد میں سے تھا اور بصرہ میں سکونت کرتا تھا ، جنگ جمل میں شرکت کرنے سے پرہیز کی اور ۵۱ ؁ھ میں فوت ہوا۔

کئے ہوئے تھا یا پشت ؟اور عورت کو کس حالت میں دیکھا اور کیا اسے پہچان لیا ؟اگر ہمیں سامنے سے دیکھا تو میں اسے بغیر دروازہ اور کھڑکی کے گھر میں کیسے اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں سے چھپا سکتا ؟

اور اگر ہمیں پیچھے سے دیکھا ہے تو کس شرعی جواز سے میرے گھر میں نگاہ ڈالی جہاں میں اپنے عیال کے ساتھ تھا ؟ خدا کی قسم ! میں اپنی بیوی سے ہمبستر ہوا تھا اور میری بیوی ام جمیل سے شباہت رکھتی ہے ۔اس کے بعد کہتا ہے کہ ابوبکرہ[1] و نافع نے کہا کہ ہم دونوں نے مغیرہ اور اس عورت کو پیچھے سے دیکھا ہے اور شبل[2] نے کہا کہ انھیں سامنے سے دیکھا ہے اور زیاد نے ان کی جیسی شہادت نہیں دی لہذا عمر نے حکم دیا کہ ان تینوں گواہوں پر حد شرعی کے برابر کوڑے مارے جائیں اور مغیرہ سے مخاطب ہوکر کہا ؛ خدا کی قسم !اگر تیرے بارے میں گواہی مکمل ہوتی تو یقیناً تجھے سنگسار کرتا[3]۔یہ تھی اس داستان میں سیف کی روایت ۔ سیف کے علاوہ دوسروں کی روایت میں مغیرہ کے زنا کی داستان بلاذری نے فتوح البلدان، ص ۳۵۲، میں ماوردی نے کتاب الاحکام، ص ۲۸۰ میں ،یعقوبی نے اپنی تاریخ ،ج ۲، ۱۲۴ میں اور طبری و ابن اثیر، نے ۱۷ھ کے حوادث کے ضمن میں اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے روایت کی ہے : مغیرہ بن ہلال کی ام جمیل بنت افقم بن محجن بن ابی عمرو بن شعبہ نامی ایک عورت کے پاس رفت و آمد تھی اس عورت کا شوہر قبیلۂ ثقیف سے تھا اور اس کا نام حجاج بن عتیک تھا (یہاں تک بلاذری کی عبارت ہے) اب داستان کی تفصیل ابی الفرج کی اغانی سے نقل کی جاتی ہے:مغیرہ بن شعبہ بصرہ کا گورنر تھا ، قبیلۂ ثقیف کی رقطاء نامی عورت کے ساتھ اس کے ناجائز تعلقات تھے اور چوری چھپے اس عورت کے گھر رفت و آمد کرتا تھا ،اس عوت کا شوہر قبیلہ ثقیف سے تھا اور اس کا نام حجاج بن عتیک تھا ایک دن ابوبکرۃ ، مغیرسے ملا اوراس سے پوچھا : کہاں جارہے ہو؟

[1] نافع بن حرث بن کلدہ ثقفی کی ماں سمیہ ، حرث کی کنیز تھی اور حرث نے اعتراف کیا ہے کہ نافع اس کا بیٹا ہے وہ بصرہ کا رہنے والا تھا اور پہلا شخص تھاجو بصرہ میں اونٹ پالا تھا۔ عمرابن خطاب نے بصرہ کی زمینوں میں سے دس جریب زمین اسکی جاگیر قرار دی تھی ، استیعاب ج ۳، ۵۱۲ ، اصابہ، ج۳، ۵۱۴۔

[2] سبل بن معبد بن حارث بن عمرو بن علی بن اسلم بن احمس بجلی احمسی ہے اس بات پر اختلاف ہے کہ اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو درک کیا ہے یا نہیں اور اصحاب میں شمار ہوتا ہے یا نہیں ، یا یہ کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو درک نہیں کیا ہے اور تابعین میں سے ہے اصابہ ،ج ۲، ۱۵۹۔

[3] تاریخ طبری ،ج ۳، ۱۷۰ و ۱۷۱ ۔

اس نے کہا ؛ میں فلاں قبیلہ کو دیکھنے جارہا ہوں ابو بکرہ نے مغیرہ کا دامن پکڑ کر کہا کہ گورنر کیلئے سزاوار ہے کہ دوسرے اس کی ملاقات کیلئے آئیں نہ یہ کہ وہ خود جائے ... مغیرہ کی عادت تھی کہ دن میں گورنر ہاوس سے باہر آتا تھا ،ابوبکرہ اسے دیکھتا تھا اور پوچھتا تھا ،گورنر صاحب کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں ؟وہ جواب میں کہتا تھا : کوئی کام ہے ،ابوبکر ہتپوچھتا تھا : کیا کام ہے ؟گورنر سے لوگوں کو ملنے آنا چاہئے ، نہ گورنر کسی سے ملنے کیلئے جائے مؤرخین نے کہا ہے : جس عورت کے پاس مغیرہ جاتا تھا ، وہ ابوبکرۃ کی ہمسایہ تھی کہتے ہیں : ایک دن ابوبکرۃ اپنے دو بھائیوں نافع و زیاد اور شبل بن معبد نامی ایک اور شخص کے ساتھ اپنے کمرہ میں بیٹھا تھا اسی دوران ہوا کی وجہ سے اس کے مد مقابل ہمسایہ کا دروازہ کھل گیا ان لوگوں کی نظر اس ہمسایہ کے کمرہ پر پڑی اچانک دیکھا کہ مغیرہ اس عورت کے ساتھ اپنا منہ کالا کرنے میں مشغول ہے ابوبکرۃنے کہا ؛ یہ ایک مصیبت ہے جس سے دوچار ہوئے ہو اور ایک تکلیف تمہاری گردنوں پر پڑی ہے ،لہذا پوری دقت کے ساتھ دیکھ لو ، سبھی نے دقت سے دیکھا یہاں تک یقین کیا ابوبکرۃ گھر سے باہر نکلااور بیٹھ گیا یہاں تک مغیرہ گھر سے نکلا ،ابوبکرۃ نے مغیرہ سے کہا ؛ تیرا راز فاش ہوگیا اب تمہیں معزول ہونا چاہیے مغیرہ چلا گیا اور پھر ظہر کی نماز پڑھانے کیلئے آیا ابوبکرۃ نے اسے نماز پڑھانے سے منع کیا اور کہا : جو کچھ تم نے کیا ہے اس کے پیش نظر اب تمہیں ہمارا امام جماعت نہیں ہونا چاہئے لوگوں نے کہا : اسے نماز پڑھنے دو ،وہ گورنر ہے ، لیکن تمہیں ساری روداد کو عمر کے پاس لکھنا چاہئے اس کے بعد اس نے ایسا ہی کیااور عمر کی طرف سے جواب آیا : کہ سب حاضر ہوجائیں ، مغیرہ جانے کیلئے تیار ہوا اس نے عقیلہ نام کی ایک عرب نسل کنیز ایک خادم کے ہمراہ ابو موسی کیلئے بھیجی یہ کنیز تربیت یافتہ تھیں اور یمامہ کے اسیروں میں سے تھی اور خاندان بنی حنیفہ سے تعلق رکھتی تھی اور اس کا وطن طائف تھا ، مغیرہ عمر کے حضور پہنچا عمر نے عدالتی کاروائی کیلئے جلسہ بلایا اور مغیرہ کوشاہد کے ساتھ طلب کیا ، ابوبکرۃ آگے بڑھا ، عمر نے ابو بکرۃ سے کہا ؛ کیا تم نے مغیرہ کواس عورت کی دونوں رانوں کے درمیان دیکھا ؟اس نے جواب میں کہا : ہاں واللہ گویا ابھی ابھی اس عورت کی رانوں پر پڑے چھالوں کے نشان دیکھ رہا ہوں، مغیرہ

---

[1] مغیرہ کے زنا کی داستان کو ابن جریر، ابن اثیر اور ابو الفداء نے ۱۷ ؁ھ کے وقائع کے ضمن میں نقل کیا ہے ۔

نے کہا، عجب! کیا اتنی دقت سے دیکھا ہے؟ ابو بکرہ نے کہا: میں نے اس کام میں کوتاہی نہیں کی ہے جس میں خداوند تجھے رسوا کرے عمر نے کہا: خدا کی قسم میں اس پر اکتفا نہیں کروں گا جب تک کہ گواہی نہیں دو گے کہ تم نے مغیرہ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ وہ اس عورت کے اندر ایسے ڈال رہا تھا جیسے سرمہ دانی کے اندر سلائی ڈالی جاتی ہے اس نے کہا جی ہاں، یہی گواہی دیتا ہوں. عمر نے کہا: جاؤ مغیرہ ایک چوتھائی کھو بیٹھے ہو۔

ابو الفرج کہتا ہے: بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات کہنے والے علی علیہ السلام تھے، اس کے بعد عمر نے نافع کو طلب کیا اور کہا: تم کس چیز کی شہادت دیتے ہو؟ نافع نے کہا: اس کیفیت کی شہادت دیتا ہوں جس کی ابو بکرۃ نے شہادت دی ہے، عمر نے کہا: نہیں، جب تک اس طرح گواہی نہیں دو گے کہ تم نے دیکھا کہ مغیرہ اس عورت کے اندر اس طرح ڈالے ہوائے تھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی ڈالی جاتی ہے، اس نے جواب میں کہا: جی ہاں اس کے اندر آخر تک ڈالے تھا، عمر نے کہا: جاؤ مغیرہ نصف تم میں سے گیا، اس کے بعد تیسرے شاہد شبل بن معبد کو طلب کیا، شبل نے کہا: میں بھی اپنے دو دوستوں کے مانند شہادت دوں گا، عمر نے کہا: جاؤ مغیرہ تین چوتھائی کھو بیٹے ہو؟

راوی کہتا ہے: جب عدالتی کاروائی یہاں تک پہنچی تو، مغیرہ مہاجرین کے پاس جاکر اس قدر رویا کہ وہ بھی رو پڑے اور امہات المؤمنین کے پاس جا کر بھی ایسا ہی کیا حتی کہ انہوں نے بھی گریہ کیا۔ راوی نے کہا: زیاد اس مجلس میں حاضر نہ تھا عمر نے کہا یہ تین گواہ ایک طرف بیٹھ جائیں اور اہل مدینہ میں سے کوئی ان کے پاس نہ بیٹھے، اور زیاد کے آنے کا منتظر تھا، جب زیاد آپہنچا اور مسجد میں بیٹھا مہاجر و انصار کے بزرگ اس کے اردگرد جمع ہوئے، مغیرہ کہتا ہے اس دوران میں نے ایک مطلب آمادہ کیا تھا تا کہ کہوں، لیکن جوں ہی عمر کی نظر زیاد پر پڑی اور دیکھا کہ وہ آرہا ہے تو اس نے کہا؛ میں ایک ایسے مرد کو دیکھ رہا ہوں کہ خداوند عالم ہرگز اس کی زبان سے مہاجرین میں سے کسی کو ذلیل و خوار نہیں کرے گا[1] ابو الفداء کی روایت میں آیا ہے کہ عمر نے زیاد سے کہا: میں ایک

---

[1] ابن خلکان ج ۸، ۲۰۶ کتاب وفیات الاعیان، " یزید بن مفرغ" کی تشریح میں اور یہ جملہ جو عمر نے زیاد سے کہا؛ میں ایک مرد کو دیکھ رہا ہوں کہ امید رکھتا ہوں خداوند عالم اس کے ذریعہ اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں سے کسی کو رسوا نہیں

ایسے مرد کو دیکھ رہاں ہوں کہ امید کرتا ہوں خداوند عالم اس کے ذریعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کو ذلیل نہیں کرے گا ۔اغانی کی روایت میں ابی عثمان نہدی[۲] سے نقل کیا گیا ہے: جب پہلے گواہ نے اپنی شہادت کو عمر کے سامنے بیان کیا ، عمر کا رنگ پھیکا پڑگیا،اس کے بعد دوسرا شاہد آیا اور اس نے بھی شہادت دی، دوسرے کی گواہی پر عمر کے قیافہ میں شکست کے آثار نمودار ہوگئے،اس کے بعد تیسرا آیا اور اس نے جب شہادت دی تو عمر کی حالت ایسی بنی جیسے اس کے چہرے پر راکھ پھینک دی گئی ہو۔

جب زیاد آیا (ایک جوان جو ہاتھ ہلا ہلا کر ناز سے چل رہا تھا) عمر نے اسکی طرف سر اٹھا کر کہا؛ کیا خبر لائے ہوئے فضلۂ عقاب (ابو عثمان نہدی نے اس موقع پر عمر کے قیافہ کی حالت کو ایسی خوفناک بتایا ہے کہ جس کے بارے میں عبد الکریم بن رشید کہتا ہے : نزدیک تھا میں ابو عثمان کی فریاد اور دھمکی سے غش کرگر جاؤں) لہذا مغیرہ نے کہا : اے زیاد! خدا کیلئے تجھے یاد دہانی کراتا ہوں اور تجھے قیامت کے میدان کی یاد،دلاتا ہوں کہ خدا ،کتاب خدااور رسول خدا (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور امیر المؤمنین نے میرے خون کی حفاظت کی ہے، مگر یہ کہ تم تجاوز کرکے ایسا کچھ بیان دیدو کہ جس کو تم نے نہیں دیکھا ہے، پھرزیاد نے کہا : یا امیر المؤمنین! لیکن حقیقت مطلب میرے پاس اس صورت میں نہیں، جس صورت میں دوسروں کے پاس ہے،میں نے ایک ناشائستہ مجلس کا نظارہ کیا ،اور تیز تیز سانس لینے کی آواز سن رہا تھا، میں نے مغیرہ کو دیکھا کہ وہ اس عورت پر سوار تھا ، پھرعمر نے کہا : کیا تم نے دیکھا کہ مغیرہ سرمہ دانی میں سلائی کے مانند اندر اور باہر کرتا تھا ؟!اس نے کہا : نہیں ۔ابو الفرج کہتا ہے : بہت سے راویوں نے روایت کی ہے کہ زیاد نے کہا : میں نے دیکھا کہ مغیرہ نے عورت کی دونون ٹانگیں بلند کی تھیں اور میں نے اس کے خصیہ بھی دیکھے

کرے گا یعقوبی نے اپنی تاریخ ج ۲،ص ۱۲۴ میں نقل کیا ہے ، کنزل العمال ج ۳، ۸۸ حدیث ۱۲۶۸۲ او رمنتخب کنز ، ج ۲، ۴۱۳ میں یوں آیا ہے کہ عمر نے کہا: میں ایک چالاک جوان کو دیکھ رہاہوں کہ انشاء اللہ حق کے علاوہ کسی اور چیزکیلئے گواہی نہیں دے گا ۔

[۱] تاریخ ابو الفداء ،ج ۱، ۱۷۱۔

[۲] ابو عثمان عبد الرحمان بن رمل بن عمرو بن عدی بن وھب بن ربیعہ بن سعد بن کعب بن خزیمہ بن کعب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانے میں اسلام لایا اور جنگ قادسیہ اور دوسری جنگوں میں شرکت کی اور ۱۰۰ ھ میں ۱۳۰ سال سے زیادہ عمر میں وفات پاگیا۔

کہ عورت کی دونوں رانوں کے درمیان آگے پیچھے حرکت کررہے تھےاس نے کہا: نہیں عمر نے کہا: اللہ اکبر، مغیرہ اٹھو!اور ان تین افراد پر کوڑے مارو، مغیرہ آگے بڑھا اور ابوبکرۃ پر اسّی کوڑے مارے اور دوسروں پر بھی تازیانے لگائے بعض لوگوں نے نقل کیا ہے کہ خود مغیرہ نے ان پر کوڑے نہیں مارے، عمر کو زیاد کا بیان پسند آیا اور مغیرہ کی سزا معاف کی ۔

مستدرک میں حاکم کی روایت میں اور ذہبی کی تلخیص میںیوں آیا ہے کہ جب مغیرہ نے نجات پائی، تو عمر نے تکبیر بلند کی اور خوشحال ہوا اور تمام گواہوں پر تازیانے لگائے ، صرف زیاد پر تازیانہ نہیں لگائے[۲] اور فتوح البلدان میں ہے کہ شبل نے کہا: کیا سچائی کے شاہدوں پر تازیانے ماررہے ہو ؟اور حد الٰہی کو حذف کررہے ہو ؟جب ابو بکرۃ نے کوڑے کھائے تو کہا: شہادت دیتا ہوں کہ مغیرہ نے زنا کیا ہے، عمر نے کہا: اس پر دوبارہ کوڑے لگاؤ، حضرت علی علیہ السلام نے کہا؛ اگر ابوبکرۃ کی اس بات کو شہادت شمار کرکے حد جاری کروگے تو میں بھی تیرے دوست کو سنگسار کروں گا،اور کنزل العمال اور منتخب کنز میں اور یعقوبی نے اپنی تاریخ میں حضرت علی علیہ السلام کے نقطہ نظر کے بارے میں تقریباً یہی مضمون نقل کیا ہے ۔الاغانی اور شرح ابن ابی الحدید میں کہا گیا ہے: ابوبکرہ نے تازیانے کھانے کے بعد کہا: شہادت دیتا ہوں کہ مغیرہ نے ایسا ویسا کیا ہے، عمر نے اس کو مارنا چاہا، حضرت علی علیہ السلام نے عمر سے کہا؛ اگر اسے دوبارہ تازیانہ لگاناچاہتے ہو تو اپنے دوست کو سنگسار کرو اور عمر کو اس کے فیصلہ سے روکا ۔ ابو الفرج کہتا ہے: حضرت علی علیہ السلام کا مقصود یہ تھاکہ اگر حد جاری کرکے عمر ابوبکرۃ کو دوبارہ کوڑامارناچاہیں تو اس کی شہادت دوگنی شمار ہوگی اور اس صورت میں مغیرہ کو سنگسار ہوناچاہیے ۔اس کے بعد کہتا ہے: عمر نے ابوبکرۃ کو اس کی دی گئی شہادت کے بارے میں توبہ کرنے کی تجویز پیش کی۔ابوبکرہ نے کہا: کیا یہ تجویز اس لئے پیش کرتے ہو کہ اگر اسکے بعد گواہ بنا تو قبول کروگے ؟ اس نے کہا: ہاں، کہا: اب میں زندگی بھر دو آدمی کے بارے میں گواہی نہیں دوں گا۔کہتا ہے: جب حد کو جاری کیا گیا مغیرہ نے

---

[۱] ابو عثمان عبد الرحمان بن رمل بن عمرو بن عدی بن وهب بن ربیعہ بن سعد بن کعب بن خزیمہ بن کعب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانے میں اسلام لایا اور جنگ قادسیہ اور دوسری جنگوں میں شرکت کی اور ۱۰۰ ہجری میں ۱۳۰ سال سے زیادہ کی عمر میں فوت ہوا۔

[۲] مستدرک حاکم، ج۳، ۴۴۸) میں نے سخت رگڑ کی آواز سنی اور سانس پھولنے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی ، پس عمر نے کہا: کیا تم نے دیکھا کہ سرمہ دانی کی سلائی کے مانند اندر باہر کررہا تھا ؟

کہا: اللہ اکبر! شکر اس خدا کا جس نے تجھے ذلیل و خوار کیا ۔ عمر نے کہا: خاموش رہ، خدا اس جگہ کو خوار کرے جس جگہ انھوں نے تجھے دیکھا ہے کہتا ہے: ابوبکرہ اپنی بات پر ڈٹا رہا اور بارہا کہتا تھا؛ خدا کی قسم اس عورت کی رانوں کو کبھی نہیں بھولوں گا ۔ لہذا ان دوسرے دو آدمیوں کو توبہ کرایا گیا اور اس کے بعد ان کی شہادت قابل قبول ہوئی ۔ لیکن ابوبکرۃ کو جب کسی شہادت کیلئے دعوت کرتے تھے تو وہ کہتا تھا : کسی دوسرے کو بلائیے کیونکہ زیاد نے میری شہادت کو تباہ کرکے رکھ دیا ہے ۔ ابن عبد البر نے ابی ابو بکرہ کی تشریح میں کہا ہے کہ وہ اپنے نقطہ نظر پر باقی تھا لیکن دوسرے دو آدمیوں نے توبہ کرلی تھی۔

اغانی اور شرح نہج البلاغہ میں شعبی سے روایت نقل کی گئی ہے کہ اس نے کہا: مغیرہ کی طرف رقطاء نامی جس عورت سے ناجائز تعلقات کی نسبت دی گئی تھی اس عورت کے پاس مغیرہ کی کوفہ پر حکومت کے دوران رفت و آمد تھی اور وہ اس کی ضروریات کو پورا کرتا تھا ۔ ابو الفرج کہتا ہے کہ اس قضیہ کے بعد، ایک سال عمر حج پر گئے، اتفاق سے رقطاء کو موسم حج کے دوران دیکھا اور مغیرہ بھی وہاں پر تھا، عمر نے مغیرہ سے مخاطب ہوکر کہا؛ کیا اس عورت کو پہچانتے ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں، یہ ام کلثوم بنت علی علیہ السلام ہے ۔ عمر نے اس سے کہا؛ افسوس ہو تم پر، میرے سامنے بھی تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہو؟ خدا کی قسم مجھے گمان نہیں ہے کہ ابوبکرۃ نے تیرے بارے میں جھوٹ کہا ہوگا میں جب بھی تجھے دیکھتا ہوں ڈرتا ہوں کہ کہیں آسمان سے مجھ پر پتھر نہ برس پڑے۔ حسان بن ثابت نے مغیرہ کی ہجو کرتے ہوئے اس قضیہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لو ان اللؤوم ینسب کان عبداً قبیح الوجہ اعور من ثقیف ترکت الدین و الاسلام لما بدت لک غدوۃ ذات النصیف و راجعت الصبا و ذکرت لھواً مع القینات فی العمر اللطیف ترجمہ : اگر پست فطرت اور کمینہ کو ڈھونڈ ھو ایک منحوس بد صورت قبیلۂ ثقیف کا، کانا (جسکی ایک آنکھ خراب ہو) غلام ہوگا ۔ مقصود مغیرہ ہے جو قبیلۂ ثقیف سے تھا ور ایک آنکھ سے کانا تھا) ایک صبح کو جب ایک مقنہ پوش عورت نے تجھے اپنا جلوہ دکھایا تو ایک دم تم نے اپنے دین او راسلام کو کھودیا اور جوانی کے زمانہ کی طرف پلٹ گئے اور بہارِ جوانی میں کنیزوں کے ساتھ شہوت رانی کی یادوں کو تازہ کرنے لگے۔ بلاذری نے فتوح البلدان ص ۲۸۸ پر روایت کی ہے کہ خلیفہ عمر بن خطاب نے جب اس واقعہ کے

بعد دوبارہ کوفہ کا گورنر مقرر کرنا چاہا تو اس سے کہا: اگر فرمان روائی کا حکم تیرے نام جاری ہوجائے، تو کیا پھر بھی اسی چیز کی طرف پلٹ جاؤ گے جس کی تجھ پر تہمت لگی ہے؟ اس نے کہا: نہیں ان تمام افراد میں جنھوں نے مغیرہ کے زنا کی طرف اشارہ کیاہے، حموی بھی ہے جس نے معجم البلدان کی دوسری جلد کے صفحہ ۷۹ اپر ذکر کیا ہے[1]۔

چھان بین کا نتیجہ

سند کے لحاظ سے: روایت کی سند میں محمد، طلحہ اور مہلب کے نام آئے ہیں، ''نسلِ زیاد کی اصلاح'' کے موضوع پر سیف کی روایت کی تحقیق کے دوران ان دو تین راویوں کی چھان بین ہوئی ہے۔ متن کے لحاظ سے: سیف نے ایسا کہا ہے ابوبکرۃ، اس کے دو بھائی اور شبل مغیرہ کے گھر کے مد مقابل واقع کمرے میں بیٹھے تھے کہ ہوا چلی اور دونوں گھروں کی کھڑکیاں کھل گئیں اور انہوں نے مغیرہ کو دیکھا کہ اپنے گھر میں ایک عورت سے مباشر میں مصروف ہے اور یہ عورت ام جمیل نامی ایک خادمہ تھی جو مغیرہ کی خدمت گزاری کرتی تھی، انہوں نے صرف دو سر دیکھے اور چہرے نہیں دیکھے۔

جب اٹھے تو فیصلہ کیا، مغیرہ نے عمر کو تجویز پیش کی کہ ان سے پوچھو کہ انہوں نے اسے کس حالت میں دیکھا ہے سامنے سے یا پیچھے سے اور کس کی اجازت سے اس کے گھر میں نگاہ کی ہے جبکہ دوسرے راویوں نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ مغیرہ چوری چھپے ام جمیل کے گھر جاتا تھا نہ یہ کہ وہ عورت اسی کے گھر آئی تھی، انہوں نے مغیرہ کو ام جمیل کے گھر میں اپنا منہ کالا کرتے دیکھا تھا اور کسی نے نہیں کہا ہے کہ ام جمیل مغیرہ کی خادمہ تھی مغیرہ گواہوں سے پوچھتا تھا اور وہ مختلف جواب دیتے تھے اس کے علاوہ دوسرے مطالب بھی کہے گئے ہیں لیکن چونکہ سیف مغیرہ کا دفاع کرنا چاہتا تھا اس لئے ان ساری باتوں کو جھوٹ ثابت کیا ہے اور طبری نے بھی انھیں اپنی تاریخ میں ثبت کیا ہے اور کچھ لوگوں نے تاریخ طبری سے نقل کیا ہے اور یہ داستان مشہور اور زبان زد عام و خاص ہے۔

---

[1] ج ۲، ۱۷۹

ابو محجن کی شراب خواری کی داستان

ان کانوا شربوھا مستحلّین لھا ان یقتلوا و ان کانو شربوھا وھم یؤمنون انھا حرام ان یحدّوا اگر انہوں نے شراب کوحلال جان کر پیا ہے تو ان کا قتل واجب ہے اور اگر حرام جان کر پیا ہے تو ان پر حد جاری کی جائے گی علی علیہ السلام سیف کے علاوہ دوسروں کی روایت میں ابو محجن کی داستان ابو محجن ثقفی، حبیب بن عمر بن ثقفی کا بیٹا ہے، جب قبیلہ ثقیف نے اسلام قبول کیا تو وہ بھی مسلمان ہوا، وہ شاعر اور ایک دلاور مرد تھا، دوران جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں بہادر شمار ہوتا تھا، وہ ہمیشہ شراب پیتا تھا، خلیفہ عمر ابن خطاب نے اس پر شراب نوشی کے جرم میں سات یا آٹھ بار حد جاری کی تھی ۔ابوا لفرج اصفہانی، ''الاغانی'' میں کہتا ہے : ابو محجن کو شراب پینے والوں کے ایک گروہ کے ساتھ عمر ابن خطاب کے پاس لایا گیا، عمر نے اس سے کہا : کیا تم نے شراب پی ہے جبکہ خدا اور اسکے رسولۖ نے اسے حرام قرار دیا ہے ؟

اس نے جواب میں کہا ؛ نہ خدا نے اسے حرام کیاہے اور نہ ہی اس کے رسولۖ نے[1] کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے: (لَیس علیٰ الّذین آمنوا و عَملوٰا الصالحات جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا و آمنوا و عملوا الصالحات[2]) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ان کیلئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ جو کچھ کھا، پی چکے ہیں جب کہ وہ متقی بن گئے اور ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے''عمر نے اپنے طرفداروں کی طرف رخ کرکے کہا ؛ ان کے بارے میں کیا کہتے ہو ؟ ہر ایک نے کچھ نہ کچھ کہا، تو عمر نے ایک شخص کو علی (ع) کے پاس بھیجا، اور اس سلسلہ میں آپ سے مشورہ کیا، علی علیہ السلام نے کہا اگر تمہاری مراد یہ ہیکہ اس آیت کے بارے میں یہ لوگ کہتے ہیں، انکو مردار، خون اور سؤر کے گوشت کو بھی حلال قرار دینا چاہئے جب انہوں نے یہ جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا اسلئے خاموش ہوگئے، اس کے بعد عمر نے، علی علیہ السلام سے مخاطب ہوکر کہا : آپ کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ علی علیہ السلام نے کہا : میرا نظریہ یہ ہے کہ اگر شراب کو حلال جان کر پیاہے تو اسے قتل کیا جاناچاہئے اور اگر اسے حرام جان کر پیا ہے تو ان

---

[1] ماحرم اللہ و لارسولہ
[2] سورہ مائدہ/آیت ۹۳

پر حد جاری کرنی چاہئے عمر نے ایک جماعت سے پوچھا تو انہوں نے کہا: خدا کی قسم ہم اس کے حرام ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہہ نہیں رکھتے تھے اور جو کچھ ہم نے کہا وہ شرعی قانون سے فرار کیلئے تھا تا کہ ہم پر تازیانے نہ لگیں، عمر نے ان میں سے ایک ایک پر حد جاری کی اور ہر ایک ان میں سے حد کھانے کے بعد باہر چلا جاتا تھا، یہاں تک ابو محجن کی باری آگئی جب اس پر کوڑے پڑے تو اسنے درج ذیل اشعار پڑھے[1]

الم تر ان الدہر یعثر بالفتی

و لا یستطیع المرء صرف المقادر

صبرت فلم اجزع ولم اک کائعاً

لحادث دھر فی الحکومة جائر

و انّی لذو صبر و قد مات اخوتی

و لست عن الصھباء یوماً بصابر

رماھا امیر المؤمنین بحتفھا

فخلانّھا یبکون حول المعاصر

ترجمہ ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ زمانہ جوان مرد کو لغزش سے دوچار کرتا ہے اور انسان تقدیر کو بدل نہیں سکتا، میں نے بردباری سے کام لیا ور بے صبری کا مظاہرہ نہیں کیا اور زمانہ کے حوادث، جو ہمیشہ حکومت کے ظلم سے رونما ہوتے ہیں سے نہیں ڈرا، میں

[1] سیف نے اس داستان میں بھی تحریف کی ہے اور اشعار کو بھی دوسرے کی طرف نسبت دی ہے۔ طبری، وقائع، ۱۸ ج ۴ ص ۲۲۲۔

باوجود اس کے کہ اپنے بھائیوں سے ہاتھ دھو بیٹھا ہوں لیکن ان کی جدائی کی مصیبت میں صبر کا دامن نہیں چھوڑا ہے لیکن شراب سے جدائی کا تحمل یا ایک دن کیلئے میرے لئے ناقابل برداشت ہے امیر المؤمنین نے اسے نابود کردیا اور شراب کے دلدادہ شراب کی مشین کے گرد آنکھوں سے شوق کے آنسو بہا رہے ہیں'' عمر نے جب ابو محجن کا کلام سنا، تو کہا جو کچھ تیرے دل میں تھا کہ جس سے ہم بے خبر تھے تم نے آشکار کردیا ،مجھے تیری سزا کو یقیناً شدید کرنی چاہئے تھی، چونکہ تم مئے نوشی پر اصرار کرتے ہو، علی علیہ السلام نے فرمایا: تم ایسا حق نہیں رکھتے ہو اور جائز نہیں ہے کہ ایک شخص کو زبان پر جاری کرنے کے جرم میں سزا دو جبکہ وہ جرم کا مرتکب نہیں ہوا چونکہ کہ خداوند عالم شاعروں کے بارے میں فرماتا ہے :(إنّھم یقولون ما لا یفعلون[1]) وہ جو کام نہیں کرتے ہیں کہتے ہیں۔

عمر نے کہا : خداوند عالم نے ان میں سے ایک جماعت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور فرمایا (الا الذین آمنوا و عملوا الصالحات[2]) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے) علی علیہ السلام نے فرمایا : کیا تم ان شراب خواروں کو مؤمنین سے صالح تر جانتے ہو؟ یا یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بندہ ایمان کی حالت میں شراب نہیں پیتا ہے[3]''اور الاصابہ میں ہے کہ ابو محجن عمر کے پاس گیا ، عمر نے گمان کیا کہ ابو محجن نے شراب پی ہے، حکم دیاکہ اس کے منہ کو سونگھا جائے،ابو محجن نے کہا : تیرا کام وہی تجسس ہے جسے منع کیا گیا ہے،پس عمر نے اسے چھوڑدیا ۔ طبری نے ۱۴ھ کے وقائع بیان کرتے ہوئے روایت کی ہے : اسی سال عمر نے اپنے بیٹے اور اس کے دوستوں کو ابو محجن کے ہمراہ شراب پینے کے جرم میں حد جاری کی[4] اور ابن کثیر نے کہا ہے : اس سال ابو محجن ثقفی پر مئے نوشی کے جرم میں سات بار حد جاری کی گئی[5]عقد الفرید میں باب ''اعیان و اشراف'' میں جن پر حد جاری کی گئی ہے اور اسی وجہ سے مشہور بھی ہوئے ہیں کے بارے میں کہا ہے ؛ من جملہ ان میں ابو محجن ثقفی تھا اور وہ شراب

[1] سورہ الشعراء/آیت ۲۲۶۔
[2] سورہ الشعراء/آیت ۲۲۷۔
[3] الاغانی ، ج ۱۹، ص ۱۴۳ ۔
[4] تاریخ طبری ،ج ۴، ۱۵۲۔
[5] البدایۃ و النہایۃ، ج ۷، ۴۸۔

پینے کا انتہائی شوقین تھا، سعد بن ابی وقاص نے اس سبب سے چند بار اس پر حد جاری کی تھی ۔اس کے علاوہ الاصابہ اور الاغانی میں آیاہے کہ ابو محجن ''شموس'' نامی ایک عورت پر فریفتہ ہوگیا تھا ،اس سے ملنے کیلئے اس نے ہر بہانہ سے کام لیا لیکن کامیاب نہ ہوا ،آخر کار ایک معمار کا شاگرد بن گیا جو اس عورت کے ایک ہمسایہ کی دیوار تعمیر کررہا تھا اور اس طرح اس گھر کی کھڑکی سے اپنی محبوبہ کو دیکھنے میں کامیاب ہوا اور اس سلسلہ میں یہ اشعار کہے:

و لقد نظرت الی الشموس و دونھا

حرج من الرحمن غیر قلیل

قد کنت احسبنی کا غنی واجد

و ردالمدینة عن زراعة فول

ترجمہ : ''میں نے شموس کے چہرہ پر ٹکٹکی لگائی، جبکہ میں خدا کی نہی سے آگاہ تھا ،جب میں مدینہ میں آیا تو اسکے جمال پر نظر ڈالے ہوئے تھا، خود کو ایک دولتمند کسان تصور کرتا تھا کہ جسے باقلہ اور مٹر کی کھیتی کرنے کی احتیاج نہیں'اس عورت کے شوہر نے عمر کے پاس اس کی شکایت کی، عمر نے ابو محجن کو ''حضوضی[۲]''نامی جگہ پر جلا وطن کیا اور ابن جھراء نصری نامی ایک شخص کو ایک دوسرے آدمی کے ساتھ اس کے ہمراہ بھیجا ،اور حکم دیدیا کہ ابو محجن کو تلوار اپنے ساتھ اٹھانے کی اجازت نہ دیں ۔ابو محجن نے تلوار کو ایک تھیلی میں اوراس کے غلاف کو ایک دوسری تھیلی میں رکھا جس میں آٹا تھا ،جب ساحل کے نزدیک پہنچا ،ابو محجن نے ایک بھیڑ خرید کر ابن جھراء سے کہا ؛آؤذرا کھانا کھاتے ہیں،اور خود تیزی کے ساتھ اٹھ کر تھیلی کے پاس گیا ،اور اسی بہانے تلوار کو تھیلی سے نکال کر ہاتھ میں لے لی ،ابن جھراء نے جب ابو محجن کو تلوار ہاتھ میں لئے دیکھا، تو باہر نکل کر بھاگ گیا یہاں تک اونٹ پر

[۱] الاغانی ج ۱۹، ۱۳۸۔
[۲] حصوصی ایک پہاڑ کا نام ہے جو جزیرہ میں واقع ہے یہ جاہلیت کے زمانے میں عربوں کیلے جلا وطنی کی جگہ تھی ۔

سوار ہوکر واپس عمر کے پاس آگیا اوراسیساری رپورٹ پیش کی۔الاصابہ اور استیعاب میں یوں بیان ہوا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ابو محجن سعد بن وقاص کے پاس گیا ،اتفاقاً یہ زمانہ ایران سے جنگ یعنی جنگ قادسیہ کا تھا ، محمد بن سعد ابن ابی وقاص سے روایت کی گئی ہے کہ اس نے کہا : جنگ قادسیہ میں ابو محجن کو سعد کے پاس لایا گیا جبکہ وہ شراب پی کر مست تھا ، سعد نے حکم دیا کہ اسے زنجیر میں باندھا جائے ، اس دن سعد بدن پر ایک زخم لگ جانے کی وجہ سے میدان میں نہیں آیا اور خالد بن عرفطہ کو سوار فوجیوں کا کمانڈر مقرر کیا اور اپنے لئے ایک ایسی جگہ منتخب کرلی جہاں سے لشکر گاہ پر نظر رکھ سکے ۔ جب دو فوجیں آمنے سامنے آئیں تو ابو محجن نے کہا :کفیٰ حزناً ان تَردِی الخیل بالقنا واترک مشدوداً علیّ وثاقیاًترجمہ: اس سے بڑھ کر کیا مصیبت ہوسکتی ہے کہ سوار نیزوں کو ہاتھ میں لئے رفت وآمد کررہے ہیں اور میرے ہاتھ پاؤں زنجیر میں باندھ کر ایک جگہ رکھ دیا ہے ۔

اس کے بعد سعد کی بیوی خصفہ سے مخاطب ہوکر بولا : افسوس ہو تم پر ! مجھے آزاد کرو ۔ میں تم لوگوں سے عہد وپیمان باندھتا ہوں کہ اگر میدان جنگ سے زندہ لوٹا تو اپنے آپ کو خود زنجیر میں باندھ لوں گا اور اگر قتل ہوا تو تم لوگ میرے ہاتھ سے نجات پاؤگے ، اس عورت نے ابو محجن کے پاؤں کی زنجیر کھول دی وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور (بلقا نامی) سعد کے گھوڑے پر سوار ہوکر ہاتھ میں ایک نیزہ لئے ہوئے روانہ ہوا جس طرف بھی حملہ کرتا تھا دشمن کو شکست دیتا تھا لوگ کہتے تھے : یہ نصرت کا فرشتہ آیا ہے تاکہ اسلام کی مدد کرے ۔سعد خود بھی ان حملوں کا مشاہدہ کررہا تھااور کہتا تھا : اس گھوڑے کی اچھل کود میرے گھوڑے (بلقاء) کی جیسی ہے لیکن نیزہ مارنا ابو محجن کی نیزہ بازی جیسی ہے البتہ وہ زنجیروں میں باندھا ہوا ہے جب دشمن نے شکست کھائی تو ابو محجن واپس آیا اور اپنے پیروں میں دوبارہ زنجیر باندھ لی، خصفہ کی بیٹے نے اس قضیہ کو سعد تک پہونچایا تو سعد نے کہا : خدا کی قسم میں آج ایسے مرد پر حد جاری نہیں کروں گا کہ خداوند عالم نے اس کے ہاتھوں مسلمانوں کو ایسی نعمت عطا کی ہے ،اس کے بعد ابو محجن کوآزاد کردیا گیا ، ابو محجن نے کہا : جن دنوں مجھ پر حد جاری کی جاتی تھی میں شراب پیتا تھا ،اور خود کو حد کے ذریعہ پاک کرتا تھا، لیکن تم نے مجھ سے حد اٹھالی، توخدا کی قسم میں ہرگز شراب نہیں پیؤوں گا ۔

سیف کی روایت میں ابو محجن کی داستان

یہ تھی محمد بن سعد کی روایت کے مطابق ابو محجن کے بارے میں قادسیہ کی داستان، لیکن طبری کی نقل کی گئی روایت کے مطابق سیف یوں کہتا ہے : سعد نے شورش برپا کرنے والی ایک جماعت کو گرفتار کرکے جیل میں ڈالدیا اور کہا : خدا کی قسم اگر دشمن کے مقابلے میں نہ ہوتے تو تم لوگوں کو دوسروں کیلئے عبرت کا سبب بناتا، ابو محجن بھی زندانیوں میں شامل تھا ۔ایک دوسری جگہ پر اس سے نقل کیا گیا ہے : سعد کی بیوی کے ہاتھوں آزاد ہونے کے بعد ابو محجن قادسیہ کے دن جنگ کرکے پھر سی زندان لوٹا اور خود کو زنجیر میں باندھ لیا سلمی نے ابو محجن سے کہا : اے ابو محجن ! اس مرد نے تجھے کس جرم میں جیل میں ڈالدیا ہے ؟ اس نے جواب میں کہا : خدا کی قسم مجھے ایام جاہلیت کے دوران حرام چیز کے کھانے یا پینے کے جرم میں جیل میں ڈالدیا گیا ہے چونکہ میں ایک شاعر ہوں اور شعر کہتا ہوں اور گاہے ان اشعار کو پڑھتا ہوں اس لئے لوگ برا بھلا کہتے ہیں اور اسی لئے سعد نے مجھے زندان میں ڈالدیا ہے یہاں تک کہتا ہے : سلمی نے اپنے شوہر سعد سے واقعہ بیان کیا ۔

سعد نے اسے بلا کر آزاد کردیا اور کہا : جاؤ ، اس کے بعد سے جب تک کہ کوئی عملی صورت نہ ہو تجھ سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کروں گا ، ابو محجن نے کہا ؛ اب جب کہ ایسا ہے تو میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ اپنی زبان کو کبھی اجازت نہیں دوں گا کہ وہ کسی بد کلامی کیلئے کھلے ۔ابوالفرج نے ابی محجن کی تشریح میں اغانی سے اور سیف کی اسی روایت کو طبری سے نقل کیا ہے ۔ ابن حجر الاصابہ میں کہتا ہے : ابن فتحون نے ابن عبد البر کی اس بات پر تنقید کی ہے کہ ابو محجن کے بارے میں کہتا ''وہ ہمیشہ شراب میں غرق رہتا تھا '' اور کہا ہے کہ یہی بیان حد جاری کرنے کیلئے کافی تھا اس سے بیشتر سزاوار نہ تھا کہ اسکے بارے میں کوئی اور بات کہتا اور بہتر یہ تھا کہ اس کے بارے میں سیف کی روایت کو نقل کرتے اس کے بعد اس نے خود ہی سیف کی روایت کو جسے ہم نے نقل کیا ہے، نقل کیا اس کے بعد اصابہ کا مؤلف کہتا ہے : سیف ضعیف ہے اور جس روایت کو ہم نے نقل کیا ہے زیادہ معتبر اور مشہور ہے[1]

[1] الاصابہ ج ۴، ۱۵۷۔

ابن فتحون کی نظر میں جو بھی روایت کرے کہ سعد نے ابو محجن کی حد کو اٹھالیا ، صحیح نہیں ہے اور کہا ہے سعد کے بارے میں کبھی ایسا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے اس کے بعد کہتا ہے : لیکن سعد کا یہ عمل بہتر توجیہ کا حامل ہے، مگر اس توجیہ کو پیش نہیں کیا ہے، شاید اس کا مقصود یہ ہو، چونکہ سعد نے کہا ہے ''ابو محجن کو شراب نوشی کے بارے میں تازیانے نہیں لگاؤں گا ''کوئی شرط مد نظر رکھی تھی اور وہ یہ کہ اگر ثابت ہوجائے کہ اس نے شراب پی لی ہے لیکن خداوند عالم نے ابو محجن کو توفیق عطا کی کہ اس نے مخلصانہ طور پر توبہ کی اور پھر کبھی شراب نہیں پی ..... معودی نے مروج الذہب[1] میں سیف کی روایت کو سند کے بغیر نقل کیا ہے ہماری نظر میں اسے تاریخ طبری سے نقل کیا گیا ہے کیوں کہ معودی نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں جہاں پر مؤرخین کی تفصیلات بیان کرتا ہے اور تاریخ کے معتبر مصادر کا نام لیتا ہے طبری کی ،کافی تجلیل کرتا ہے، جبکہ وہاں پر نہ سیف کا نام لیا ہے اور نہ اس کی تالیفات کا ذکر کیا ہے یہ تھا سیف کی روایت کا متن اور جنہوں نے اسے نقل کیا ہے

۔ سیف کی روایت کی سند کی چھان بین روایت کی سند میں محمد ،طلحہ ،زیاد، اور ابن محراق کے نام اور اس نے قبیلۂ طی کے ایک مرد کے ہمراہ آیا ہے ۔ ''زیاد کی نسل کی اصلاح '' کے باب میں سیف کے دوراوی یعنی محمد و طلحہ کی تحقیق کی ہے لیکن زیاد سیف کی روایتوں کی سند میں زیاد، زیاد بن سرجس احمری ہے اور اس جعلی راوی کا سیف کے دوسرے راویوں کے مانند علم رجال اور سند شناسی کی کسی اور کتابوں میں کہیں نام و نشان نہیں پایا جاتا ہے باوجودیکہ سند نمبر ۵۳ میں ذکر کی گئی روایت سیف کی کچھ روایتیں طبری میں درج ہیں لیکن ، ابن محراق ، نہ وہ خود معلوم ہے اور نہ اس کا بیٹا اور نہ ہی '' قبیلہ طی کا وہ مرد ، کہ جس سے یہ گمنام باپ کا بیٹا روایت کرتا ہے ۔

متن روایت سیف کی چھان بین: جو کچھ ہم نے لکھا اس سے معلوم ہوا کہ سیف کی روایت اور محمد بن سعد کی روایت میں کس حد تک فرق ہے، ابو محجن سعد کی بیوی سے کہتا ہے : اگر میں قتل ہوا تو تم لوگ مجھ سے مطمئن ہوجاؤ گے اور یہ خود اس کی دلیل ہے کہ سعد کی

---

[1] مروج الذهب ج ۲ ۴۲۲۔ ۴۲۴۔

بیوی اس امر سے مطلع تھی کہ اس کا شوہر ابو محجن سے کتنا رنجیدہ خاطر تھا، اس کے علاوہ ابو محجن کا دائم الخمر ہونا، شراب نوشی کے جرم میں چند بار تازیانہ کھانا، شموس نامی انصاریہ عورت کے گھر میں بری نظر سے جھانکنا اور اسکے بعد ''خصوصی'' کے لئے جلا وطن ہونا، مامور محافظ کو قتل کرنے کا قصد کرنا قادسیہ میں اس کا لشکر سے ملنا اور قادسیہ کے کیمپ میں مست ہونے کی وجہ سے زندانی ہونا، یہ سب واقعات ایسی چیزیں نہیں تھیں جو اس زمانے میں کسی سے پوشیدہ ہوں پہ جائے کہ، سپہ سالار ابو محجن سے پوچھے کہ تجھے کس لئے جیل میں ڈالدیا گیا ہے؟

جبکہ ہم نے مشاہدہ کیا کہ سعد کا بیٹا اپنی روایت میں صراحت سے کہتا ہے کہ جب قادسیہ کے دن آیا، ابو محجن کو میرے والد سعد کے پاس لایا گیا جبکہ وہ پی کر مست تھے، لہذا حکم دیا کہ اسے زنجیروں سے جکڑ دیا جائے محمد بن سعد اپنی روایت کے آخر میں کہتا ہے کہ سعد نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! میں آج ایسے مرد پر حد جاری نہیں کروں گا جس کے ہاتھوں خدا نے مسلمانون کوایسی نعمت عطا کی ہے اور ابو محجن نے خود یوں کہا ہے: جب تک مجھ پر حد جاری ہوتی تھی وہ میرے گناہوں سے تطہیر کا سبب ہوتا تھا، میں شراب پیتا تھا لیکن اب جبکہ آپ نے مجھ سے حدا ٹھالی ہے لہذا خدا کی قسم اب میں دوبارہ ہرگز شراب نہیں پیؤں گا۔ لیکن سیف نے اس گفتگو کو ابو محجن اور سعد کی بیوی کے درمیان گڑھ کر اسے اپنی روایت کا حصہ قرار دیا ہے تاکہ سعد کا دفاع کرے کہ اس نے کیوں خدا کے معین کئے گئے حد کو معطل کیا ہے اور اس کے علاوہ ابو محجن کا بھی دفاع کرے کہ کیوں دائم الخمر تھا، پھر اپنی جعلی داستان کو مکمل کرکے سعد کی زبانی نقل کرتا ہے: میں تجھے تیرے کلام پر پوچھ تاچھ نہیں کروں گا جب تک کہ ان پر عمل نہ کرو اس کے علاوہ ابو محجن کی زبانی ایک جھوٹ گڑھ لیا ہے کہ اس نے کہا: خدا کی قسم میں بھی اپنی زبان کو برے کلام سے ناپاک نہیں کروں گا اس جھوٹی روایت کے ذریعہ سیف ابو محجن سے جو کچھ تواتر کیساتھ نقل ہوا ہے اس کا مست رہنا تازیانے کھانا اور بدکرداریوں سے انکار کیا جاتا ہے اور ابن فتحون جیسے لوگ (جو اگر تاریخ کے حقیقی واقعات ان کی چاہت کے بر خلاف ہوں تو سننے کیلئے تیار نہیں ہیں) نے بھی اس جھوٹ کی اشاعت کی ہے اور مسعودی جیسے قابل اعتماد تاریخ نویس نے بھی اس سلسلے میں تغافل کیا ہے ور طبری

پر کئے جانے والے اعتماد کی بنا پر اس جھوٹ کو اپنی قیمتی تاریخ مروج الذہب میں درج کیا ہے البتہ مسعودی جیسی کچھ بزرگ شخصیتیں بھی لغزش و خطا سے محفوظ نہیں ہیں، لیکن ان تمام حالات کے باوجود دوسری مشہور کتابوں نے اس تاریخی واقعہ کے بارے میں صحیح روایتوں کو تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے لہذا سیف اور اس کے حامی کامیاب نہیں ہوئے ہیں کہ اس حقیقت پر پردہ ڈال کر اسے بر عکس دکھائیں۔

شوریٰ اور حضرت عثمان کی بیعت کی داستان

بایع و الا ضربت عنقک یا علی! عثمان کی بیعت کرو، ورنہ (عمر کی وصیت کے مطابق) میں تمہارا سر قلم کردوں گا۔ عبد الرحمن بن عوف سیف کی روایت کے مطابق شوریٰ اور حضرت عثمان کی بیعت طبری نے ۲۳ھ کے حوادث بیان کرتے ہوئے سیف سے روایت کی ہے کہ عمر نے کہا: ''میں جانتا ہوں کہ لوگ ان دو مرد (علی و عثمان) کے برابر کسی کو نہیں جانتے ہیں، چونکہ یہ دوافراد ایسے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کے اور جبرئیل کے درمیان ہمراز تھے، آپ جبرئیل سے پیغام لیتے تھے اور ان دو کو املاء فرماتے تھے[1] اور مزید ۲۴ھ کے حوادث بیان کرتے ہوئے سیف سے روایت کرتا ہے کہ: ماہ محرم کی تیسری تاریخ کو اہل شوریٰ نے متفقہ طور پر عثمان کے حق میں رأی دی اور یہ نماز عصر کا وقت تھا، مؤذن صہیب نے اذان دی. لوگ اذان و اقامت کے درمیان جمع ہوئے، عثمان باہر آئے اور نماز کی امامت کی، مزید روایت کی ہے کہ اس نے کہا جب اہل شوریٰ نے عثمان کے حقمیں رأی دی تو۔ عثمان اس حالت میں باہر آئے کہ دوسرے تمام لوگوں سے غمگین تر نظر آرہے تھے، اس کے بعد رسول خداؐ کے منبر پر جا کر ایک خطبہ پڑھا، خداوند عالم کی حمد وثنا کی اور پیغمبرؐ پر درود بھیجا، اس کے بعد کہا '': تم لوگ ایک ایسے گھر میں ہو جس کی بنیادیں انتہائی کمزور ہیں اور اپنی باقی بچی عمریں کاٹ رہے ہو، جتنا ممکن ہو سکے موت سے پہلے نیک کام انجام دو صبح یا شام کو موت تمہیں پالے گی دنیا کو غرور نے اپنے جال میں پھنسایا ہے۔

---

[1] تاریخ طبری، ج۳، ۲۹۲۔

لہذا دنیا کی زندگی تمہیں مغرور نہ کرے اور شیطان تمہیں فریب نہ دے ،اپنے اسلاف سے عبرت حاصل کرو اس کے بعد تلاش کرو اور غفلت میں نہ رہو، فراموش نہیں کئے جاؤ گے،کہاں گئے اس دنیا کے بیٹے اور بھائی، وہ جو کھیت میں ہل چلا کر اسے آباد کرتے تھے اور سالہا سال تک اس سے فائدہ اٹھاتے تھے ؟! کیا اس دنیا نے انھیں دور نہیں پھینکا دنیا کے بارے میں تمہارا مقصد وہی ہونا چاہئے کہ جیسے خداوند عالم نے اسے مقصد قرار دیا ہے اور آخرت کے طالب رہو کہ خداوند عالم نے اس دنیا کیلئے ایک ضرب المثل بیان فرمائی ہے اور جو احسن ہے اسے معین فرمایا ہے، خدائے عزو جل نے فرمایا ہے: (واضرب لھم مثل الحیوۃ الدنیا کماء وأنزلنٰہ من السّماءِ[1]). تقریر کے اختتام پر لوگوں نے اس کی طرف بڑھ کی بیعت کی ۔

یہ تھی شوریٰ نیز عثمان کی بیعت اور ان کی پہلی تقریر کے بارے میں سیف کی روایت!! عمر کا نامزد کیا گیا خلیفہ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص شوریٰ اور عمر کے جانشین مقرر کرنے کی کیفیت پر تحقیق و غور و خوض کرے گا وہ اس بات کو با آسانی سمجھ لیگا کہ عمر بہت پہلے ہی سے اپنی جانشینی کے بارے میں منصوبہ بندی کر چکے تھے اور عثمان کی خلافت کیلئے ماحول کو سازگار بنا چکے تھے اس طرح شوریٰ کی روداد ایک بہانہ سے زیادہ نہ تھی ۔ابن ہشام عبد الرحمان بن عوف سے نقل کرتا ہے کہ ایک شخص نے منیٰ میں عمر سے کہا : اے امیر المؤمنین ! فلان شخص کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ خدا کی قسم ابوبکر کی بیعت کا مسئلہ ایک بغیر سوچے سمجھے عمل کے علاوہ کچھ نہیں تھا اور اسی صورت میں انجام پایا،ہے کہتے ہیں کہ عمر یہ بات سن کر غضبناک ہوگئے اور کہا : میں انشاء اللہ آج رات کو ہی اس کام کے بارے میں اقدام کروں گا اور ان لوگوں کیلئے خطرہ کا اعلان کروں گا جو ناحق اور غاصبانہ طور پر کام کی باگ ڈور کو لوگوں سے چھین لینا چاہتے ہیں ۔ عبد الرحمان کہتا ہے : میں نے کہا :یا امیر المؤمنین !آپ ایسا نہ کریں کیونکہ سارے کم فہم اور تخریب کار لوگ موسم حج میں ایک جگہ پر اکٹھا ہوئے ہیں اس بات کی..... مہلت دیجئے تا کہ اسلامی دار الخلافہ مدینہ پہنچ جائیں، وہاں پر آپ کی بات سننے والے صرف دانشور لوگ ہوں گے جو بھی کہنا چاہتے ہیں مدینہ میں اطمینان کامل کے ساتھ کہہ سکتے

---

[1] کہف،۴۵

ہیں اور دانشور آپ کی بات کو قبول کریں گے اور اس پر عمل کریں گے ۔ عبد الرحمان کہتا ہے : عمر نے کہا : خدا کی قسم انشاء اللہ لوگوں کے درمیان اپنی پہلی تقریر کے دوران اس کام کا اقدام کروں گا ۔ اس کے بعد کہتا ہے: عمر مدینہ پہنچنے کے بعد پہلے جمعہ کو منبر پر گیا اور ایک خطبہ پڑھا اور اس میں کہا ؛ مجھے رپورٹ ملی ہے کہ فلاں نے کہا ہے کہ خدا کی قسم اگر عمر بن خطاب مرجائے تو قطعا فلاں کی بیعت کروں گا ۔ ایسا نہ ہو کہ یہ کلام کہ ابوبکر کی بیعت بلا سوچ سمجھے اور بدون تدبیر انجام پائی ہے ''، کسی کو فریب دے ، کیونکہ وہ بیعت اگرچہ ایسی نہیں تھی ، لیکن خداوند عالم نے ہمیں اس کے شر سے نجات دی ہے اور اس کے علاوہ اس نکتہ کی طرف توجہ رکھیئے کہ اس وقت ابوبکر کے مانند کوئی اور آپ کے درمیان موجود نہیں تھا کہ جس پر سب اس پر اتفاق کر کے اس کی اطاعت کریں ، اس لئے جو کوئی مسلمانوں سے صلاح و مشورہ کئے بغیر کسی کی بیعت کرے گا تو ایسی بیعت کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی اور طرفین قتل کئے جائیں گے[1] ہم اس کتاب کے پہلے حصہ میں جہاں پر '' فاطمہ زہراء (س) کے گھر میں دھرنا دینا '' اور ١٣٦ (صفحہ پر) پر عمر کے نقطہ نظر اور ان کی رای کے عنوان سے اس کی وضاحت کی ہے وہاں پر اس روایت کی باقی اسناد بھی ذکر کی ہیں ۔ ابن ابی الحدید نے جاحظ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتا ہے : جس شخص نے یہ کہا تھا کہ اگر عمر مرجائے تو میں فلاں کی بیعت کروں گا وہ عمار بن یاسر تھے کہ اس نے کہا تھا ؛ اگر عمر مرجائے تو علی علیہ السلام کی بیعت کروں گا ، عمر کا یہی کلام سبب بنا کہ عمر نے اشتعال میں آکر وہ تقریر کی[2] ایک اور حدیث شناس نے کہا ہے کہ عمر کے مرنے کے بعد جس کی بیعت کی جائے وہ طلحہ بن عبد اللہ تھا ۔ جس کی بیعت کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا ، اسے پہچاننا ہماری نظر میں اہم نہیں ہے، بلکہ اہم یہ ہے کہ خلیفہ نے اپنی تقریر میں خلافت کے کام میں '' مشورت '' کا بیان کیا ہے جبکہ اس کی مثال نہیں ملتی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا جانشین مقرر کرنے کے سلسلے میں کہیں مشورت یا شوری کا ذکر کیا ہو، دوسری طرف سے ابوبکر کی بیعت اچانک اور بلا غور و فکر اور تدبیر انجام پائی جیسا کہ ہم نے عمر کی زبانی سنا ۔

---

[1] سیره ابن هشام ،ج ۴، ۳۳۷۔
[2] شرح ابن ابی الحدید، ج ۳، ۱۲۳۔

اور اسی طرح خود عمر کی بھی ابوبکر کے نامزد کرنے سے بیعت کی گئی ، نہ مجلس شوریٰ کی روسے اور نہ ہی مسلمانوں کے مشورت سے ، اس لئے یہ (عمر) پہلا شخص تھا جس نے جانشین مقرر کرنے کیلئے بذریعہ شوریٰ منصوبہ بنایا تھا، عمر نے اس خطبہ میں واضح طورپر اظہار کیا ہے کہ مغیرۃ بن شعبہ کے غلام فیروز کے ہاتھوں زخمی ہونے سے پہلے شوریٰ کی فکر میں تھا لیکن یہ کہ وہ اپنی جانشینی کے امید وار کو مقرر کر چکا تھا یا یہ کام صرف شوریٰ پر چھوڑا تھا آئندہ نقل کی جانے والی روایتوں سے معلوم ہوگا ۔

محب الدین طبری[۱] نے ریاض النضرہ کی دوسری جلد کے صفحہ ۷۴، پر عبد اللہ بن عمر سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے ؛ جب عمر زخمی ہوئے، تو میں نے کہا :اے امیر المؤمنین ! کیا اچھا ہوتا اگر آپ اپنی کوشش و تلاش سے کسی کو ان لوگوں کی فرمانروائی کیلئے مقرر فرماتے ؟اس نے کہا :مجھے بٹھائیے ! عبد اللہ نے کہا : جوں ہی اس نے کہا '' مجھے بٹھائیے '' تو میں اس قدر ڈر گیا اور آرزو کی کہ مدینہ کے برابر اس سے دوری اختیار کیا کروں اس کے بعد کہا ؛ قسم اس خدا کی جس کے قبضہ میں عمر کی جان ہے میں قطعی طور فرمانروائی کو واپس اسی شخص کے ہاتھ میں دیدوں گا جس نے پہلی بار اسے مجھے دیا تھارہا سوال اس کا کہ جس نے پہلی بار عمر کو خلافت دی ، وہ عثمان تھا چنانچہ طبری نے اپنی سند سے واقدی کے حوالے سے کہا ہے کہ : ابوبکر نے عثمان کو حکومت میں لے جا کر کہا ؛ لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم ، یہ ایک عہد نامہ ہے جسے ابوبکر بن ابی قحافہ نے مسلمانوں کیلئے لکھا ہے اما بعد... کہتے ہیں کہ جوں ہی انھوں نے اما بعد کہا، ان کی حالت بگڑگئی اور بے ہوش ہوگئے اور مطلب کو جاری نہ رکھ سکے اس کے بعد عثمان نے خود لکھا : اما بعد، میں نے عمر کو آپ لوگوں کیلئے نامزد کیا ہے اور میں آپ کے درمیان اس سے بہتر کسی اور کو نہیں جانتا ہوں اسکے بعد ابوبکر ہوش میں آئے اور پوچھا : کیا لکھا تم نے؟ مجھے پڑھ کر سناؤ، عثمان نے تحریر کو ابوبکر کیلئے پڑھا ، ابوبکر نے کہا ؛ اللہ اکبر ، میری نظر میں خدا تجھے اسلام سے نیک انعام عطا کرے ، اور ابوبکر باقی وصیت نامہ کو، جہاں تک عثمان نے لکھا تھا اقرار کرکے تائید کی ۔ روایت کا متن حسب ذیل ہے: دعا ابوبکر عثمان خالیا فقال لہ اکتب: بسم اللہ الرحمن الرحیم ھذا ما عھد ابوبکر بن ابی قحافہ الی المسلمین، اما بعد، قال، ثم اغمی

[۱] الرياض النضرة ،ج ۲/ ص ۷۴۔

علیه، فذهب عنه، فکتب عثمان : اما بعد فانی قد استخلفت علیکم عمر بن الخطاب و لم آلکم خیراً منه ثم أفاق ابوبکر فقال : إقرأ علیَ، فقرأ علیه فکبر ابوبکر، و قال : اراک خفت ان یختلف الناس ان افلتت نفسی فی غشیتی؟ قال نعم، قال : جزاک اللّٰہ خیراً عن الاسلام و اقرها ابوبکر من هذا الموضع[1] خود عمر نے بھی ایک دوسری جگہ پر صراحت سے کہا ہے کہ عثمان کو اپنی جانشینی کیلئے مد نظر رکھا تھا خیثمہ بن سلمان اپنی کتاب ''فضائل الصحابہ'' میں حذیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا؛ کسی نے موقف میں عمر سے پوچھا: آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا ؟ اس نے کہا: عثمان بن عفان[2]: قیل لعمر و هو بالموقف مَن الخلیفة بعدک ؟ قال : عثمان بن عفان۔ متقی ھندی نے نے کنزل العمال[3] روایت میں کہا ہے کہ عمر نے یہ جواب مدینہ میں ان لوگوں کو دیا جنھوں نے ان سے سوال کیا تھا: آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا۔

سیف کے علاوہ کی گئی روایت میں شوریٰ کی داستان: بلاذری نے انساب الاشراف[4] میں اور ابن سعد نے طبقات[5] میں روایت کی ہے کہ عمر بن خطاب نے ایک جمعہ کو خطبہ پڑھا اور پیغمبرؐ اور ابوبکر کا ذکر کیا پھر کہا؛ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک مرغا مجھے چونچ مار رہا تھا، میرے خیال میں اسکی تعبیر اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ میری موت نزدیک ہے اور دوسری طرف سے کچھ لوگ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ اپنے بعد والے خلیفہ کو نامزد کروں، البتہ خداوند عالم اپنے دین، اپنے خلیفہ اور اپنے اس ہدف کو ضائع ہونے نہیں دے گا جس کیلئے پیغمبر کو بھیجا تھا۔ اگر جلدی میری موت آگئی تو خلافت شش رکنی شوریٰ میں سے کسی ایک کو ملے گی جسے شوریٰ والے رائے دیں گے اور یہ چھ افراد وہی ہیں جن سے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رحلت کے وقت راضی تھے، میں جانتا ہوں کہ اس کام کے بارے میں مجھ پر اعتراض کیا جائے گا، لیکن تم لوگوں کو توجہ کرنا چاہئے کہ اعتراض کرنے والے وہی لوگ ہیں جنھیں میں نے زبردستی اسلام کے دائرے میں داخل کیا ہے اگر انھوں نے ایسا اعتراض کیا تو وہ دشمن اسلام ہیں۔ ابن عبد البر[5]

---

[1] تاريخ طبرى ،ج ٢، ٦١٨ .
[2] الرياض النضرة ،ج ٢، ١٢ قيل لعمر و هو بالموقف ، من خليفتك بعدك ؟ قال : عثمان بن عفان .
[3] كنزل العمال، ج ٣، ص١٥٨
[4] انساب الاشراف ،ج ٥ ص ١٥. ١٦.
[5] العقد الفريد ، ج٣/ ٧٣

دوو سندوں کے ساتھ روایت کرتا ہے کہ جب عمر ابن خطاب زخمی ہوئے تو ان سے کہا گیا : یا امیر المؤمنین !کیا اچھا ہوتا اگر اپنے بعد خلیفہ کومقرر کردیتے تو انھوں نے کہا : اگر میں تمہیں اپنے حال پر چھوڑدوں اور یہ کام تمہارے سپرد کردوں تو؟ اس لئے کہ جو مجھ سے بہتر تھا اس نے ایسا ہی کیا ہے اور اگرآپ لوگوں کیلئے خلیفہ نامزد کروں تو بھی مجھ سے بہتر تھا اس نے بھی ایسا ہی کیا ہے اگر اس وقت ابو عبیدہ جراح زندہ ہوتے تو میں یقیناً انھیں اپنا جانشین بنا دیتا اور اگر خداوند عالم مجھ سے اس سلسلہ میں پوچھتا تو میں کہتا کہ میں نے تیرے پیغمبرؐ سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے: ابو عبیدہ اس امت کا امین ہے۔

اور اگر ابوحذیفہ کا آزادکردہ غلام ، سالم زندہ ہوتاتو اسے اپنا جانشین قرار دیتا اور خدا کے اعتراض کے جواب میں کہتا کہ میں نے تیرے پیغمبرؐ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے : بے شک سالم خداکو ایسا دوست رکھتا تھا کہ اگر خدا سے خوف بھی نہ رکھتا تو بھی گناہ نہیں کرتا ،کہا گیا : کیوں عبداللہ کو اپنا جانشین نہیں بناتے وہ، جبکہ دیانت و فضل اور اسلام میں پیش قدم ہونے کی وجہ سے اس کی صلاحیت مسلم ہے ۔ کہا : خطّاب کے بیٹوں کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ ان میں سے صرف ایک شخص امت محمدؐ کے بارے میں حساب دے، میں کتنا خوشحال ہوں کہ اس محاسبہ سے سالم نکل آیا نہ نفع کمایا اور نہ نقصان، پھر ان سے سوال ہوا ،کہ کاش کسی کو معین کرتے ؟ کہا : جو بات میں نے کہی اسکے کیلئے آمادہ کیا ہے کہ آپ لوگوں کی فرمان روائی کیلئے کسی کو معین کروں گا اور امید رکھتا ہوں کہ وہ آپ لوگوں کو راہ حق کی طرف راہنمائی کرے گا ، یہ کلمات کہتے ہوئے علی علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا : لیکن میں نے مصلحت اس میں سمجھ کہ اپنی زندگی میں نیز مرنے کے بعد بھی اس کام کی ذمہ داری اپنے سر نہ لوں[1]....بلاذری نے عمرو بن میمون سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا ؛ میں عمر کے زخمی ہونے کا شاہد تھا ،اس کے بعد ایک مفصل حدیث ذکر کی اس کے بعد کہا ؛ عمر نے کہا، علی علیہ السلام ، عثمان ، طلحہ و زبیر ، عبد الرحمان بن عوف اور سعد بن ابی وقاص کو میرے پاس بلالاؤ ان چھ افراد میں سے علی علیہ السلام اور عثمان کے علاوہ کسی اور سے بات نہیں کی، علی علیہ السلام سے کہا ؛ یا علی ! شاید یہ لوگ آپ کے بارے میں

[1] العقد الفرید، ج ۳، ۷۳۔

معلومات کرنا اور پہچاننا چاہتے ہیں کہ آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رشتہ دار ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے داماد ہونے کا شرف بھی رکھتے ہیں اور خداوند عالم نے آپ کو فقہ و دانش میں ایک بلند مقام عطا کیا ہے۔ اگر آپ نے اس کام کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تو تقویٰ کو ہاتھ سے جانے نہ دینا ، اس کے بعد عثمان کو بلاکر اس سے کہا ؛ اے عثمان ! شاید یہ لوگ تیرے حق کو جان لیں کہ آپ پیغمبرؐ کے داماد تھے اور بہت سن رسید ہیں ، اگر حکومت تیرے ہاتھوں میں آئی تو خدا سے ڈرنا اور ابو معیط کے خاندان (عثمان کے رشتہ دار) کو ملت کی گردن پر سوار نہ کرنا اسکے بعد کہا : صہیب کو میرے پاس بلاؤ ، جب وہ حاضر ہوا تو اسے یوں حکم دیا : تین دن تک لوگوں کی امامت کی مؤلیت تیرے ذمہ ہے اور ان چند افراد کو کسی گھر میں بیٹھ کر شوریٰ کو تشکیل دینا چاہیے ، اگر متفقہ طور پر انہوں نے اپنے میں سے کسی ایک کو معین کرلیا ، تو جو بھی اس کی مخالفت کرے اس کا سر قلم کردینا جب یہ لوگ عمر سے رخصت ہوکر چلے گئے تو عمر نے کہا : اگر خلافت کے کام کو '' اجلح '' (وہ مرد جس کے سر کے اگلے حصہ کے بال کم ہوں مقصود علی تھا) کے ہاتھ سونپیں گے تو وہ لوگوں کی احسن طریقہ سے رہبری کرے گا اور منزل مقصود تک پہنچائے گا[1]۔

ابن عمر نے کہا : یا امیر المؤمنین کیا آپ کیلئے خود معین کرنے میں کوئی مشکل ہے ؟ کہا : میں نہیں چاہتا ہوں زندہ یا مردہ اس کے زیر بار رہوں طبقات[2] ابن سعد میں بھی تقریباً اس قسم کی روایت ہے ۔ الریاض النضرہ میں بھی عمرو بن میمون نے جو کچھ عمر سے علی کے بارے میں نقل کیا ہے اس کے بعد آیا ہے : صاحب صحیح ، نسائی نے یہ روایت نقل کی ہے اور اس میں اضافہ کیا ہے : کیا اچھے لوگ ہوں گے اگر خلافت کی باگ ڈور کو کشادہ پیشانی والے شخص کو سونپتے تو وہ اس وقت دیکھیں گے کہ کس طرح وہ انھیں حق پر چلنے پر مجبور کرے گا اگر چہ وہ ہمیشہ تلوار لئے ہوئے ہوگا : للہ درّھم ان ولّوھا الأصلع کیف یحملھم علی الحق و ان کان السیف علی عنقہ میں نے کہا : اگر اس کے بارے میں اس قسم کی لیاقت کا تجربہ رکھتے ہیں تو خلافت کو اس کے حوالہ کیوں نہیں کرتے ؟

---

[1] انساب الاشراف، ج ٥ . ان ولّو ھا الأجلع لسلک بھم الطریق۔
[2] الریاض النضرۃ، ج ٢، ص ٧٢۔

اس نے کہا ؛ اگر میں مرگیا اور یہ کام لوگوں پر چھوڑ کے چلا گیا تو مجھ سے پہلے کسی نے ایسا کیا ہے جو مجھ سے افضل تھا[1] بلاذری نے انساب الاشراف میں اپنی سند سے واقدی سے نقل کیا ہے کہ عمر اپنی جانشینی کے بارے میں گفتگو کررہے تھے اُن سے کہا گیا کہ کیوں عثمان کے بارے میں کچھ نہیں کہتے ہو؟

اس نے کہا : اگر میں ایسا کروں تو عثمان، ابو معیط کی اولاد کو لوگوں کی گردن پر سوار کردے گا ۔ کہا گیا : زبیر کے بارے میں کیا خیال ہے ؟اس نے کہا : وہ راضی حالت میں مؤمن صفت ہے او ر غضب کی حالت میں کافر۔ کہا گیا : طلحہ ؟ اس نے کہا : اس کی ناک آسمان تک لمبی ہے اور اس کا مقعد پانی میں ہے کہا گیا : سعد؟اس نے کہا ؛ : وہ ایک لشکر کی سرکردگی کا سزاوار ہے مگر دسویں حصہ کی فرمانروای اس کیلئے زیادہ ہے ۔ کہا گیا : عبد الرحمان ؟ اس نے کہا : اگر وہ اپنے اہل و عیال کوادارہ کر سکے تو کافی ہے ۔ ابن میمون سے روایت ہے کہ عمر نے شوریٰ کو چھ افرد پر چھوڑدیا اور کہا عبید اللہ بن عمر بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہے لیکن وہ امیدوار بننے کا حق نہیں رکھتا ہے[2] بلاذری نے کتاب انساب الاشراف، ج ۵، ص ۱۸ میں ابو مخنف سے روایت کی ہے: عمر بن خطاب جب زخمی ہوئے تو اس نے عبد للہ بن جدعان کے آزاد کردہ غلام صہیب کو حکم دیا تا کہ مہاجر و انصار کے بزرگوں کو عمر کے پاس بلالائے جب وہ سب اس کے پاس جمع ہوئے تو عمر نے ان سے کہا :میں نے اپ لوگوں کا کام مہاجرین کی ایک چھ رکنی شوریٰ کے سپرد کردیا ہے وہ ہجرت میں سبقت رکھتے ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی رحلت کے وقت ان سے راضی تھے، میں نے ان سے کہا ہے کہ اس شوریٰ میں سے کسی ایک کو اپنے پیشوا کے طور پر منتخب کریں اس کے بعد عمر نے ان میں کچھ افراد کا نام لیا اس کے بعد ابو طلحہ زید بن سہل خزرجی کو حکم دیا تا کہ انصار میں سے پچاس افراد کو منتخب کرکے اپنے ساتھ رکھے، اور کہا : جب میں وفات پاؤں تو شوریٰ کے چھ افرد کو مجبور کرنا تا کہ جتنا ممکن ہو سکے جلدی اپنے میں سے ایک کو امت کی رہبری کیلئے چن لیں اور شوری کا جلسہ تین دن سے زیادہ طولانی نہیں ہونا چاہئے اور صہیب کو حکم دیا کہ نماز جماعت کی امامت خود سنبھالے تا کہ شوریٰ خلافت

[1] الرياض النضرة،ج ٢، ص ٧٢.
[2] انساب الاشراف ،ج ٥. ص ١٧.

کا مسئلہ حل کرے ۔ جس وقت عمر یہ احکام جاری کررہے تھے، طلحہ بن عبد اللہ ''سراہ'' میں اپنے کھیت میں تھا اور مدینہ میں موجود نہ تھا ۔لہذا عمر نے کہا: اگر طلحہ ان تین دنوں کے جلسہ کے دوران آگیا تو بہتر ورنہ اس کا انتظار نہ کرنا اور کام کو آگے بڑھانا ۔ جس پر بھی اتفاق ہو اس کی بیعت کرنا جو بھی اس کی مخالفت کرے اس کا سر تن سے جدا کرنا ۔ راوی کہتا ہے کہ ایک قاصد کو طلحہ کے پاس بھیجا گیا تا کہ فوری طور پر اپنے آپ کو مدینہ پہنچا دے لیکن وہ اس وقت مدینہ پہنچا جب عمر اس دنیا سے جا چکے تھے اور لوگوں نے عثمان کی بیعت کر لی تھی اور طلحہ اپنے گھر میں بیٹھا رہا اور بولا: کیا مجھ جیسے پر رائے تھوپی جا سکتی ہے ؟

لہذا عثمان طلحہ کے پاس آئے ، طلحہ نے ان سے کہا ؛ اگر میں شوریٰ کی رائے قبول نہ کروں تو کیا تم خلافت کو واپس کردو گے[1] اس نے کہا : جی ہاں طلحہ نے کہا : لہذا میں دستخط کرتا ہوں، اس طرح اس نے عثمان کی بیعت کی[2] عبد اللہ بن سعد بی ابن سرح کہتا ہے : جب تک طلحہ نے یہ کام انجام نہیں دیا تھا میں اس تشویش میں تھا کہ ایسا نہ ہو کہ بیعت ٹوٹ جائے اور یہ اسی لئے تھی کہ عثمان طلحہ کو ہمیشہ احترام کی نظر سے دیکھتے تھیتا وقتیکہ انھیں اپنے گھر میں محاصرہ کیا گیا اور اس دن طلحہ دوسروں سے زیادہ عثمان کی دشمنی کا مظاہرہ کررہا تھا ۔بلاذری انساب الاشراف میں روایت کرتے ہوئے کہتا ہے : عمر نے حکم دیا کہ اقلیت کو اکثریت کے تابع رہنا چاہئے اور جو کوئی بھی تم لوگوں کی مخالفت کرے اس کا سر قلم کردو[3] ابو مخنف سے روایت کی گئی ہے کہ عمر نے شوری کے ارکان کو حکم دیا کہ تین دن تک اپنے کام میں مشورہ کریں اگر دو افراد نے ایک کے حق میں اور دوسرے دو افراد نے دوسرے کے حق میں رائے دیدی تو شوریٰ کی رائے گیری دوبارہ انجام دی جائے اگر چارافراد نے کسی ایک کے حق میں رائے دی اور ایک نے رائے مخالف دی تو چار افراد کی رائے کے تابع ہونا چاہئے اور اگر ووٹ دو ،دو یا تین تین کرکے تقسیم ہوجائیں تو اس طرف کو ترجیح دی جانی چاہئے جس میں عبدا لرحمان بن عوف شامل ہو ، کیونکہ اس کی دیانت اور رائے زیادہ مورد

[1] انساب الاشراف ،ج ۵ والعقدا لفرید ج ۳، ۷۳۔
[2] العقدا لفرید ، ج ۳، ۲۰۔
[3] انساب الاشراف ،ج ۵ ،ص ۸ لیتبع الاقل الاکثر فمن خالفکم فاضربوا عنقہ ۔

اعتماد ہے جو اسے مسلمانوں کے لئے اختیار کرے وہ امین ہے[1]عقد الفرید میں بھی تقریباً یہی مضمون آیا ہے۔ابن سعد نے ایک دوسری روایت میں ذکر کیاہے کہ عمر نے کہا ؛ اگر آراء دو اورتین میں تقسیم ہوئے تو اس طرف عبدالرحمان بن عوف ہو اسکی اطاعت کریں،اس کے فرمان پر کان دھرنا اور حکم کا انتظار کرنا[2]بلاذری نے روایت کی ہے کہ عمر نے کہا ؛ لوگ کہتے ہیں کہ ابوبکر کی بیعت ہاتھ سے چلی جائے گی لیکن خداوند عالم نے اس شر سے بچالیا عمر کی بیعت مشورہ کے بغیر انجام پائی. لیکن اس کے بعد بیعت کا کام شوریٰ کو سونپا گیا اگرچار افراد نے ایک طرف رائے دی تو دیگر دو افراد کو ان کی پیروی کرنا چاہئےاور اگر ووٹ تین اور تین میں مساوی تقسیم ہوئے تو عبدالرحمان بن عوف کی رائے کے تابع رہنا لہذا س کے حکم کی اطاعت کرنا اگر عبدا لرحمان بن عوف نے اپنا ایک ہاتھ بعنوان بیعت کسی ایک کے ہاتھ میں دیدیا تو اپ کو اسکے تابع رہنا چاہئے[3]متقی ہندی نے روایت کی ہے کہ عمر نے کہا ؛ اگر عبدالرحمان بن عوف نے اپنا ایک ہاتھ کسی کے ہاتھ میں بیعت کے عنوان سے دیدیا تو تم بھی بیعت کرو[4]اور اسلم سے روایت کی گئی ہے کہ عمر بن خطاب نے کہا جس کی عبدالرحمان بیعت کرے تم بھی اس کی بیعت کرو اور جو بیعت سے انکار کرے اس کا سر قلم کردو[5] ان تمام روایتوں سے معلوم ہوتا کہ خلیفہ نے انتخاب کے کام کو فقط عبد الرحمان بن عوف کے ہاتھ میں سونپا تھا اور چھ رکنی شوریٰ صرف کام کو مستحکم کرنے کیلئے تھی اور دوسروں کو عمر کے ولی عہد کی خواہ ناخواہ بیعت کرنی چاہئے اور یہ منصوبہ علی علیہ السلام کے نقطہ نظر سے بھی پوشیدہ نہیں تھا ،کیونکہ بلاذری روایت کرتا ہے کہ علی نے جب عمر کی بات کو ان لوگوں کی حمایت میں سنا جن کے ساتھ عبدا لرحمان بن عوف ہو تو اپنے چچا عباس سے اس حکم کی شکایت کرتے ہوئے کہا : خدا کی قسم کام ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ۔عباس نے کہا : میرے بھتیجے !یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی ؟

---

[1] انساب الاشراف ،ج ۵، ۱۸۔
[2] العقد الفرید ،ج ۳، ۷۴۔
[3] طبقا ت ابن سعد ،ق ۱ ج ۳ ص ۴۳۔
[4] انساب الاشراف ،ج ۵ ص ۱۵۔
[5] کنز ل العمال ،ج ۳، ۱۶۰۔

علی علیہ السلام نے کہا ؛ اس لئے کہ سعد اپنے چچیرے بھائی عبدالرحمان کی مخالفت نہیں کرے گا اور عبدالرحمان عثمان کا دوست اور اس کا داماد ہے اس صورت میں ان میں سے کوئی ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کرے گا ، بالفرض اگر طلحہ و زبیر مجھے اپنا اپنا اووٹ دیدیں چونکہ عبدالرحمان دیگر تین افرد کے ساتھ ہوگا اس طرح طلحہ و زبیر کی موافقت مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی[1] ابن کلبی نسابہ نے کہاہے : عبدالرحمان بن عوف ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط کا شوہر ہے اور ام کلثوم کی ماں ''اروی'' ، گیرز '' کی بیٹی ہے اور عثمان کی ماں ہے لہذا علی علیہ السلام نے فرمایا : عبدالرحمان عثمان کا داماد ہے،اور عقدالفرید میں بھی تقریباً اسی مضمون کی روایت نقل ہوئی ہے[2] بلاذری نے ابو مخنف سے روایت کی ہے : علی کو اس بات کا ڈر تھا کہ عبدالرحمان، عثمان اور سعد آپس میں متفق ہیں ۔ لہذا حسنؑ و حسینؑ کو ہمراہ لیکر سعد کے پاس گئے اور اس سے کہا ؛ اے ابو اسحق! میرا تجھ سے یہ مطالبہ ہے کہ اپنے چچیرے بھائی کو چھوڑ کر میری حمایت کرو یا مجھے اس پر ترجیح دیکر میری بیعت کرو اور اسے چھوڑدو اور میں تجھ سے امید رکھتا ہوں کہ اگر عبدالرحمان نے چاہا کہ تجھے عثمان کو رائے دینے والوں میں تیسری فرد قرار دے تو تم منظور نہ کرنا، کیونکہ رشتہ کے لحاظ سے میں عثمان کی نسبت تیرے نزدیک ہوں، علی علیہ السلام نے سعد کو اپنے اور اس کے درمیان خاندانی رشتہ ، حسن و حسینؑ کے ساتھ رشتہ ، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ، آمنہ ، جو بنی زہرہ قبیلۂ سعد سے تھی کے رشتہ کا واسطہ دیکر قسم دیا ۔

سعد نے کہا ؛ جو آپ نے فرمایا اس پر میں عمل کروں گیا[3] ۔ جب سعد عبدالرحمان کے پاس آیا تو عبدلرحمن نے سعد سے کہا ؛ آؤ تا کہ شوریٰ تشکیل دیں گے سعد نے کہا : اگر مجھ سے چاہتے ہو کہ میں تیرے حق میں ووٹ دوں اور عثمان کو نہ دوں تب تو میں مؤافق ہوں، لیکن اگر چاہتے ہو کہ کام عثمان کے ہاتھ میں دیدیا جائے تو، علی علیہ السلامؑ اس سے سزاوا تر ہیں اور میں انھیں عثمان سے لائق تر جانتا ہوں ۔ راوی کہتا ہے ؛ ابو طلحہ ان کے نزدیک آیا اور انھیں مجبور کیا کہ جتنا جلد ممکن ہو سکے شوریٰ کا کام نپٹا لو ۔ عبدالرحمان نے کہا : اے جماعت ! عجیب بات ہے کہ میں مشاہدہ کرتا ہوں تم لوگ اس کام کے بارے میں لالچ دکھارہے ہو لیکن کام

[1] کنز العمال ،ج ۳/ ص ۱۶۰ بایعولمن بایع عبدالرحمن بن عوف فمن ابی فاضربوا عنقہ ۔
[2] انساب الاشراف ،ج ۵ ص ۱۹۔
[3] العقد الفرید ،ج ۳، ص ۷۴۔

کو یقینی بنانے میں تاخیر کررہے ہو ! خدا تمہیں بخش دے لگتا ہے جیسا کہ تم میں سے ہر ایک کے سر میں خلیفہ بننے کا خیال موجود ہے ؟!ابو طلحہ اس صورتِ حال کو دیکھ کر روپڑااور کہا : ان کے بارے میں میرا گمان اور تصور یہ تھاکہ اس لالچ کے برخلاف مشاہدہ ہو خاص کر میں ڈرتا تھا کہ کوئی بھی ایک دوسرے کے دباؤمیں نہ آکر مسئلہ کو ایک دوسرے کے سر تھونپیں گے، پھر بلاذری مدائنی سے روایت کرتا ہے عمر نے اپنے بیٹے کو شوریٰ میں شامل کیا اس شرط پر کہ اسے ووٹ دینے کا حق ہوگا امیدوار بننے کا نہیں ۔

ابوالحسن مدائنی کہتا ہے ؛ ابن عمر نے اس شرط پر شوریٰ میں شرکت نہیں کی ابی مخنف سے روایت کرتا ہے جب عمر کو دفن کیا گیا اور صہیب بن سنان نے اسکی نماز جنازہ پڑھی اوراصحاب شوریٰ نے اس رات جلسہ منعقد کرنے سے پرہیز کیا ور جب صبح ہوئی تو ابو طلحہ نے انھیں بحث و تمحیص کیلئے بیت المال کے مقام پر جمع کیا ۔راوی کہتا ہے: جب عبدالرحمان نے دیکھا کہ ہر ایک سرگوشی کرنے میں لگا ہےاور ہر ایک اس بات کی کوشش میں لگا ہے کہ دوسرے کو خلافت کے عہدے سے محروم کردے ،اس نے ان سے مخاطب ہوکر کہا ؛ حضرات !میں ا ور سعد آپ چار افراد کے حق میں کنارہ کشی کرتے ہیں. لیکن اس شرط پر کہ تم چار افراد میں سے ایک کو میں منتخب کروں ،مذاکرات کافی طولانی ہوئے ہیں لوگ منتظر ہیں کہ انتخاب کا نتیجہ اعلان ہوجائے تاکہ اپنے خلیفہ اور امام کو پہچان لیں نیز قصبوں کے باشندے بھی اسی کے انتظار میں بیٹھے ہیں وہ واپس اپنے گھروں کو جانا چاہتے ہیں سب نے اسکی اس تجویز سے اتفاق کیا صرف علی علیہ السلام نے موافقت نہیں کی اور کہا جب تک نہ دیکھوں اسی اثناء میں ابو طلحہ آیا ، عبدالرحمان نے اپنی تجویز اس کے سامنے پیش کی اور اضافہ کیا کہ علی کے علاوہ اس پر سب متفق ہیں ۔ابو طلحہ نے علی سے مخاطب ہوکرکہا : اے ابوالحسن تم جانتے ہو کہ ابو محمد عبد الرحمان تمہارے اور تمام مسلمانوں کے نزدیک مورد اعتماد ہے تم کیوں اس کی مخالفت کرتے ہو۔ اسکے بعد علی علیہ السلام نے عبدالرحمان بن عوف کو قسم دلائی کہ اپنی مرضی کے مطابق عمل نہ کرے ،بلکہ حق کو مقدم قرار دے کر لوگوں کے فائدے کی کوشش کرے اور اپنے رشتہ داروں کی طرفداری نہ کرے ، عبدالرحمان نے بھی قسم

[1] انساب الاشراف ،ج ۵ ص ۲۱۔

کھائی ۔اس کے بعد علی علیہ السلام نے کہا : انتخاب کرو، کامیاب رہو گے ! یہ قضیہ بیت المال کی جگہ پر انجام پایا ، کہا گیا ہے کہ روداد مسور بن مخزمہ کے گھر پر واقع ہوئی اس کے بعد عبد الرحمان نے ان میں سے ہر ایک کو بڑی بڑی اور شدید قسمیں دلائیں اور ان سے عہد و پیمان لیا کہ جس کسی کی بھی وہ بیعت کرے دوسرے لوگ مخالفت نہیں کریں گے اور جو بھی مخالفت کرنا چاہے دوسرے لوگ عبد الرحمان کی حمایت کریں گے ۔

اسی صورت میں سب نے حلف لیا ،اس کے بعد عبد الرحمان نے علی علیہ السلام کے ہاتھ کو پکڑ کر ان سے کہا : اپنے خدا سے عہدو پیمان کریں کہ اگر میں نے آپ کی بیعت کی تو آپ اولاد ابی طالب کو لوگوں کی گردن پر سوار نہیں کریں گے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت پر کمی بیشی کے بغیر عمل کرو گے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کریں گے ۔

علی علیہ السلام نے کہا : میں ہرگز خدا سے ایسا عہد وپیمان نہیں کروں گا جسے نہ خود انجام دے سکوں اور نہ کوئی اور کون اس دعوی کا حق رکھتا ہے کہ وہ سیرت رسول خدا ؐپر عمل کرے گا ؟ لیکن جس چیز کا میں عہد کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ جہاں تک میری سعی و کوشش کے دائرے میں ہو اور امکانات مجھے اجازت دیں اور اپنے فریضہ کو تشخیص دوں گا ، سیرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مطابق انجام دوں گا ۔

عبد الرحمان نے جب یہ جواب سنا تو علی علیہ السلام کا ہاتھ چھوڑدیا اور اس کے بعد عثمان کی حلف برداری کا کام انجام پایا اور اس سے عہد و پیمان لے لیا کہ بنی امیہ کو لوگوں کی گردن پر سوار نہ کرے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ،ابو بکر اور عمر کی سیرت پر چلے اور کسی قسم کی مخالفت نہ کرے، عثمان نے بھی انھیں شرائط پر قسم کھالی علی علیہ السلام نے کہا : ابو عبداللہ (عثمان) !جو تم چاہتے تھے وہ تجھے دیدیا گیا ، اپنا حال بہتر جانتے ہو ،اس کے بعد عبدالرحمان دوبارہ پلٹ گیا اور علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر عثمان کو دی گئی قسم کی طرح علی علیہ السلام سے پھر پیشکش کی یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ،ابو بکر اور عمر کی سیرت کی مخالفت نہ

کریں گے ۔ علی علیہ السلام نے کہا: میں اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا عہد کرتا ہوں ۔ عثمان کہتا تھا : جی ہاں اس عہد وپیمان پر میں عمل کروں گا جس طرح شدید ترین عہد وپیمان کو خداوند عالم نے اپنے انبیاء سے لیا اور عہد کرتا ہوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابو بکر اور عمر کی سیرت سے کسی قسم کی مخالفت نہیں کروں گا اور اسکے انجام دینے میں کوتاہی نہیں کروں گا۔اس کے بعد عبدالرحمان نے عثمان کی بیعت کرکے اس کے ساتھ ہاتھ ملایا، شوری کے ارکان نے بھی بیعت کی، علی علیہ السلام جو اس وقت تک کھڑے تھے، بیٹھ گئے، عبد الرحمان نے علی علیہ السلام سے کہا: بیعت کرو ورنہ سر تن سے جدا کردوں گا، عبدالرحمان نے جس وقت یہ بات علی علیہ السلام سے کہی، عبد الرحمان کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ میں تلوار نہیں تھی، بعض لوگوں نے کہا علی علیہ السلام غضبناک حالت میں مجلس سے اٹھ کر چلے گئے اور اصحاب شوریٰ علی علیہ السلام کے پیچھے چلے اور ان کے نزدیک پہنچ کر کہا: بیعت کرو، ورنہ ہم تیرے ساتھ لڑیں گے، علی علیہ السلام ان کے ساتھ پلٹے اور عثمان کی بیعت کی[1]بلاذری نے واقدی سے روایت کی اور کہا: جب انہوں نے عثمان کی بیعت کی تو عثمان باہر آیا تا کہ لوگوں سے مخاطب ہوکر تقریر کرے، اس کے بعد خدا کی حمد وثنا کی اور بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا: اے لوگو! کسی بھی مرکب پر سوار ہونے میں ابتداء میں مشکل ہوتی ہے اس کے بعد ہمارے سامنے انتہائی مشکل دن ہیں، اگر میں زندہ رہا تو آپ لوگوں کیلئے ایک تقریر کروں گا، میں آج تک خطیب نہیں تھا، اور خدا مجھے تقریر کرنا سکھادے گا[2]ابن عبدربہ کہتا ہے: عثماں من جملہ ان افراد میں سے تھا جو تقریر کرتے وقت اضطراب اور غلطی کا شکار ہوتے تھے یہ عثمان تھا جس نے کہا: اے لوگوں .....) تا آخر حدیث[3]۔البیان و التبیین ،، میں ہے کہ عثمان منبر پر گئے اور خطاء و غلطی سے دوچار ہوئے تو کہا: اے لوگو! بے شک ابو بکر اور عمر یہاں کیلئے خطبہ آمادہ کرتے تھے ... تا آخر حدیث۔ ابو مخنف سے روایت ہے، جب عثمان منبر پر گئے، کہا؛ اے لوگو! یہ وہ جگہ ہے جس کیلئے میں نے خطبہ آمادہ نہیں کیا ہے اور تقریر نہیں کی ہے، انشاء اللہ جلدی ہی واپس آکر تقریر کروں گا۔

---

[1] انساب الاشراف ،ج ۵، ص ۲۱ کے بعد ۔
[2] انساب الاشراف ،ج ۵ ۲۴ ان عثمان لما بویع خرج الی الناس فخطب فحمد اللہ و اثنی علیہ ثم قال : ایھا الناس ان اول مرکب صعب و ان بعد الیوم ایاماً و إن أعش تاتکم الخطبۃ علی وجھھا فما کنا خطباء و سیُعلّمنا اللہ
[3] عقد الفرید ،ج ۲، ۴۱۰۔

مزید روایت کی گئی ہے کہ عثمان منبر پر گئے اور اس کے بعد کہا: اے لوگو! مجھے تقریر کرنے کا تجربہ نہیں ہے، اگر زندہ رہا تو انشاء اللہ ایک اچھی تقریر سنو گے، جو مطلب مجھے اس وقت کہنا چاہئے یہ ہے کہ تقدیر الہی کے مطابق عبید اللہ بن عمر نے ہرمزان کو قتل کر ڈالا ہے اور ہرمزان ایک مسلمان ہے اور اس کا کوئی وارث نہیں ہے مگر یہ کہ تمام مسلمان اس کے وارث ہیں میں جو تمہارا امام اور پیشوا ہوں میں نے اسے بخش دیا، کیا تم لوگ بھی بخشتے ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔

علی علیہ السلام نے کہا: اس گناہگار سے قصاص لینا چاہئے کیونکہ اس نے ایک بڑا ظلم کیا ہے اور ایک مسلمان کا بے گناہ قتل کیا ہے اس کے بعد عبدا للہ کی طرف رخ کرکے کہا: اے فاسق! اگر کسی دن میرے ہاتھ تجھ تک پہنچے تو تجھے ہرمزان کے قتل کے جرم میں قتل کر ڈالوں گا[1] اور اسی کتاب میں روایت کرتا ہے کہ عثمان نے تقریر کی اور کہا: ابوبکر و عمر جب بھی تقریر کرنا چاہتے تھے، پہلے، اسے تیار کرتے تھے، ہمارے لئے بھی خدا ٹھیک کرتا ہے[2] ابن سعد نے اس خطبہ کو اپنی ''طبقات'' میں عثمان کی تشریح میں بیان کیا ہے۔

سیف کی روایت کی جانچ پڑتال اور بحث کا نتیجہ: جن روایتوں کو ہم نے ذکر کیا اور ان کے علاوہ شورای کی داستان کے بارے میں دوسری روایتوں کو آپس میں ملا کر طبری نے ان میں سے بعض کو اس قدر خلاصہ کرکے نقل کیا ہے کہ اس سے مفہوم میں خلل واقع ہوتا ہے اس نے ان سے ایک ہی طرز پر نقل کیا ہے اور عثمان کے خطبہ میں صرف سیف کی روایت پر اکتفاء کیا ہے ہم نے خاص طور پر شوری کی داستان سے متعلق روایات کی ایک جھلک کو بیان کیا مقصد یہ تھا کہ صحیح روایتوں اور سیف کی اس موضوع پر نقل کی گئی روایتوں کے درمیان ایک موازنہ ہوجائے ہم اصل موضوع میں داخل ہوکر شوری کی رودا کو تجزیہ و تحلیل کرکے مؤرخین کے بیانات اور اس سلسلے میں لکھی گئی کتابوں کے بارے میں مناقشہ میں پڑنا نہیں چاہتے اور انشاء اللہ اس موضوع پر آئندہ سقیفہ کے قضیہ اور شوریٰ کے عنوان سے بحث و تحقیق کریں گے۔

---

[1] البیان و التبین، ج ۲ ص ۲۵۰۔
[2] انساب الاشراف ،ج ۵، ۲۵۔

سیف نے مذکورہ موارد کے علاوہ سینکڑوں روایتیں جعل اور تحریف کی ہیں ان میں تاریخی حوادث کو تحریف کرکے اور بانفوذ افراد، سپہ سالاروں اور وقت کے اعلیٰ طبقہ کے افراد کا دفاع کرتے ہوئے اپنی جعلی احادیث پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ لہذا بعض نامور مؤرخین، من جملہ طبری نے اس قسم کی روایتوں کو منتشر کرنے میں دلچسپی دکھائی ہے، یہاں تک طبری نے ۱۱ھ سے ۳۷ھ تک کے حوادث کو انہیں روایتوں سے نقل کیا ہے جو بھی تاریخ طبری کے اس حصہ کی طرف رجوع کرے گا اسے معلوم ہوگا کہ اس مدت کے دوران جعل و تحریف کا کام کس قدر وحشت و خطرناک حد تک پہونچ گیا تھا۔ ہرمزان کے بیٹے قا زبان کا افسانہ أتعفوا إذ عَفَوت بغیرِ حقٍ فالک بالذی تحکی یدانا اے عثمان! کیا تم نے ہرمزان کے قاتل کو عفو کیا ہے؟ تمہیں تو اس قسم کی عفوو بخشش کا حق ہی نہیں تھا۔

زیاد بن حبید

سیف کی روایت طبری نے سیف سے روایت کی ہے: صبح کو جب عمر زخمی ہوگئے تو، عبد الرحمان بن ابی بکر نے کہا: گزشتہ رات کو میں نے ابولؤلؤ کو دیکھا کہ جفینہ اور ہرمزان سے سرگوشیاں کررہا تھا، میرا ان سے ملنا اس بات کا سبب بنا کہ وہ خوفزدہ ہوکر ایک دوسرے سے جدا ہوگئے، اس دوران ایک دودھار کے خنجر، جس کا دستہ بیچ میں تھا، ان کے ہاتھ سے زمین پر گرگیا ،ذرا دیکھنا کہ عمر کس ہتھیار سے قتل کئے گے ہیں؟ اہل مسجد متفرق ہوئے، بنی تمیم سے ایک شخص قضیہ کی تحقیق کے لئے نکلا، ابولؤلؤ کا گریبان پکڑلیا جو عمر کو زخمی کرنے کے بعد واپس آرہا تھا، اور اسے قتل کرکے واپس آیا۔ وہ اسی خنجر کو لے کر آیا، جس کی عبد الرحمان نے توصیف کی تھی، جب خبر عبداللہ بن عمر تک پہنچی تو اس نے عمر کی وفات تک کسی قسم کا ردعمل نہیں دکھایا، البتہ جوں ہی عمر اس دنیا سے چلے گئے، عبداللہ بن عمر نے اپنی تلوار اٹھائی اور ہرمزان کے پاس جاکر اسے قتل کرڈالا، جب تلوار ہرمزان کے فرق پر پہنچی تو اس نے لاالہ الااللہ کہا، ہرمزان کو قتل کرنے کے بعد عبد اللہ بن عمر روانہ ہوا اور جفینہ جو ایک عیسائی تھا، کے نزدیک پہنچا اور اسے بھی تلوار سے قتل کرڈالا یہ خبر صہیب (عارضی حاکم) کو پہنچی۔ اس نے عمرو بن عاص کو مامور کیا تاکہ جاکر عبداللہ کے ہاتھ سے تلوار چھین

لے۔ عمروبن عاص متعدد بار عبداللہ کے پاس گیا اور اس سے کہا میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوجائیں تلوار مجھے دیدو یہاں تک عبداللہ بن عمر نے اپنی تلوار عمروبن عاص کے حوالہ کردی اسی اثناء میں سعداپنی جگہ سے اٹھا اور عبداللہ کے بال پکڑ کر صہیب کے پاس لے آیا۔ دوسری روایت میں کہتا ہے: قاذبان سے سنا کہ اپنے باپ کے قتل کئے جانے کی داستان بیان کرتا تھا اور کہتا تھا: مدینہ میں مقیم ایرانی ایک دوسرے کے پاس رفت وآمد کرتے تھے، فیروز میرے باپ کے پاس آیا، اس کے ہاتھ میں ایک دودھار خنجر تھا، میرے باپ نے خنجر کو اس سے لے لیا۔اور کہا: اس خنجر سے غربت زدہ شہریوں پر کیا کرنا چاہتے ہو؟۔ا۔پہلی روایت کو طبری نے ۲۳ھ کے حوادث کے آخری حصہ میں ج ۵/۳۲ میں اور دوسری روایت کو ۲۴ھ کے حوادث کے اوائل میں ج۵/۴۳ میں ذکر کیا ہے۔ فیروز نے جواب میں کہا: ''ابس بہ'' اس خنجر سے پھاڑ ڈالوں گا۔

اس ملاقات کو ایک شخص نے دیکھا، جب عمر زخمی ہوئے تو اس شخص نے کہا: میں نے دیکھا کہ اس خنجر کو ہرمزان نے فیروز کے ہاتھ میں دیدیا،اس کے بعد عبداللہ آیا اور ہرمزان کو قتل کرڈالا۔ اس کے بعد جب عثمان خلیفہ بن گئے مجھے بلایا اور عبداللہ کو میرے سپرد کیا اور کہا: میرے فرزند! یہ تیرے باپ کا قاتل ہے اور تم اپنے باپ کے خون کا مطالبہ کرنے میں ہم سے سزاوار تر ہو، جاؤ اور اسے قتل کرڈالو، اس دن روئے زمین کے سب لوگ اس بات پر متفق تھے کہ میں اپنے باپ کے قاتل عبداللہ کو قصاص کے طور پر قتل کرڈالوں، مگر چونکہ مجھ سے عفو کا مطالبہ کررہے تھے میں نے ان سے کہا: کیا عبیداللہ کو قتل کرنے کا اختیار میرے ہاتھ میں ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ اور عبیداللہ کو برا بھلا کہا اور گالیاں دیں۔

میں نے کہا: کیا تم لوگ اختیار رکھتے ہو کہ میں قصاص نہ لوں؟ انہوں نے کہا: نہیں، عبیداللہ کو برا بھلا کہا۔ میں نے بھی خدا کی رضا اور ان کی خوشنودی کے لئے عبیداللہ کو آزاد کیا، لوگوں نے مجھے زمین پر سے اٹھالیا اور خدا کی قسم مجھے گھر پہنچنے تک لوگوں نے اپنے ہاتھوں پر اٹھا رکھا تھا۔

سیف کے علاوہ دوسروں کی روایت: طبری نے مسور بن محرمہ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: عبید اللہ بن عمر، جفینہ، ہرمزان اور ابولؤلؤ کی بیٹی کو قتل کرنے کے بعد کہتا تھا، خدا کی قسم! جو افراد میرے باپ کے قتل میں شریک تھے ان میں سے ان کو قطعی طور پر قتل کرڈالوں گا اور اس بات سے مہاجرین وانصار کی طرف کنا یہ اشارہ کرتا تھا۔ سعد اٹھا اور تلوار عبید اللہ کے ہاتھ سے چھین لی اور اس کے سر کے بالوں کو ایسے پکڑ کر کھینچا کہ اس نے گھٹنے ٹیک دئے اس کے بعد اپنے گھر میں قید بنا دیا، یہاں تک عثمان نے اسے وہاں سے باہر لاکر مہاجروانصار کے بعض افراد سے کہا: اس شخص کے بارے میں، کہ جس نے اپنی من مانی سے اسلام کی راہ میں خون بہایا ہے، اپنی رائے بیان کرو۔ علی علیہ السلام نے کہا: میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے۔

بعض مہاجرین نے کہا: عمر کل قتل ہوئے اور بیٹا آج قتل ہوجائے؟ عمرو بن عاص نے کہا: یا امیرالأومنین! خدا نے تجھ پر عنایت کی ہے یہ بہائے گئے خون تیری خلافت میں واقع نہیں ہورہے ہیں۔ شوریٰ کے قضیہ کے بارے میں بلاذری کی جو روایت یہاں بیان ہوئی اس میں عثمان نے کہا: قضائے الٰہی سے عبید اللہ نے ہرمزان کو قتل کرڈالا ہے اور ہرمزان ایک مسلمان ہے اور اس کا کوئی وارث نہیں ہے اور تمام مسلمان اس کے وارث ہیں اور میں تم لوگوں کا امام اور پیشوا ہونے کی حیثیت سے اسے بخش دیا، کیا تم لوگ بھی اسے عفو کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ علی علیہ السلام نے کہا: اس فاسق کا قصاص کرنا چاہئے کیونکہ اس نے ایک بڑا جرم انجام دیا ہے اور ایک بے گناہ مسلمان کا قتل کیا ہے، اور عبید اللہ کی طرف رخ کرکے کہا: اے فاسق! اگر میرے ہاتھ کبھی تجھ تک پہنچتے تو ہرمزان کے قتل کے جرم میں تجھے قطعاً قتل کرڈالتا۔ طبری باقی روایت میں کہتا ہے: عثمان نے کہا: میں مسلمانوں پر ولایت رکھتا ہوں، ہرمزان کے خون کے لئے دیہ مقرر کرچکا ہوں اور اس دیہ کو میں خود ایک شخص کی دو لتسے بیت المال کو ادا کروں گا، زیاد بن عبید انصاری جب بھی عبید اللہ بن عمر کو دیکھتا تھا، کہتا تھا: أَلا یا عبیدَاللہ مالک مهرب ولاملجأ من ابن أروی ولاخفر أصبتَ دماً واللہ فیّ بغیر حلّہ حراماً وقتْلُ الهرمزان له خطر ترجمہ: خبردار! اے عبید اللہ عثمان سے راہ فرار نہیں ہے اور نہ کوئی پناہ گاہ! خدا کی قسم، تونے ناحق خون بہایا ہے اور ہرمزان کو قتل کرکے ایک خطرناک اقدام کیا ہے۔

عبیداللہ، زیاد بن عبید کی شکایت کو عثمان کے پاس لے گیا اور اس کے شعر کے بارے میں شکوہ کیا۔ عثمان نے زیاد کو بلایا اور ایسا کرنے سے منع کیا، زیدنے درج ذیل اشعارعثمان کے بارے میں کہے:أبا عمرو عبیداللہ رھن فلا تشکک بقتل الھرمزان فانک إن غفرت الجرم عنہ و أسباب الخطا فرسارھان أتعفوإذ عفوت بغیر حقّ فا لک بالذّي یحکي یدان ترجمہ:اے ابو عمرو!اس میں شک نہ کرنا کہ عبیداللہ ہرمزان کو قتل کرنے والے گروہ میں ہے اگر اسے اس جرم میں بخش دوگے تو غلطی کے مرتکب وگے(کیونکہ یہ بخشش ان دو گھوڑوں کے مانند ہے جو میدان مقابلہ میں ایک دوسرے کے مقابلہ ہوتے ہیں)اگر اس گناہ کو بخش دوگے یہ بے موقع بخشش ہےاور تمہیں یہ حق نہیں ہے‘‘۔

سند کے لحاظ سے سیف کی روایت کی تحقیقات:سیف نے اس داستان میں ہرمزان کے لئے قاذبان نامی ایک بیٹا جعل کیا ہے اور اس سے نقل کرتا ہے، لیکن سیف کے علاوہ کسی اور نے ہرمزان کے لئے قاذبان نامی کوئی بیٹا نقل نہیں کیا ہے تاکہ راوی روایت کرتا، حتیٰ عثمان بھی اپنی تقریر میں کہتا ہے کہ لاوارث تھا، لہذا اگر اس کا کوئی بیٹا ہوتا تو عثمان ایسی بات نہیں کرتا اور وہ ہرمزان کا وارث ہوتا،اس سے پتا چلتا ہے کہ قاذبان کا کہیں وجود ہی نہیں تھا اور یہ سیف کے جعلی راویوں اور سورماؤں میں سے ایک ہے، حقیقت میں اس روایت کے معتبر ہونے کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے ان افسانوں کا راوی قاذبان نامی موہوم شخص ہے۔

متن کے لحاظ سے سیف کی روایت کی چھان بین:اس سلسلہ میں سیف کی روایت دوسرے مورخین کی روایتوں سے چند جہات سے تناقض رکھتی ہے: ا۔سیف کی روایت میں آیا ہے کہ عمرو ابن عاص نے التماس و درخواست اور انتہائی اصرار سے صہیب کی تلوار کو عبیداللہ ابن عمر کے ہاتھ سے لیا اور ایک ساتھ صہیب کے پاس آئے، لیکن ہم دوسرے راویوں کی روایتوں میں یوں پڑھتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص نے تلوار کو عبیداللہ سے چھین لیا نہ عمرو ابن عاص نے،اور وہ بھی زبردستی نہ التماس کرکے، سعد نے عبیداللہ کے سر کے بال کو پکڑکر اسے زمین پر گرادیا اور پھر گھسیٹتے ہوئے اپنے گھرلے جاکر اسقید کردیا۔

۲۔ دیگر سیف کے علاوہ تمام روایتوں میں آیا ہے کہ عثمان نے کہا: ہرمزان ایک لا وارث مسلمان تھا، اس بناء پر اس کے وارث عام مسلمان ہوں گے۔ میں مسلمانوں کا نمائندہ اور پیشوا ہوں، اس کے قاتل عبیداللہ بن عمر کو قانونی سزا سے معاف کرتا ہوں، اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہرمزان کا کوئی فرزند و وارث نہیں تھا، لیکن سیف نے ہرمزان کے لئے قاذبان نامی ایک بیٹا جعلکیا ہے۔ اس کے بعد عثمان کی طرف سے بری کرنے کے سلسلے میں کہتا ہے کہ عثمان نے ہرمزان کے قاتل عبیداللہ کو گرفتار کرکے اس کے بیٹے قاذبان کے حوالہ کردیا تاکہ وہ اپنے باپ کے قصاص کے طور پر عبیداللہ کو قتل کردے، لیکن قاذبان نے اپنے باپ کا خون بخشتے ہوئے معاف کردیا۔

۳۔ مورخین کی تحقیق سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عبیداللہ نے ہرمزان کو بے گناہ قتل کیا ہے، اور مسلمانوں کی ایک جماعت نے اس سلسلہ میں اس پر اعتراض کیا اور اسے قصاص اور سزادینے کا مطالبا کیا، یہاں تک سعد بن وقاص نے اسے اپنے گھر میں قیدی بنایا، لیکن سیف اسے بے گناہ ثابت کرتے ہوئے اس کے بری ہونے کے سلسلے میں خود سیف کے ہرمزان کے لئے جعلکئے گئے بیٹے قاذبان سے یوں نقل کرتا ہے کہ اس نے کہا: جس خنجر سے عمر قتل ہوئے تھے، وہ میرے باپ اور ابولؤلؤ کے پاس تھا، کسی نے اسے ان کے ہاتھ میں دیکھا اور پہچان لیا۔ اس کے بعد سیف اس بات کی وضاحت اور تائید میں ایک اور روایت کو جعل کرتا ہے اور اس میں اسی جعلی بیٹے کی زبان سے کہلواتا ہے: عمر کے قتل کئے جانے کی رات کو عبدالرحمان بن ابوبکر نے میرے باپ اور ابولؤلؤ کو ایک جگہ سرگوشیاں کرتے ہوئے دیکھا، جب انہوں نے عبدالرحمان کو دیکھا تو ڈر کے مارے بھاگ گئے اور ان کے ہاتھ سے ایک خنجر زمین پر گرگیا جس پر وہ علامتیں اور آثار تھے کہجس سے عمر قتل کئے گے تھے۔ عبدالرحمان نے اسے اٹھالیا اور اسے عبیداللہ ابن عمر کے پاس بھیجا اور عبیداللہ نے اسے اپنے پاس محفوظ رکھا یہاں تک عمر اس دنیا سے رحلت کرگئے۔ عبیداللہ نے اس تلوار کو اٹھالیا جس سے اس کے باپ قتلکئے گئے تھے اٹھائے رکھا اور ان تمام لوگوں کو قتل کرڈالا۔ سیف ان روایتوں کو گڑھ کر عثمان کو بری کرنا چاہتا ہے کہ اس نے ہرمزان کے قاتل کو عفو نہیں کیا ہے بلکہ اسے پکڑ کر ان کے وارث اور صاحب خون کے حوالہ کیا

ہے اور اس کے ساتھ عبیداللہ کو بھی بری کرنا چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہر مزان کو قتل کرنے میں حق بجانب تھے، کیونکہ بقول سیف ہر مزان عبیداللہ کے باپ کا قاتل تھا ۔ لہذا نہ عثمان تنقید وملامت کے سزاوار ہیں اور نہ عبیداللہ، جی ہاں، وہ ہر صورت میں پاک وبری ہونا چاہیے، کیونکہ وہ خاندان ''مضر'' کے سرداروں اور بزرگوں میں سے ہیکہ سیف ان کے دفاع میں زبرست کوششکرتا ہے اور ان کے مقام و منزلت کو بڑھاوا دیتا ہے اور ضمناً ، سیف نے اس داستان کو گڑھنے میں فرصت سے فائدہ اٹھا کر اپنے خاندان بنی تمیم کو ایک افتخار بھی بخشا ہے اور عمر کے قاتل ابو لؤلؤ کو بنی تمیم کا ایک فرد معرفی کیا ہے۔

یہ تھے سیف کے اپنے، پیغمبرؐ، ابوبکر، عمر، اور عثمان کے زمانہ سے مربوط افسانوں اور جعلی داستانوں کے چند نمونے۔ سیف نے ان روایتوں اور جھوٹی داستانوں کو گڑھ کر نہ صرف تاریخ اسلام کو جھوٹ سے مالامال کیا بلکہ تاریخی واقعات میں تحریف کرکے حق کو مجھول بنادیا ہے اور اسلامی تاریخ و تمدن پر سیاہ دھبہ لگا کر چھوڑ گیا ہے۔

پانچواں حصہ

تاریخ کے صفحات پر سیف کی روایتوں کے بدنما داغ

سیف کے خیالی اشخاص اور جعلی سورما یختلق سیف الأساطیر و یختلق أشخاصاً أسطوریین سیف کا کام یہ ہے کہ افسانے گھڑے اور اپنے افسانوں کے لئے خیالی اداکار جعل کرے۔ تاریخ اسلام پر سیف کی روایتوں کے بُرے اثرات: ہم نے گزشتہ حصوں میں حقیقت کے متلاشیوں کے لئے پیغمبرؐ کے زمانے سے عثمان کے دور تک سیف کی جھوٹی روایتوں کے چند نمونے پیش کئے، اب ہم کتاب کے اس حصہ میں سیف کی روایتوں کے بڑے اثرات اور ناقابل تلافی نقصانات پر بحث کریں گے اور اس کی خیانت کی وجہ سے تاریخ اسلام اور اسلامی ثقافت پر لگیبدنما داغ کو بیان کریں گے۔

سیف کی جھوٹی روایتوں کے نتیجہ میں خیالی اشخاص، افسانوی راوی اور سورما، ایام، وقائع، اور جعلی شہروں کا ایک سلسلہ وجود میں آیا ہے، دوسری طرف سیف ان جعلی روایتوں سے تاریخی واقعات اور حوادث کو تحریف کرکے نیز الٹ پلٹ کے رکھدیا ہے، تاکہ اس طرح مسلمانوں کے لئے حقیقت کو پوشیدہ اور مجہول جلوہ دے،افسوس ہے کہ ان تمام راویوں، خیالی سورماؤں، افسانوی واقعات، جھوٹے ایام، فرضی شہروں اور سیف کی تاریخ میں ایجاد کردہ تحریفوں کو مسلمانوں کی معتبر اور اول درجے کی کتابوں اور علم وثقافت میں جگہ ملی ہے اور وسیع پیمانے میں منتشر ہورہے ہیں، کیونکہ واقعات لکھنے والوں اور اسلامی جغرافیہ تالیف کرنے والوں نے سیف کے تمام اکاذیب اور جعلیات کو مسلم اور واقعی صورت میں اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، اس کے جعلی اشخاص، راویوں، ایام، شہروں اور خیالی اماکن کو حقیقی راویوں، ایام اور شہروں کی فہرست میں قرار دیا گیاہے اور جن جعلی تاریخوں کو اس نے واقعات کے لئے قبل ازوقت معین کیا ہے انہیں اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔یہ تھے سیف کی جعلی روایتوں اور افسانوں کے برے اثرات کا ایک خلاصہ جن کے بارے میں کتاب کے اس حصہ میں بحث ہوگی۔ سیف کی روایتوں کا بد ترین اثر: شاید تاریخ اسلام کے صفحات پر

سیف کی داستانوں کے بڑے بد ترین اثرات میں اس کی تاریخ کے سورماؤں کے نام ہیں کہ سیف نے اپنی داستانوں میں اہم کام ان سے منسوب کئے ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ جعلی سورما، تاریخ اسلام کے واقعی شخصیتوں میں شمار ہونے لگے ہیں اور اس طرح سیف کی داستانیں تاریخی حقائق کا ایک سلسلہ شمار ہونے لگیں، حتیٰ تاریخ کو تجزیہ و تحلیل کی نگاہ سے دیکھنے والے مورخین اور دانشوروں نے بھی ان داستانوں پر اعتماد کیا ہے اور اکثر نے ان ناموں کو رسول خدا کے اصحاب کی تشریح میں ذکر کیا ہے من جملہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب ''الاستیعاب فی اسماء الاصحاب''میں، ابن اثیر نے اپنی کتاب ''اسدالغامہ فی معرفتہ الصحابہ''میں، ذھبی نے اپنی کتاب ''تجرید اسماء الاصحاب''میں، ابن حجر نے اپنی کتاب ''الاصابہ فی تمیزالصحابہ''میں، ابن عساکر کرنے اپنی کتاب ''تاریخ مدینہ دمشق'' میں شام میں داخل ہونے والوں کے ضمن میں اور اسی طرح دوسرے مورخین نے اپنی تصیفات میں جبکہ ان ناموں کے اشخاص حقیقت میں وجود نہیں رکھتے ہیں اور ان کے نام بھی صرف سیف کی داستانوں میں پائے جاتے ہیں اور وہ دوسرے افسانوی ہیرؤں کے مانند ہیں کہ افسانہ کے ختم ہونے پر اس کے ہیرو کا نام بھی نابود ہوتا ہے، جس نے سب سے پہلے ان تمام ناموں کو اصحاب رسول خداؐ کی فہرست میں درج کیا ہے اور اس وقت اس کی کتاب ہماری پہنچ اور دسترس میں ہے، وہ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم نمری قرطبی مالکی (وفات ۴۶۳ھ)ہے، اس نے اپنی کتاب ''الاستیعاب''میں وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے '': یہ ہے جو کچھ ہمیں اصحاب رسول خداؐ کے بارے میں اسم و کنیت کی صورت میں ملا ہے، خواہ مرد ہو یا عورت، وہ اشخاص جنہوں نے روایت کی ہے یا ان سے روایت کی گئی ہے، یا اس کا نام کسی حکایت کے ضمن میں لیا گیا ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ شخص مسلمان، ماں باپ سے پیدا ہوا ہے اور رسول خداؐ کیحضر میں تھا یا باہر سے آیا اور آنحضرتؐ کی زیارت سے مستفید ہوا یا حضرتؐ کی خدمت میں زکوٰۃ ارسال کی ہے، اور بعض احادیث ہمارے لئے ان افراد سے روایت کی گئی ہیں جنہوں نے رسول خداؐ کو درک کیا ہے حتی ایسے لوگ بھی ہیں جن کا نسب و کنیت اور نام شناختہ شدہ نہیں ہے [1]خواہ مرد ہوں یا عورت

---

[1] الاستیعا ب ،ج ۴ ص ۴۸۳

ان کے اسماء مجہول ہیں مگر یہ کہ فلاں کی دادی یا پھوپھی کے عنوان سے ہو اور جو کچھ اس طرح کا مجھ تک پہنچا ہے ہم سب کچھ بیان کر چکے ہیں۔بہت سے اشخاص ایسے ہیں جن کا نام سیف کی داستانوں میں لیا گیا ہے جبکہ نہ ان کا نسب معلوم ہے اور نہ کنیت، اس کے علاوہ بعض مواقع پر جب کسی کے نام پر افسانہ گڑھتا ہے، ایک واضح نسب معین کر کے کہتا ہے: فلان فلانی یا فلاں کا بھائی، اس صورت میں علم الانساب کے ماہرین اور شرح لکھنے والوں کے لئے زیادہ پریشانی اور حیرانی کا سبب ہوتا ہے۔بعض اوقات کسی حقیقی شخص کا نام تبدیل کرتا ہے اور اس طرح سے دانشوروں اور علماء کے لئے حیرانی کا سبب بن جاتا ہے، لیکن سیف کی نظر میں یہ سب مشکلات آسان و قابل حل ہیں، کیونکہ جب کوئی افسانہ گڑھنا چاہتا ہے، تو وہ مسلم طور پر ایسی رکاوٹوں کے بارے میں کسی تامل اور تردید کے بغیر اپنا کام انجام دیتا ہے، میں نے سیف کی روایتوں سے استخراج کئے گئے اصحاب کے ناموں کے سلسلے میں تحقیق کرنے کے لئے سیکڑوں کتابوں، شرحوں، حدیث، تاریخ اور ادبیات کی کتابوں کی طرف رجوع کیا ہے، سیف کے جعل کئے گئے سورماؤں میں ایک سو بچاس افراد کے ناموں کو پیدا کیا کہ ان کے حالات کے بارے میں ایک سو بچاس جعلی اصحاب کے عنوان سے ایک الگ کتاب تالیف کی ہے، میں نے اس کتاب میں سیف کے افسانوں کے سورماؤں میں سے عبداللہ بن سبا کے ایک سورما کو مشتی از خروارے کے طور پر پیش کیا ہے ۔یہ تھا سیف کے جعلی اشخاص اور اس کے افسانوں کے ہیرں کے بارے میں ہماری بات کا خلاصہ جسے ہم نے اس فصل میں بیان کیا ہے اور اگلی فصلوں میں آپ سیف کے جعلی ایام، شہروں اور تاریخی واقعات کو نقل کرنے میں اس کے انحرافات کو پڑھیں گے۔ سیف کے خود ساختہ اور خیالی ایاإن سیفاً قد تفرّد فی سرد ھذہ القصص سیف ان ایام و حوادث کو نقل کرنے میں منفرد ہے۔

ایام کے معنی: عربی لغت میں لفظ ''ایام''، مشہور اور کثیر الاستعمال ہے، ایام یوم کی جمع ہے اور تاریخ کے اہم واقعات کو بھی یوم کہتے ہیں اگرچہ اس تاریخی واقعہ کا زمانہ ایک دن سے زیادہ بھی ہو، جیسے یوم الجمل، یوم صفّین، یوم سقیفہ اور یوم صلح الحدیبیہ، دوران جاہلیت یا اسلام میں یا جاہلیت و اسلام میں ان ایام کے واقعات کی تشریح میں کتابوں کو ایک سلسلہ سے تالیف کیا گیا ہے، سیف

اس باب میں بھی پیچھے نہیں رہا ہے اور اس نے خود ایام جعل کرکے تاریخ کی کتابوں میں درج کر دیا ہے، ہم یہاں پر ایسے ایام میں سے چھ دنوں کو نمونہ کے طور پر نقل کرتے ہیں:یوم الأباقر (گائے کا دن)طبری نے سیف سے روایت کی ہے ''سعد بن ابی وقاص نے ایرانیوں سے جنگ میں عذیب الھجانات'' نامی ایک پانی کے کنارے پر پڑاؤ ڈالا''،اس کے بعد اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے باقی روایت کو یوں بیان کرتا ہے: ''سعد نے اس جگہ پر اپنے قیام کے دوران عاصم بن عمرو کو حکم دیا تاکہ فرات کے نچلے کی طرف جائے، عاصم روانہ ہوا اور میسان تک پہنچا۔

یہاں پر چاہا ایک گائے یا بھیڑ فراہم کرے، لیکن پیدا نہ کر سکا، کیونکہ سب نے ڈر کے مارے کھیتوں میں پناہ لی تھی، یہاں تک عاصم بن عمرو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مرغزاروں (چراگاہ)میں تلاش و جستجو کرنے نکلا۔ گشت لگانے کے دوران عاصم کو ایک کچھار کے کنارے ایک شخص ملا، اس سے سوال کیا تاکہ وہ اسے گائے یا گوسفندوں کی جگہ کی طرف راہنمائی کرے، اس مرد نے قسم کھا کر کہا:مجھے اس قسم کی کسی جگہ کا علم نہیں ہے، جبکہ وہ خود ایک گلہ کا چرواہا تھا جیسے اس نے اسی کھاڑی میں چھپا کے رکھا تھا۔ اسی اثناء میں ایک گائے نے مرغزار سے آواز بلند کرکے کہا: ''کذب واللہ وھا نحن أولاء'' خدا کی قسم یہ شخص جھوٹ بولتا ہے، ہم یہاں پر موجود ہیں،عاصم کچھار میں داخل ہوا اور جتنی بھی گائے وہاں پر موجود تھیں،انہیں اپنے آگے آگے ہانکتے ہوئے لشکر گاہ کی طرف لے آیا، سعد نے ان کو اپنے درمیان تقسیم کیا اور کچھ دن آرام وآسائش میں گزارے، یہ خبر حجاج کے زمانے میں اس تک پہنچی اس نے اس روز اس قضیہ کے شاہد چند افراد من جملہ نذیر بن عبد شمس اور زاہر کو بلایا اور ان سے روداد پوچھی۔ انہوں نے کہا: جی ہاں ،ہم نے سنا اور دیکھا بلکہ ہم نے خود اُن گائے کو اپنے آگے آگے ہانکتے ہوئے لشکر گاہ تاک لائے۔ حجاج نے کہا: تم لوگ جھوٹ بولتے ہو!انہوں نے کہا: تمہیں یہ کہنے کا حق ہے۔ اگر تم اس دن ہماری جگہ پر ہوتے، اور آج ہمارے لئے اُس روداد کو نقل کرتے تو ہم بھی باور نہیں کرتے۔

[1] عاصم، سیف کے افسانوں کا سورما ہے۔

اس نے کہا : صحیح کہتے ہو، اب ذرا یہ بتاؤ کہ لوگ اس واقعہ کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ انہوں نے کہا : لوگ یوں سمجھتے تھے کہ یہ آیات الٰہی میں سے ایک آیت ہے جو لوگوں کو خدا کی خوشنودی اور رضامندی اور دشمن پر فتح و کامرانی کی نوید دیتی ہے۔ حجاج نے کہا : خدا کی قسم! ایسا اتفاق کبھی پیش نہیں آتا مگر یہ کہ وہ جماعت نیک تھی یہاں تک کہتا ہے اس دن کو گائے کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ روایت کی سند کی تحقیق ''یوم الاباقر''نامی افسانہ کی سند میں عبداللہ بن مسلم عکلی اور کرب بن ابی کرب عکلی کا نام آیا ہے ہم نے ان دو، راویوں کا سیف کے راویوں کی طرح علم رجال کی کتابوں میں بھی نام ونشان نہیں پایا۔ لہذا حق ہے کہ ان دو راویوں کو بھی سیف کے جعلی راوی میں شمار کریں[1]۔

یہ تھی سیف کی روایت کی سند لیکن اصل داستان یوم الاباقر کے بارے میں ہم نے کسی کو نہیں پایا جس نے اس دن کا ذکر کیا ہو، لیکن بلاذری فتوح البلدان میں یوں کہتا ہے: اگر سعد کا لشکر کبھی آزوقہ کا محتاج ہوتا، تو وہ چند سواروں کو حکم دیتا تھا کہ فرات کے نیچے کی طرف جاکر لوٹ کر آزوقہ لے آئیں اس کے علاوہ حضرت عمر ان کے لئے مدینہ سے گائے اور گوسفند بھیجتے تھے[2] دوسرے لوگوں نے جو کچھ اس بارے میں کہا ہے بس یہی ہے، لیکن سیف نے اپنی روایت کی سند جعل کرنے کیلئے، عاصم نام کے سورما کو اس افسانہ کے گڑھنے کیلئے اور گائے کی سعد کے لشکر کے ساتھ گفتگو کا افسانہ رچنیکے بعد ڈر گیا کہ کہیں اس کی تائید نہ ہوجائے، لہذا دوسرے جھوٹ سے اسے مستحکم اور مضبوط بنادیا رچنے وہ یہ کہ حجاج نے اس قضیہ کے بارے میں تحقیق کی ہے، ایک جماعت نے شہادت دی ہے، پھر بھی اسے مستحکم بنانے کیلئے ایک تیسرا جھوٹ گڑھ لیا ہے وہ یہ کہ: اس دن کو یوم الاباقر نام رکھا گیا۔

یہ سب قضیہ و داستان کو مضبوط اور مستحکم بنانے کے لئے ہے تاکہ کوئی اس کی روایت پر شک نہ کرے، اور ہم ہمیشہ اس بات کی تاکید اور تکرار کرتے رہے ہیں کہ سیف اس قسم کی توہماتی داستانیں گڑھنے میں منفرد ہے، اور یہ تاکید و تکرار اس لئے کرتے ہیں تاکہ اس افسانہ ساز، کی حقیقت تمام لوگوں پر کھل جائے۔

---

[1] تاریخ طبری ج۳ ۱۵-۱۲ وان هذالیوم یوم الاباقر۔
[2] تاریخ طبری ج۳ ۱۵-۱۲ وان هذالیوم یوم الاباقر۔

۲۔۳ اور ۴ رماث، اغواث اور عماس کا دن: سرزمین قادسیہ، یعنی موجودہ کوفہ کے نزدیک لشکر اسلام اور یزدگرد کی فوج کے درمیان گھمسان کی جنگ چھڑ گئی، سیف نے اس جنگ کی روداد کو افسانوی انداز میں اپنی روایتوں میں ذکر یوں کیا ہے، من جملہ اس جنگ کے پہلے دن کو ارماث دوسرے دن کو اغواث اور تیسرے دن کو عماس نام دیا ہے، اپنجعل کئے گئے ان تین دنوں کے دوران خود سیف نے اپنے خاندان بنی تمیم سے تعلق رکھنے والے، قعقاع اور عاصم نامی دو ہیرو کو شجاعت و بہادری کے حیرت انگیز کارنامے کیلئے گڑھ لئے ہیں۔

سیف نے ان افسانوں کو گڑھنے کے بعد انہیں تاریخی روایت کی صورت دیدی ہے حتیٰ اپنی روایت کے راویوں کو بھی خلق کر کے حدثنی فلان عن فلان کہا ہے، طبری جیسے مورخین نے اپنی تاریخ میں اس افسانہ کو سیف سے نقل کیا ہے اس طرح حموی نے بھی لغت ارماث، اغواث اور عماس کو معجم البلدان میں اس سے اقتباس کیا ہے۔ دوسرے تاریخ نویسوں جیسے ابن اثیر اور ابن کثیر نے طبری سے نقلکیا ہے، مشہور ادیب ابن عبدون نے افسانہ اغواث کو اپنے قصیدہ میں ذکر کیا ہے اور ابن بدران نے اپنے ایک قصیدہ میں سیف کی جعلی روایتوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے، قلشقندی (وفات ۸۲۱ھ) نے انہیں تاریخ اسلام کے ایام کی حیثیت سے ذکر کیا ہے، ہم نے ان تین دنوں کے بارے میں سیف کی جعلی روایتوں کو قعقاع اور عاصم کے حالات پر روشنی ڈال کر ایک سو پچاس جعلی اصحاب نامی اپنی کتاب میں مفصل چھان بین کی ہے، یہاں پر ہم صرف ان روایتوں کی سند کی تحقیقکریں گے[1]۔

اسنادروایت کی چھان بین: چھ روایتوں میں محمد، طلحہ اور زیاد نام کثرت سے آیا ہے اور ایک روایت میں ابن محراق قبیلہ طی کے ایک شخص سے اور ایک روایت میں غصن بن قاسم قبیلہ کنانہ کے ایک شخص سے۔ محمد و طلحہ کے بارے میں زیاد کے نسل کی اصلاح کے باب میں اور ابن محراق اور قبیلہ طیکے شخص کے بارے میں ابو محجن کی شراب نوشی کے باب میں ہم نے تحقیقکی ہے،

---

[1] طبری ج ۱۱۶-۲/۱۱۲،ابن عبدون طبع لیڈن ۱۴۶-۱۴۔نہایت الارب قلشقندی تحقیق علی خاقانی طبع عراق ۴۲۰-کتاب الاکمال تالیف ابن ماکولا،طبع حیدرآباد ج ۱/ ۵۶۰ لغت نویرہ میں۔

لیکن غصن بن قاسم کا نام طبری کی روایت کی سند نمبر ۱۳ میں آیا ہے، یہاں پر ہم اس سوال کا حق رکھتے ہیں کہ کنانہ نام کا مجہو لشخص کون ہے؟

۵ ۔ یوم الجراثیم یا خشکی کا دن: طبری نے، ایرانیوں سے جنگ میں، سعد کے لشکر کے دریائے دجلہ سے عبور کرکے مدائن جانے کے سلسلے میں سیف سے پندرہ روایتیں نقل کی ہیں اور سیف کے کہنے کے مطابق اس دن کا نام یوم الجراثیم رکھا ہے، ہم ان روایتوں کے ایک حصہ کو یہاں پر نقل کرتے ہیں: ایک روایت میں کہتا ہے: مسلمان فوج کے کمانڈر سعد وقاص، جب قادسیہ کی جنگ جو کوفہ کے نزدیک واقع ہوئی جنگ میں فتحیاب ہونے کے بعد مدائن کی طرف روانہ ہوئے ۔ جب دجلہ کے نزدیک پہنچا تو دریا کا پانی کافی اونچا تھا، اس لئے کچھ دیر متحیر رہا، اس کے بعد ایک تقریر کی اور کہا: آپ کے دشمن نے اس دریا میں پناہ لے لی ہے، اگر وہ چاہیں گے تو کشتیوں کے ذریعہ آپ پر حملہ کر سکتے ہیں ۔ اور آپ کی ان تک کسی قسم کی رسائی نہیں ہے، مین نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ دریا میں کود کر عبور کیا جائے ۔ اس کے فوجیوں نے اس کی تائید کرکے حوصلہ افزائی کی ۔

سعد نے کہا: سپاہیوں میں سے ایک دلاور مرد کی ضرورت ہے جو ایک گروہ کی سرپرستی میں دریا کو عبور کرے اور دجلہ کے دوسرے ساحل کو دشمن سے چھین لے تاکہ سپاہی پر امن طریقے سے دریا کو عبور کر سکیں، سپاہیوں میں سے عاصم نامی ایک دلیر مرد نے یہ ذمہ داری لی اور ساٹھ سواروں کے ہمراہ پانی میں کود پڑا اور خشکی و پانی میں ایرانیوں کے ساتھ ایک گھمسان کی جنگ لڑی اور ان پر فتح پاکر دجلہ کے دوسرے کنارے پر قبضہ کرلیا، اس کے بعد پورا لشکر پانی میں کود پڑا اور اس طرح دریا کو عبور کیا ۔ ایک اور روایت میں کہتا ہے: سعد کے سپاہی دریا کی طوفانی لہروں پر سوار ہوئے جبکہ دریائے دجلہ طلاطم کی حالت میں تھا، سوار ایک دوسرے کے شانہ بشانہ تیرتے ہوئے آپس میں ایسے محو گفتگو تھے جیسے ایک ہموار زمین پر چل رہے تھے[1] ۔ ایک اور حدیث میں کہتا ہے: جب بھی کوئی گھوڑا تھک جاتا تھا تو اس کے سموں کے نیچے زمین کا ایک ٹکڑا اوپر آتا تھا اور گھوڑا اس پر کھڑا ہو کر

[1] تاریخ طبری، ج ۲/ ۱۲۴-۱۱۹۔

ایسے تھکاوٹ نکالتا تھا، جیسے وہ خشک زمین پر کھڑا ہو،اس قسم کا عجیب اور حیرت انگیز واقعہ فتح مدائن کے دن رونما نہیں ہوا جو یوم الماء کے دن رونما ہوا، اس دن کو یوم الجراثیم کہتے تھے، (جراثیم یعنی مٹی کے ٹیلے)سیف نے ان دوروایتوں کو دوسری روایتوں کے ذریعہ محکم اور مضبوط بنادیا ہے، اس میں کہتا ہے:کہا گیا ہے کہ دجلہ کو عبور کرنے کے دن کو اس لئے یوم الجراثیم کہتے تھے کہ اس دن اگر کوئی تھک جاتا تھا تو اس کے پیروں کے نیچے تھوڑی سی زمین (جرثومہ)اوپر آتی تھی تاکہ وہ اس پر تھکاوٹ دور کرے، دوسری روایت میں کہتا ہے:راوی نے کہا ہم دریائے دجلہ کے پانی میں کود پڑے جبکہ دریا پانی سے لبریز تھا ۔ جب ہم دریا کے گہرے حصہ میں پہنچے، جو بھی سوار وہاں پر کھڑا ہوتا ،پانی گھوڑے کی زین تک نہیں پہنچتا تھا ۔

ایک دوسری روایت میں کہتا ہے:پورا لشکر صحیح وسالم دریا سے گزرا، حرف قبیلہ بارق کا غرقدہ نامی ایک شخص سرخ گھوڑے کی پیچھے سے پانی میں سرنگوں ہوا ۔راوی کہتا ہے:گویا ابھی بھی گھوڑے کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنی دم جھاڑ کر پانی نکال رہا ہے جبکہ غرق ہوا شخص پانی کے اوپر آیا تھا ۔ اس حالت میں قعقاع نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی طرف کھینچا اور اسے بچا لیا ۔ غرق ہونے والا شخص ایک دلیر آدمی تھا اور قعقاع کی ماں اس کے قبیلہ سے تھی ۔

اس نے قعقاع سے مخاطب ہوکر کہا :دوسروں کی بہنیں ۔قبیلہ کی دوسری عورتیں، تجھ جیسے کو جنم نہیں دے سکی ہیں[1]یہ تھا یوم الجراثیم کے بارے میں سیف کی بعض روایتوں کا متن ۔روایتوں کی سند کی چھان بین:ان روایتوں کی سند میں محمد، طلحہ، مہلب، نضر، ابن رفیل اور ایک ناشناس شخص کا نام آیا ہے، ہم نے محمد وطلحہ کے بارے میں زیاد کی نسل کی اصلاح کے عنوان کے تحت تحقیقی ہے۔اما مہلب، تو سیف کی روایتوں میں مہلب بن عقبہ اسدی ہے، کہ تاریخ طبری میں سیف کی ٦٧ روایتیں اس سے نقل ہوئی میں[2]ابن رفیل نے سیف کی روایتوں کو اکثر اپنے باپ رفیل سے نقل کیا ہے۔ ہم نے ان راویوں میں سے کسی ایک کا نام سند

---

[1] ان روایتوں میں سے بعض کو ابو نعیم نے دلائل النبوہ نامی اپنی کتاب میں سیف سے نقل کرکے ان پر اعتماد کیا ہے اور انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ؐکی نبوت کی صداقت کی گواہی شمار کیا ہے۔
[2] أعجز ألاخوات أن یلدن مِثلک یا قعقاع،دلائل النبوہ ج ٢ میں ٢٠٨ طبع حیدرآباد۔

شناسی کی کتابوں میں نہیں پایا اور سیف کی روایتوں میں ناشناس اشخاص کی حالت بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ سیف کے علاوہ دوسروں کی روایتیں: یہ تھی سیف کی حدیث کی سندا ور اس کے متن کا حال یوم الجراثیم کے دن، لیکن دوسرے حموی اپنی کتاب معجم البلدان میں کوفہ کی تشریح کے دوران سعد کے قادسیہ کے بعد مدائن جانے کے بارے میں لکھتے ہوئے یوں کہتا ہے: گاؤں والوں نے مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کی اور انہیں محاذ جنگ کے ضعیف علاقوں کی طرف راہنمائی کی۔ انہوں نے مسلمانوں کو کچھ تحفے دیکر ان کی ضرورتوں کو پورا کیا، اس کے بعد سعد نے یزدگرد کی طرف جانے کا ارادہ کرکے مدائن کی طرف روانہ ہوا اور خالدبن عرفطہ۔ جو بنی زہرہ قبیلہ اسد کا ہم پیمان تھا۔ کو پہلے روانہ کیا، لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکا، یہاں تک خالد نے چھت دار یعنی آبادی والے علاقہ کو فتح کیا لیکن اس کو فتح کرنے کے باوجود دریا کو عبور کرنے کا کوئی راستہ نہ پایا، دیہاتیوں نے انہیں قریہ صیادین کے نزدیک شہر کے نچلے حصے میں واقعہ مخاضہ کی طرف راہنمائی کی، سعد کے سوار اس طرف چلے گئے اور اسی جگہ سے دریا کو عبور کیا بلاذری اپنی کتاب فتوح البلدان میں اس مطلب کے بعد کہتا ہے: ایرانیوں نے مسلمانوں پر تیراندازی کی اور قبیلہ طی کے سلیل بن یزید بن مالک سنبسی نامی ایک شخص کے علاوہ سب صحیح وسالم بچے اور کوئی ہلاک نہیں ہوا[٢]۔

تحقیق اور موازنہ کا نتیجہ: سیف اس افسانہ میں کہتا ہے: پہلے عاصم نے دشمن کو شکست دی اور عبور کا راستہ نکالا اس کے بعد سپاہی پانی میں کود پڑے اور جب بھی کوئی گھوڑا تھک جاتا تھا، فوراً زمین کا ایک ٹکڑا دریا کی تہہ سے اٹھ کر اس کے سموں کے نیچے لگ جاتا تھا، ایک دوسری روایت میں کہتا ہے: اس دن کو اس لئے یوم الجراثیم کہتے ہیں کہ اس دن کوئی تھکتا نہیں تھا، اگر کوئی تھکتا تو فوراً زمین کا ایک ٹکڑا (جرثومہ) اس کے پیروں تلے اوپر آجاتا تھا تاکہ وہ اس پر تھکاوٹ دور کرے، اپنی آخری روایت میں کہتا ہے: غرقہ کے علاوہ سب صحیح وسالم گزرے، قعقاع کی ماں اس کے قبیلہ سے تھی، غرقہ غرق ہوا، لیکن قعقاع نے اسے پکڑ کر صحیح وسالم باہر کھینچ لایا، اس نے کہا: اے قعقاع عورتیں تجھ جیسے کو جنم دینے سے عاجز ہیں۔ اس نے روایت کو مضبوط کرنے کے لئے

---

[١] مخاضہ : پانی کی اس جگہ کو کہتے جہاں سے پیادہ اور سوار گزرسکیں،

[٢] معجم البلدان، ج٧ ٢٩٦۔

راوی سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: گویا میں اس وقت اس کے گھوڑے کو دیکھ رہا ہوں کہ اپنے جسم سے پانی جھاڑ رہا ہے[1]۔ ہم یہ نہ سمجھ سکے کہ قعقاع کی والدہ کے رشتہ دار کے لئے کیوں زمین اوپر نہیں آئی تاکہ وہ غرق ہونے سے بچ جائے، شاید یہ اس لئے تھا کہ سیف اپنے افسانہ کے سورما، قعقاع کے لئے ایک فضیلت گڑھ لے۔ سیف کے افسانوں میں عاصم وقعقاع قبیلہ تمیم کے دو دلیر اور بہادر بھائی میں جنھوں نے پیغمبرؐ کو درک کیا ہے۔ ان کی تفصیل ایک سو پچاس جعلی اصحاب نامی کتاب کی پہلی جلد میں آچکی ہے۔ جب ہم سیف کی ان روایتوں کو دوسروں (حموی اور بلاذری) کی روایتوں سے موازنہ کرتے ہیں، کہ انہوں نے کہا ہے: دیہاتیوں نے مسلمانوں کی راہنمائی کی اور انہیں عبور کا راستہ دکھایا تاکہ اس راستہ سے پانی سے گزر جائیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ سیف نے تاریخ حوادث میں کافیحد تک جھوٹ ملادیا ہے۔

٦۔یوم النخیب: یہ دن بھی ان ایام میں سے ہے کہ سیف نے تاریخ اور اسلام کے وقائع میں جعل کئے ہیں۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں۔ طبری نے ٣٦ھ کے حوادث میں سیف سے، اس نے ابن الشہید سے اور اس نے ابن ابی ملیکہ سے وہ وروایت کرتا ہے کہ طلحہ وزبیر باہر نکلے اور چکر لگانے لگے پھر اس وقت عائشہ باہر آگئی اور اس کے پیچھے پیغمبر اسلامؐ کی دوسری بیویاں بھی باہر آگئیں، یہاں تک یہ لوگ ذات عرق پہنچ گئے۔ اسلام کے لئے اس سے بدتر مصیبت کا دن کوئی دن نہیں تھا، اس دن کا نام یوم النخیب رکھا گیا[2]عائشہ نے عبدالرحمان بن عتاب[3] کو حکم دیا تاکہ وہ لوگوں کی امامت کرے تو اس نے بھی نماز کی ذمہ داری سنبھالی، اس کو امام جماعت کے طور پر معین کرنے کا کام ایک منصفانہ کام تھا۔ ایک دوسری روایت میں سیف نے نقل کیا ہے کہ: عبدالرحمان راستے میں اور بصرہ میں لوگوں کو نماز پڑھاتا تھا، یہاں تک کہ قتل ہوا۔ سیف نے ان روایتوں کو طلحہ، زبیر اور عائشہ کے جنگ جمل کے لئے مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہونے کی خبر کی رپورٹ کے طور پر نقل کیا ہے کہ مجموعاً تین داستانوں کو بیان کیا ہے: ا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمؐ کی بیٹیوں کے عائشہ کو ذات عرق تک رخصت کرنے کی خبر: ہم نے اس خبر کے بارے

---

[1] فتوح البلدان ،ص ٢٧٢۔
[2] ذات عرق ، بخد اور نہامہ کے درمیان سرحد ہے۔ یہاں سے عراق حج کا احرام باندھتے ہیں۔
[3] تاریخ طبری ج ٣١٤، تاریخ ابن کثیر ٧٧ ، ٢٣٠

میں کوئی ماخذ نہیں پایا، صرف ام سلمہ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے یا اس سلسلے میں اس کا عائشہ کے نام لکھا گیا خط ہے۔ اور ام سلمہ کے عائشہ کے نام لکھے گئے خط کا متن یوں ہے: جب عائشہ نے جنگ جمل کے لئے مکہ سے نکل کر بصرہ کی طرف روانہ ہونے کا فیصلہ کیا تو ام سلمیٰ نے یوں کہا: اے عائشہ! تم رسول خداؐ اور امت کے درمیان ایک دہلیز کی حیثیت رکھتی ہو تیرا پردہ حریم پیغمبرؐ پر لٹکا ہوا ہے۔ قرآن مجید نے تیرے دامن کو سمیٹا ہے تم اسے نہ پھیلاؤ خداوند عالم نے تجھے گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا ہے، تم اپنے آپ کو صحرا اور بیابان میں کھینچ کر نہ لاؤ۔ خدا اس امت کو اس منحوس کام کی انجام دہی سے بچائے! رسول خداؐ تیری حیثیت کو جانتے تھے، اگر وہ چاہتے تو تجھے کوئی ذمہ داری (یعنی عثمان کی خون خواہی کے بارے میں) سونپتے، بلکہ اس کے برخلاف تجھے سیر و سیاحت اور شہروں میں پیش قدمی کرنے سے منع فرمایا ہے!

اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قبر سے سر اٹھا کر تجھے اس حالت میں دیکھیں کہ تم نے اپنے اونٹ کو اپنی جگہ سے کھینچ لیا ہے اور سرعت کے ساتھ گھومتی پھرتی ہوئی ایک بیابان سے دوسرے میں گزرتی ہوئی دور دراز علاقوں تک پہنچ گئی ہو، تو تم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کیا جواب دوگی؟ بہرحال تم کو خدا کے حضور میں اور اسی کی طرف پلٹنا ہے، رسول خداؐ کے حضور میں پیش کی جاؤ گی۔ اگر مجھے اس حالت میں بہشت برین میں داخل ہونے کو کہا جائے جب کہ میں نے رسول خداؐ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہو اور خدا کی طرف سے مجھ پر مقرر کئے گئے احکام نیز آنحضرتؐ کے پردہ حرمت کو تار تار کیا ہو تو مجھے شرم آئے گی، اے عائشہ! تم اپنے آپ پر کنٹرول کرو اور پردہ سے باہر نہ نکلو، اپنے گھر کی چوکھٹ کو اپنی آرام گاہ قرار دو تاکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خوشنودی اور رضا کے ساتھ ان سے ملاقات کرو۔

ایک اور روایت میں اس جملہ کے بعد اضافہ ہوا ہے: اگر میں تمہیں وہ چیز بتا دوں جو میں نے رسول خداؐ سے سنا ہے، تو تم سانپ کے ڈسے ہوئے کی طرح تڑپوگی۔ والسلام عائشہ نے جواب دیا: اے ام سلمہ! تیرے پند و نصائح کو قبول کرتی ہوں اور ان کی قدر

[1] عبدالرحمان بن عتاب بن سید بن ابی العیص بن عبدشمس جنگ جمل میں عائشہ کے لشکر میں قتل ہوا، تاریخ طبری ج ۱ ۳۲۳ و ۳۱۴۔

وقیمت جانتی ہوں لیکن بات ویسی نہیں ہے جیسے کہ تم کہتی ہو میرے لئے بہتر موقع فراہم ہوا ہے تاکہ ایک دوسرے کے جان کے پیاسے دوگروہوں کے درمیان صلح کراؤں۔

۲۔ سرزمین ذات عرق میں اجتماع کی خبر:ایک دوسری روایت میں جسے طبری نے سیف کے علاوہ ایک دوسرے راوی سے بھی نقل کیا ہے یوں آیا ہے:سعد بن عاص نے مروان بن حکم اور اس کے دوستوں سے ذات عرق میں ملاقات کی اور کہا:کہاں جارہے ہو، جنہوں نے عثمان کا خون بہایا ہے انہیں قتل کرڈالو اور اپنے گھر کی طرف چلے جاؤ اور اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالوجواب دیا گیا:ہم جارہے ہیں تاکہ شاید عثمان کے تمام قاتلوں کو ایک ہی جگہ پر قتل کر سکیں۔

اس کے بعد طلحہ وزبیر کو مخفیانہ طور پر دیکھا اور انہیں کہا:اگر تم لوگ کامیاب ہوئے تو حکومت کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں دوگے؟ انہوں نے جواب دیا:ہم دوآدمیوں میں سے جس کسی کو بھی لوگ منتخب کرلیں۔ سعد بن عاص بن امیہ، اس کی ماں ام کلثوم بنت عمرو مریہ تھی، حضرت علیؑ نے جنگ بدر کے دن اس کے باپ کو قتل کیا تھا، سعید قریش کے بزرگوں میں سے تھا یہ ان لوگوں میں سے ایک تھا جس نے عثمان کے لئے قرآن مجید لکھا تھا، عثمان نے اسے ولید کے بعد کوفہ کا حاکم مقرر کیا، عثمان کی وفات کے بعد اس نے جنگوں سے کنارہ کشی کی۔ معاویہ نے اپنی حکومت کے دوران مروان کو معزول کرنے کے بعد اسے مدینہ کا حاکم معین کیا۔ کچھ مدت کے بعد اسے معزول کرکے پھر مروان کو مدینہ کا حاکم مقرر کردیا۔ تاکہ اس کے ذریعہ ان دو کے درمیان دشمنی ایجاد کرے[2]

اس روایت میں سعید اموی نے تمام خاندان بنی امیہ کے اس لشکر میں موجود تمام افراد کو مخاطب قرار دیکر ان سے طلحہ وزبیر و عائشہ کو قتل کرنے کا مطالبہ کیا کیونکہ انہوں نے جو عثمان کی خونخواہی کے لئے قدم اٹھایا ہے، دراصل وہ اس کے ذمہ دار تھے اور وہ خون ان کے پاس تھا (وہی عثمان کے قتل میں شریک تھے)پھر اپنے گروہ کی طرف پلٹے ۔بنی امیہ نے جواب دیا کہ وہ عثمان کے تمام قاتلوں کو ایک ہی جگہ قتل کر ڈالنا چاہتے ہیں اور ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ جائیں اور شاید اس جماعت کے ذریعہ محمد بن ابی بکر

---

[1] بلاغات النساء ،۸، ح ا ۲۹۰،العقد الفرید ج۳ ۶۹،شرح ابن ابی الحدید، ج۲ ۷۱، تاریخ یعقوبی ج۲/ ۱۸۔
[2] اسدالغابہ ۲/۳۰۹

بک اور قتل عثمان میں ملوث دوسرے لوگوں کو قتل کرڈالیں۔اس نے کہا :نہیں، تمہیں یہ کام عثمان کی اولاد کے ہاتھ میں دینا چاہئے،کیونکہ تم لوگوں نے عوام کو عثمان کی خون خواہی کے نام پر اکسایا ہے۔انہوں نے کہا:کیا ہم مہاجرین کے بزرگوں کو چھوڑ کرخلافت ان کی اولاد کے حوالہ کریں گے؟(یعنی خلافت کو اپنے سے ۔ جوکہ مھاجر کے بزرگ ہیں،دورکرکے عثمان کی اولاد کو سونپیں گے؟)اس نے کہا:ہم مناسب نہیں سمجھتے ہیں کہ حکومت کو عبد مناف کی اولاد سے باہر لانے کی کوشش کریں،(یعنی مناسب نہیں ہے کہ ہم یہ کوشش کریں کہ خلافت حضرت علیؑ کے ہاتھ سے لے لیں، جبکہ علیؑ آل عبد مناف و ہمارے چچیرے بھائی ہیں،بنوامیہ اور بنوہاشم آپس میں چچیرے بھائی تھے)اس کے بعد وہاں سے عبداللہ بن خالدبن سعید (جوخود بھی بنی امیہ سے تھا) کے ہمراہ واپس آیا،مغیرہ بن شعبہ (جوثقیف میں سے تھا) نے کہا:سعید کا نظریہ صحیح ہے:جو بھی قبیلہ ثقیف سے یہاں آیا ہے، واپس چلاجائے۔ اس گروہ نے بھی جنگ سے منہ موڑا اور واپس چلاگیا ۔ لیکن دوسرے اپنے راستے پر آگے بڑھتے رہے۔ جنگ کے لئے جانے والوں میں عثمان کے بیٹے ابان اور ولید جیسے اشخاص بھی موجود تھے۔ وہ وہاں سے روانہ ہوکر دور پہنچے اور راستہ میں ان کے درمیان اختلاف پیدا ہوا کہ کس شخص کو سرپرست بنایا جائے ...تاآخر روایت عائشہ کے حکم سے مرتے دم تک عبدالرحمان بن عتاب کا راستے میں اور بصرہ میں امامت کے فرائض انجام دینا۔

یہ خبر سیف کے علاوہ دوسروں کے یہاں یوں ذکر ہوئی ہے:جس وقت کاروان مکہ سے باہر آ۔عبداللہ بن خالدبن اسید بن ابی العیص بن امیہ، زیادنے اسے فارس کا حاکم مقرر کیا اور مرتے وقت اسے کوفہ میں اپنا جانشین مقرر کیا اور معاویہ نے اسے اسی عہدہ پر رقرار رکھاآیا، مروان نے نماز کے لئے اذان کہیپھر طلحہ وزبیر کے پاس جاکر ان سے پوچھا،تم میں سے کس کو میں امیر کی حیثیت سے سلام کروں گا اور نماز کی اذان کس کے لئے کہوں؟عبداللہ بن زبیر نے کہا:ابو عبداللہ کے لئے۔ یہ زبیر کی کنیت تھی۔ محمد بن طلحہ نے کہا:ابو محمد کے لئے، یہ طلحہ کی کنیت تھی۔عائشہ نے مروان کوپیغام بھیج دیا اور کہا: تمہیں کیا ہوگیا؟کیا ہمارے کام میں اختلاف

---

[1] اسد الغابہ ۳۰/۱۴۹

ڈالنا چاہتے ہو؟بہر صورت میرا بھانجا عبداللہ بن زبیر پیش نماز ہونا چاہئے[1]۔ان میں سے بعض افراد نے کہا:خدا کی قسم اگر ہم کامیاب ہوئے تو فتنہ برپا ہوگا،کیونکہ نہ طلحہ زبیر کی سرداری قبول کرنے کیلئے آمادہ ہے اورنہ زبیر طلحہ کی ۔بصرہ پہنچنے تک راستہ میں یہ اختلاف موجود تھا،یعقوبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ انہوں نے بصرہ میں بیت المال کو لوٹ لیا اور جو کچھ وہاں تھا اسے لے گئے اور جب نماز کا وقت پہنچا تو طلحہ وزبیر کے درمیان اختلاف پیدا ہوا ان میں سے ہر ایک دوسرے کو محراب سے کھینچ رہا تھا تاکہ وہ پیش نماز نہ بنے ، لوگوں نے فریاد بلند کی:الصلاۃ الصلاۃ اے یاران محمد!عائشہ نے کہا :ایک دن محمد بن طلحہ امام جماعت ہوگا اور دوسرے دن عبداللہ بن زبیر۔ابن سعد نے طبقات میں یوں کہا ہے:ابن زبیر آگے بڑھاتاکہ امامت کرے لیکن محمد بن طلحہ نے اسے پیچھے ڈھکیل کر خود امام بننا چاہا، عبداللہ بن زبیر نے بھی ویسا ہی کیا،آخر کار پہلی بار امام جماعت کو معین کرنے کے لئے قرعہ کشی کی گئی اور قرعہ میں محمد بن طلحہ کا نام نکلا وہ آگے بڑھا اور یہ آیۃ پڑھی:(سأل سائلٌ بعذابٍ واقع)،یعنی ایک سوال کرنے والے نے عذاب کے بارے میں سوال کیا، عجب ایکسا منحوس فال تھا؟کتاب الاغانی میں یوں آیا ہے:ایک شاعر نے اس سلسلہ میں یہ اشعار کہے ہیں:

تَبارى الغلامان إذْ صلّيا

وشحّ على الملك شيخاهما

ومالى وطلحہ وابن الزبير

وهذا بذي الجذع مولاهما

فامّهما اليوم غرّتهما

---

[1] تاریخ طبری، ج ۱/ ۳۱۳و۳۱۴۔

وَ یعلی بن منیۃ دلاھما

ترجمہ: نماز کے وقت فرزندان ایک دوسرے کو پیچھے ڈھکیل رہے ہیں اور بوڑھے لوگ بادشاہی پر نزاع کررہے ہیں اور اسے للچائی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ہمیں طلحہ اور زبیر کے بیٹے سے کیا کام ہے جبکہ بیابان کے کنارے ان کا رہبر کھڑا ہے، آج ان کی ماں، یعنی عائشہ نے انہیں فریب دیا ہے اور منیہ کے بیٹے یعلی نے انہیں فریفتہ بنا لیا ہے یہ تھے وہ مطالب جن کے بارے میں سیف کی روایت کے متن میں واقع کے خلاف ذکر ہوا ہے اس کے علاوہ اب اس کی حدیث کی سند کے بارے میں چھان بین کریں تا کہ اس کا صحیح اندازہ ہوسکے۔ روایت سیف کی سند کی تحقیقات: سیف نے روز نحیب، کی روایت کو ابن الشہید سے نقل کیا ہے، ابن الشہید کا باپ، جو اس روایت کا راوی ہے کون ہے؟

اور اس کے بیٹے کا نام کیا ہے جو اس روایت کا راوی ہے؟ اور ان دو افراد کو پہچاننے کا راستہ کیا ہے جن کے بارے میں جناب سیف نے خیال آرائی کی ہے؟ اس لحاظ سے اور اسی گمنامی کے سبب ہم نے اس شخص کا نام ونشان سیف کی روایت کے علاوہ کہیں اور نہیں پایا، اس لئے ہم اس شخص کو سیف کے خیالی راویوں میں سے ایک فرد جان کر اسے جعلی راویوں کی فہرست میں قرار دیتے ہیں۔ بصرہ میں عبد الرحمان کی پیش نمازی کی روایت کو سیف نے محمد بن قیس سے نقل کیا ہے اور یہ شخص بھی سیف کے جعلی راویوں میں سے ایک ہے۔ تحقیق اور موازنہ کا نتیجہ: سیف نے ایک چھوٹی سی روایت کے ذریعہ خاندان قریش پر کئے جانے والے تین اعتراضات کا سد باب کرنا چاہا ہے، جو عبارت ہیں۔

ا۔ عائشہ کے بصرہ کی طرف روانگی کے وقت ام سلمہ کی طرف سرزنش کی روایت۔ اس سرزنش اور اشکال کو سیف نے مندرجہ ذیل جملہ نقل کرکے تدارک کیا ہے: ''پیغمبرؐ کی بیویوں نے عائشہ کو ذات عرق تک رخصت کیا''اور اس مطلب کا اضافہ کیا ہے کہ

[1] ان دونوں کی ماں سے مراد عائشہ ہے، یعلی بن امیہ نے انہیں دھو کہ دیاتھا۔ یعلی کی ماں کا نام منیسہ بنت غزوان تھا اور اس کا باپ میتہ بن عبدہ تھا اور وہ قبیلہ بنی تمیم سے تھا اور بنی امیہ کا ہم پیمان تھا وہ عثمان کے زمانے میں یمن کا گورنر تھا اور اس کے بعد عثمان کے قتل ہونے پر مکہ آگیا اور جنگ جمل میں شرکت کی۔ (الاغانی ج۱۱/ص۱۲۱-۱۱۹)

پیغمبرؐ کی بیویوں نے متفقہ طور پر عائشہ کا احترام کیا جبکہ یہ مطلب ام سلمہ کی سرزنش کرنے کے ساتھ سازگار نہیں ہے، لہذا سیف اسے تغیر دیتا ہے اور اسے ایک دوسری صورت میں پیش کرتا ہے جو اس کے نظریہ کی تائید کرتا ہے۔

۲۔ ذات عرق میں سعید اموی کی بنی امیہ سے گفتگو، اور یہ کہ اس نے ان سے مطالبہ کیا کہ قاتلان عثمان، یعنی وہی جنہوں نے عثمان کی خونخواہی کا علم بلند کیا تھا، کو قتل کریں اور اس کی طلحہ اور زبیر سے گفتگو کی روداد کہ عثمان کے بیٹوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں اور ان دونوں نے اسکی موافقت نہیں کی، لہذا سعید آگے بڑھنے سے منکر ہوگیا اور واپس چلاگیا اور اس کے ساتھ مغیرہ اور ثقیف کے کچھ اور لوگ واپس چلے گئے۔ اس روداد کو سیف نے درج ذیل جملہ کو نقل کرکے نابود کردیا ہے: اس دن سے پُر مصیبت کوئی اور دن دیکھا نہیں گیا، یہاں تک اس دن کو یوم الحیب نام رکھا گیا ہے، جبکہ ذات عرق میں رونما شدہ روداد وہی تھی جسے ہم نے نقل کیا، اس طرح جناب سیف نے بزرگان قریش اور خاندان مضر سے تعلق رکھنے والے اصحاب کی لغزشوں کی توجیہ کرکے ان پر پردہ پوشی کی ہے اور اس روایت کو نقل کرکے ان کی غلطیوں کو چھپادیا ہے۔

۳۔ راستہ اور بصرہ میں پیش نمازی کے مسئلہ پر اختلاف کی داستان اور عائشہ کا اپنے بھانجے اور اپنے چچیرے بھائی محمد بن طلحہ کو اس کام پر معین کرنا تاکہ اختلافات کو دور کرسکے، سیف نے اس خبر کی بھی مندرجہ ذیل جملہ نقل کرکے تصحیح کی ہے: ام المومنین عائشہ نے عبدالرحمان بن عتاب کو پیش نمازی کے لئے معین کردیا اور وہ بھی راستے میں اور بصرہ پہنچنے پر قتل ہونے تک لوگوں کی امامت کرتا رہا، سیف نے ان تمام تخریب کاریوں اور جاہ طلبیوں کو ایک چھوٹی سی روایت جعل کرکے دقیق جملوں کے ذریعہ محو کیا ہے پھر ایک اور روایت کے ذریعہ اس کی تائید کی ہے۔ سیف یوم الحیب کی داستان کے نقل کرنے میں (ذات عرق میں گریہ کے دن) منفرد ہے، اور طبری نے اس سے نقل کیا ہے اور ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں تاریخ طبری سے نقل کیا ہے، اس طرح سیف اپنے مقصد میں کامیاب ہوا ہے اور جس اضطراب اور تشویش کو تاریخ اسلام میں پیدا کرنا چاہتا تھا اسے شرمندہ کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔

بحث کا خاتمہ: ہم نے اس سے پہلے بھی دیکھا کہ سیف نے کس طرح جعلی ایام خلق کئے ہیں اور مسلمانوں اوراعراب میں دوران جاہلیت اور اسلام کے مانند مشہور ایام جعل کئے ہیں، اور ہمیں معلوم ہوا کہ اس نے حقیقی روداد وں کو الٹا دکھانے کی کتنی کوشش کی ہے تاکہ اسلامی معاشرے میں تشویش ایجاد کرکے ان کے عقائد اور افکار کو توہمات اور مذاق میں تبدیل کردے۔ اس کے جعلی ایام اسی حد تک محدود نہیں ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا بلکہ ہم نے اس لئے اتنے پر ہی اکتفا کیا ہے تاکہ تاریخ اسلام میں اس قسم کی تحریفات کے نقش پا اور آثار کو پہچان سکیں اور اس کے بعد سیف کے اس قسم کے جعل کے بارے میں مزید نمونے پیش کریں گے[1]۔

سیف کے خیالی شہر: نشرا لحمویّ کتاب سیف فی کتابہ معجم البلدان حموی نے سیف کی کتاب کو (اس کے خیالی شہروں کی وجہ سے)اپنی کتاب معجم البلدان میں درج کیا ہے۔ اور دوسروں نے بھی اس کی پیروی کی ہے۔ (موئف) معجم البلدان اور دوسرے جغرافیہ دانوں کا اہم مآخذ: محققین کے لئے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ یاقوت حموی نادر و نایاب قضیے اور اشعار نقل کرنے میں عجیب دلچسپی رکھتا ہے، جس قدر اس نے اس طرح کے قضیے واشعار کو شہروں کی تشریح میں درج کیا ہے دوسری کتابوں میں ویسے نہیں ملتا۔ گویا یاقوت حموی نے اپنے اس تصور کو سیف کی داستانوں میں پایا ہے لہذا اس نے اسی طرح سیف کے مطالب کو اپنی کتاب معجم البلدان میں پیش کردیا ہے، لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے ایسی جگہوں کی تشریح کی ہے کہ جو سیف کے افسانوں کے دائرہ سے باہر نہیں ہیں۔ جس طرح اس نے ''جبار''، ''جعرانہ''، ''شرجہ'' و''صہید'' کے بارے میں تشریح کی ہے، اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیف کی کتاب کا ابن خاضبہ کے ہاتھ لکھا ہوا ایک نسخہ اس کے پاس موجود تھا۔

ظاہر اًاس کتاب کے حاشیہ میں ابوبکر بن سیف کے بارے میں ایک تحقیقات لکھی گئی ہے،ابن خاضبہ، وہی ابوبکر محمد بن احمد بن عبدالباقی بغدادی حافظ[2] ہے کہ ابو بکر خطیب اور دوسروں سے روایت کرتا ہے، اس نے ماہ ربیع الاول ۴۸۹ھ میں وفات پائی

---

[1] جیسے حتیان کے دن (مچھلیوں کے دن)سیف کہتا ہے:یہ دن اس لئے اس نام سے مشہور ہوا ہے کہ سعد بن ابی وقاص کے سپاہیوں نے قادسیہ میں تین سو خچر گائے اور ماہی غنیمت کے طور پر حاصل کئے (طبری ۱۵/۲۲۴۴)

[2] حافظ اس شخص کو کہتے ہیں، جس نے ایک لاکھ احادیث حفظ کی ہوں۔

ہے[1] اور ابوبکر بن سیف یا ابوبکر بن احمد بن سیف جصینی ہے کہ سمعانی و حموی نے مادۂ جصینی میں انساب و معجم البلدان میں اس کی تشریح کی ہے، یا ابو بکر احمد بن عبداللہ بن سیف بن سعد سجستانی ہے کہ اس کا نام ابن عساکر کی روایتوں کے اسناد میں آتا ہے اور خاص کر ابن عساکر نے سیف سے جو بھی روایت نقل کی ہے، اس کی سند میں اس کا نام لیا گیا ہے۔ اور ابن ندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں اس کی تشریح کی ہے۔ حموی نے جن روایتوں کو نقل کیا ہے، انہیں تاریخ طبری میں بھی پایا جاتا ہے،اور بعض اوقات حموی ایسی چیزوں کو نقل کرتا ہے کہ طبری نے انہیں نقل نہیں کیا ہے، چنانچہ طبری نے بھی بعض روایتیں نقل کی ہیں، جن کو حموی نے نقل نہیں کیا ہے، ان دو بزرگواروں نے اس چشمہ سے جو بھی اپنے ذائقہ کے مطابق شریں پایا ہے اس سے استفادہ کیا ہے، اور فرق صرف یہ ہے کہ طبری سیف کی روایتوں کو پے در پے نقل کرتا ہے جو وہ سیف کی مجموعی داستان کو تشکیل دیتی ہیں اور عمومی طور پر جو سیف نے مآخذ اپنی داستانوں کے لئے جعل کئے ہیں ان سب کو نقل کرتا ہے۔ لیکن حموی سیف کی داستانوں کے اشعار اور عجیب وغریب مطالب میں سے جو کچھ ہے انہیں چن کر نقل کرتا ہے اور بعض اوقات چن لئے گئے مطالب کو سیف کی طرف نسبت دئے بغیر اور سند کا ذکر کئے بغیر نقل کرتا ہے۔

سیف کے خیالی شہروں کے چند نمونے: جیسا کہ ہم نے کہا حموی نے اپنی کتاب معجم البلدان میں جو بعض شہروں اور زمینوں کے ماخذ ذکر کئے ہیں، وہ سیف کی روایتیں ہیں، ہم یہاں پر سیف کے ان خیالی شہروں اور اماکن کے نمونے شاہد کے طور پر پیش کرتے ہیں جنہیں حموی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے: ۱۔ دلوث: حموی اس کلمہ کی تشریح میں کہتا ہے: سیف قبیلہ عبد قیس کے صحار نامی ایک شخص سے نقل کرتا ہے: ہر مزان کی جنگ کے دنوں جو اہواز کے اطراف میں واقع ہوئی، یہ علاقہ دلوث و دجیل کے درمیان واقع ہے، میں ھرم بن حیان کے پاس گیا اور اس کے لئے خرمے کی چند زنبیلیں ساتھ لے گیا۔ (قدمت علی ھدم بن حیان) تاآخر..... اور طبری اسی داستان کو اپنی سند اور سیف سے ۳۱ھ کے حوادث میں جملہ '' بجلال من تمر '' تک نقل کرتا ہے ۔ اس کے بعد جو کچھ

[1] تاریخ کامل طبع لیڈن۱۰/۱۷۸ورشذرات، ۲۸۹ ھ کے حوادث میں، لسان المیزان ج۶/۵۷اورج۶/۴۷۹

حموی نے نقل کیا ہے، طبری نے اسے نقل نہیں کیا ہے۔یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ سیف کی روایتوں کو نقل کرنے میں حموی کا ماٰخذ تاریخ طبری نہیں تھا،بلکہ اس کے پاس خود سیف کی کتاب موجود تھی اور وہ اس سے نقل کرتا تھا۔

۲۔طاووس:حموی نے جوروایتیں سیف سے نقل کی ہیں ، ان میں طاؤس کی تشریح کی ہے۔ اور کہتا ہے:طاووس فارس کے اطراف میں ایک جگہ کا نام ہے، سیف نے کہا ہے:علاء بن حضرمی نے سمندر کے راستے ایک فوج وہاں بھیجی اور یہ کام عمر کی اجازت کے بغیر انجام پایا۔یاقوت حموی نے اس پوری داستان کو، جسے طبری نے اپنی سند سے ۱۷ھ کے حوادث میں سیف سے نقل کیا ہے،اس پر خلید بن منذر کا ایک شعر بھی اضافہ کیا ہے، لیکن طبری نے اس شعر کو نقل نہیں کیا ہے۔

۳و۴۔جعرانہ ونعمان:یاقوت حموی نے جعرانہ اورنعمان جو حجاز میں واقع ہیں، سیف کے کہنے پر استناد کر کے ان دونوں جگہوں کو عراق کی سرزمین شمار کیا ہے اور یہاں پر خاص کر سیف کا نام لیا ہے۔اس طرح حموی نے سیف کی داستانوں میں نام لئے گئے دس سے زیادہ شہروں اور محلوں کی تشریح کی ہے یا ان کی تشریح کو سیف کی داستانوں سے استخراج کرکے سیف کا نام ذکر کیا ہے، جیسے حمقتین،لیکن وہ جگہیں جن کی اصل یا تشریح کو سیف کی داستانوں سے نقل کیا گیا ہے اور اس میں سیف کا نام نہیں لیا گیا ہے، بہت ہیں، جیسے:

۵۔قردودہ:یاقوت حموی قردود کی تشریح میں یوں کہتا ہے:جب طلحہ نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تووہ ثمیراء میں داخل ہوا،تمامہ بن اوس بن لام طائی نے کسی کو اس کے پاس یہ پیغام لے کر بھیجا کہ قبیلہ جذیلہ کے پانچ سوافراد میرے ساتھ ہیں اگر آپ کے لئے کوئی مشکل پیش آئی تو ہم قردودہ اور آنسر میں ریگستان کے نزدیک ہوں گے۔ طبری نے اسی روایت کو اپنی سند سے ۱۱ھ میں اہل غطفان کے ارتداد کے سلسلہ میں سیف سے نقل کیا ہے۔ اور یہی روایت حموی کی مورداعتماد قرار پائی ہے اور اس نے قردودہ کی تشریح کی ہے۔

ابن حجر نے بھی اسی روایت پر اعتماد کیا ہے، جہاں پر اس نے رسول اللہ کے صحابہ کی تشریح کے ضمن میں ثمامہ کی تشریح کی ہے جبکہ ہم نے ثمامہ اور قردودہ کے بارے میں سیف کے علاوہ کہیں کوئی نشان نہیں پائی

٦۔ نہراط: چونکہ حموی نے سیف کی بعض روایتوں کو سیف کا نام لئے بغیر اپنی کتاب میں درج کیا ہے، لہذا بعض اوقات قارئین شک وشبہہ میں پڑکر خیال کرتے ہیں کہ تشریح کی عبارت خود حموی کی ہے۔ مثال کے طور پر نہراط کی تشریح میں کہتا ہے جب خالد بن ولید نے حیرہ اور اس کے اطراف میں تسلط جمایااور اپنے کارندوں کو اس کے اطراف میں بھیجا من جملہ قبیلہ بنی تمیم کے ابواط کے فرزند ''اط'' نامی ایک شخص کو دور قتان بھیجا، جب وہ اس جگہ پر پہنچا، تو اس نے ایک ندی کے کنارے پر پڑاؤ ڈالا، لہذا وہ ندی آج تک اس کے نام پر نہراط کے عنوان سے مشہور ہے۔ طبری نے اسی روایت کو ۱۲ھ کے حوادث کے ضمن میں حیرہ کے اخبار کے بعد یوں نقل کیا ہے: خالد بن ولید نے اپنے افراد اور کارندوں کو بھیجا، یہاں تک کہتا ہے: اور اط ابن ابو اط کو ''بروز مستان'' بھیجا، اس نے ایک ندی کے کنارے پر ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالا اور اس جگہ کا نام بعد میں اسی کے نام سے مشہور ہوا اور آج تک ''نہراط'' کے نام سے مشہور ہے۔ ''اط'' قبیلہ سعد بن زید بن مناۃ سے تعلق رکھتا تھا۔ ابنحجر نے الاصابہ میں اسی روایت پر اعتماد کرکے اط بن اط کی تشریح میں لکھتا ہے: اط بن ابواط قبیلہ سعد بن بکر کا ایک فرد ہے کہ ابوبکر کے زمانہ میں خالد بن ولید کا دوست تھا اور خالد نے اسے ٹیکس جمع کرنے کے لئے اسی علاقہ میں ڈیوٹی دی تھی۔ اسی لئے وہاں پر موجود ایک ندی اسی کے نام سے مشہور ہوئی ہے۔

٨،٧ ،اور ٩۔ارماث، اغواث اور عماس: حموی نے ان تین جگہوں کے نام کو سیف سے نقل کرکے اپنی کتاب معجم البلدان میں ذکر کیا ہے، طبری نے بھی جنگ قادسیہ کی داستان کی تفصیل کو اپنی سند سے سیف سے نقل کیا ہے کہ ہم نے ایام سیف نامی فصل میں اسے بیان کیا۔

۱۰۔ ثنی: طبری نے داستان ''ثنی'' کو اپنی سند سے سیف سے نقل کرکے ۱۲ھ کے حوادث کے ضمن میں اپنی کتاب کی ج،۱ ص ۲۰۲۶اور ص ۲۰۳۰ میں نقل کیا ہے ۔

۱۱۔ ثیہ رکاب:اس کو بھی طبری نے اسی طریقہ سے ج،۱ ص ۲۰۲۶ ۔ ۲۰۲۰ میں ۱۲ھ کے حوادث کے ضمن میں نقل کیا ہے ۔

۱۲۔ قدیس: طبری نے مذکورہ طریقے سے جنگ قادسیہ کے بیان میں اسے ج،۱ ۲۲۳۰ و ۲۲۳۳ و ۲۲۴۳، ۲۲۵، ۲۲۸۸، ۲۲۹۴، ۲۳۲۶و ۲۳۲۸ میں نقل کیا ہے ۔

۱۳۔ مقر: اس کو بھی طبری نے ۱۲ھ کے حوادث میں ج،۱ ۲۰۳۷و ۲۰۳۸ میں نقل کیا ہے۔

۱۴۔ وایہ خرد:سیف کے خیالی اماکن میں ''وایہ خرد'' بھی ہے کہ طبری نے ج،۴ ص ۲۴۲ طبع اول مصر میں خلاصہ کے طور پر نقل کیا ہے ۔

۵۔ وبجہ:سیف کے خیالی اماکن میں ''وبجہ''،بھی ہے یہ سرزمین کسکر میں واقع ہےاور طبری نے اسے ۱۲ھ جنگ نہاوند میں بیان کیا ہے ۔ ج،۱ ۲۶۱۸و ۲۶۲۵ ۔

۱۶۔ هوافی: سیف کے خیالی اماکن میں سے ایک ''هوافی'' ہے اسے بھی طبری نے ۱۳ھ کے حوادث میں ج،۱ ۲۱۶۹ میں نقل کیا ہے ۔

جغرافیہ کی کتابیں اور سیف کے خیالی شہریہ،اور ان جیسے بہت سے شہر اور اماکن کو حموی نے سیف کی داستانوں پر اعتماد کرکے اپنی کتاب ''معجم البلدان'' میں نقل کیا ہے جبکہ شہروں کے بارے میں لکھی گئی دوسری کتابوں میں سیف کی روایتوں پر اعتماد نہیں کیا گیا ہےاور ان شہروں اور اماکن کے نام تک نہیں لئے گئے ہیں، جیسے مندرجہ ذیل کتابیں: ۱۔ ''صفه جزیرة العرب''تالیف ابو محمد حسن بن احمد بن یعقوب بن یوسف بن داؤد معروف بہ ابن حائک (وفات ۳۳۴ھ

٢۔ فتوح البلدان ۔ تالیف بلاذری

٣۔ مختصر البلدان، تالیف ابو بکر احمد بن محمد ہمدانی معروف بہ ابن الفقیہ جو تیسری صدی ہجری کے اواخر کے دانشوروں میں شمار ہوتے تھے ۔

۴۔ الآثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ : تالیف ابو ریحان محمد بن احمد بیرونی خوارزمی وفات ۴۴۰ھ ،

۵ ۔ معجم ما استعجم تالیف ابی عبدا للّٰہ بن عبدا لعزیز بن مصعب بکری وزیر ، وفات ۴۸۷ھ

٦۔ تقویم البلدان : تالیف اسماعیل صاحب حماۃ ، وفات ۷۳۲ھ اس کے علاوہ متاخرین میں سے دو شخصیتوں نے حموی پر اعتماد نہیں کیا ہے اور ان شہروں کی اپنی کتابوں میں تشریح نہیں کی ہے ۔ ا۔ مستشرق لسٹرنج نے اپنی کتاب ''بلدان الخلافۃ الشرقیہ'' میں

٢۔ عمر رضا کحالہ نے اپنی کتاب ''جغرافیای شبہ جزیرۂ عربستان''

تاریخی حوادث واقع ہونے کے زمانے میں سیف کی اداکاریاں

إنّما حَرَّفَ سیف الوقائع التاریخیۃ أیضاً سیف نے وقائع کی تحریف پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ ان وقائع کی تاریخ میں بھی تحریف کی ہے مولف ا؛ سیف نے جو تحریفات انجام دی ہیں، اس میں صرف تاریخی حوادث میں تبدیلی لانے پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ وقائع تاریخی کے سال معین کرنے میں بھی انہیں خلافِ حقیقت بیان کیا ہے ان میں فتح ''ابلہ[1]'' ہے کہ طبری نے سیف سے روایت کی ہے: ابو بکر نے خالد کو ایک لشکر کے ساتھ مأموریت پر عراق بھیجا، اس نے ابلہ میں دشمن پر حملہ کیا دشمن اور مشرکین کی فوج نے لشکر اسلام سے پہلے پانی کے ساحل پر کیمپ لگایا تھا اور خالد کے سپاہیوں کو پانی استعمال کرنے میں روکاوٹ ڈالی تھی، جب جنگ

[1] ابلہ ایک شہر کا نام ہے ۔ یہ شہر دریائے دجلہ کے کنارے پر بصرہ کے نزدیک جہاں پر ایک خلیج کا کونہ شہر بصرہ میں داخل ہوتا ہے ابلہ شہر بصرہ سے قدیمی تر ہے کیونکہ بصرہ عمر ابن خطاب کے زمانے میں قصبہ بنا جبکہ انہی دنوں ابلہ قصبہ تھا کہ یہاں پر کسری کی فوجی چھاونی تھی اور وہاں پر فوجی کمانڈر رہتا تھا (معجم البلدان)

چھڑ گئی تو خداوند عالم نے ایک ابر کو بھیجا جس نے اسلام کے لشکر کے پیچھے بارش برسانا شروع کیا یہاں تک کہتا ہے : خالد نے اسلام کی فتحیابی کی نوید باقیماندہ جنگی غنائم اور ہاتھی ....کے ہمراہ مدینہ بھیج دیا ،ہاتھی کو مدینہ کی گلی کوچوں میں پھرایا جاتا تھا تا کہ لوگ اسے دیکھیں ، ضعیف العقل عورتیں کہتی تھیں : یہ جو ہم دیکھ رہے ہیں کیا یہ خدا کی مخلوق ہے؟اور خیال کرتی تھیں کہ یہ بناوٹی ہے[1] اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابو جعفر کہتا ہے : جو ہم نے داستان ابلہ اور اس کی فتح کے بارے میں کہا ہے وہ تاریخ دانوں اور صحیح روایتیں بیان کرنے والوں کے بر خلاف ہے بلکہ فتح ابلہ عمر کے زمانے میں ۱۴ھ میں عتبہ بن غزوان کی کمانڈ ری میں انجام پایا ہے ۔جیسا کہ اس داستان میں ملاحظہ ہوتا ہے کہ سیف نے سال وقوع ،کمانڈر کے نام اور خلیفہ وقت کے نام کو بھی تبدیل کیا ہے اور اس کے علاوہ ایسے مطالب کہے ہیں کہ اس کے سوا کسی اور نے انھیں نقل نہیں کیا ہے ۔

سیف کی تحریفات میں ایک ،شہر بصرہ کی بنیاد رکھنے کی تاریخ ہے طبری نے اس سلسلہ میں کہا ہے : مدائنی کے کہنے کے مطابق عمر ابن خطاب نے عتبہ بن غزوان کو ۱۴ھ میں بصرہ کی طرف روانہ کیا ہے ... لیکن سیف نے ایسا گمان کیا ہے کہ شہر بصرہ ۱۶ھ میں وجود میں آیا ہے[2] اس روداد کو ابن کثیر نے نقل کیا ہے اور وہیں پر اشارہ کیا ہے کہ اس قضیہکے وقوع کا سال بیان کرنے میں سیف کا دوسروں کے ساتھ اختلاف ہے[3] سیف کی تحریفات میں یرموک[4] کا واقعہ بھی ہے ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتا ہے : یرموک کا واقعہ ماہ رجب ۱۵ھ میں واقع ہوا ہے چنانچہ یہ تاریخ کے علماء : لیث بن سعد ،ابن لھیعہ ،ابو معشر ،ولید بن مسلم ،یزید بن عبیدہ ، خلیفہ بن خیاط ، ابن کلبی، محمد بن عائذ،ابن عساکر اور شیخ ابو عبدا للہ ذہبی حافظ کا عقیدہ ہے لیکن سیف بن عمر اور ابو جعفر جریر کا عقیدہ یہ ہے کہ یرموک کا واقعہ ۱۳ھ میں رونما ہوا ہے اور ہم نے یہاں پر اس واقعہ کی تاریخ ۱۳ھ معین کی ہے تا کہ طبری کی پیروی ہو جائے[5] سی اختلاف کو دوسری جگہ پر ۱۳ھ کے حوادث میں لکھا ہے اور کہا ہے : ابن عساکر کہتا ہے : جو صحیح ہے وہ یہی ہے[6] لیکن جو سیف نے کہا ہے

[1] تاریخ طبری ،ج ۲، ۵۵۶۔
[2] تاریخ طبری ، ج ۲، ۸۹۔
[3] تاریخ ابن اثیر ،ج ۷، ص ۵۷ و ۴۸ ۔
[4] یرموک شام کی طرف ایک بیابان ہے ، (معجم البلدان)
[5] تاریخ ابن کثیر ، ج ۷ ص ۶۱ ۔
[6] تاریخ ابن اثیر ، ج ۷ ص ۲۔

کہ یہ واقعہ فتح دمشق سے پہلے ۱۳ھ میں رونما ہوا ہے، کسی نے سیف کی اس بات پر اعتبار نہیں کیا ہے۔ ابن عساکر کی تاریخ میں اس کی عبارت یوں ہے: ذکر سیف بن عمر إنها کانت سنة ۱۳ھ قبل دمشق ولم یتابعه أحد علیٰ ما قاله[1] من جملۂ واقعۂ حل کی تاریخ[2] ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں کہا ہے: واقعۂ فحل کو مؤرخین کی ایک بڑی جماعت نے فتح دمشق سے پہلے لکھا ہے لیکن طبری نے اسے فتح دمشق کے بعد لکھا ہے اور اس بات میں سیف بن عمر کی پیروی کی ہے[3] بلاذری نے فتوح البلدان میں کہا ہے: واقعۂ فحل اردن، خلافت عمر کے پانچ ماہ گزرنے کے بعد اس وقت رونما ہوا ہے جب کہ ماہ ذیقعدہ کے دو دن باقی بچے تھے[4] سیف کی تحریفات میں ایک ''ہرقل'' کے شام سے روانہ ہونے کی خبر ہے، طبری نے اپنی تاریخ کی ج ۳. ص ۹۹ میں لکھا ہے: اس کے بعد ہرقل ''قسطنطینہ کی طرف روانہ ہو، ہرقل کے قسطنطینہ کی طرف روانہ ہونے کی تاریخ میں اختلاف ہے، ابن اسحاق نے کہا ہے سنہ ۱۵ھ میں تھا اور سیف نے کہا ہے کہ سنہ ۱۶ھ میں تھا[5] اور ان ہی اختلافات کو ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے[6] اور بلاذری نے بھی ابن اسحاق کے نظریہ کو فتح البلدان میں ذکر کیا ہے[7] من جملہ تحریفات میں ایک فتح بیت المقدس ہے، طبری نے اپنی تاریخ میں بیت المقدس کی فتح کی کیفیت کو سیف سے نقل کیا ہے اور عمر اور بیت المقدس کے باشندوں کے درمیان واقع ہوئی صلح کی عبارت کو لکھا ہے اس میں ذکر کرتا ہے کہ صلح نامہ کے آخر میں یوں آیا ہے: وکتب و حضر سنة ۱۵[8] ابن کثیر نے اپنی تاریخ کی ج ۸ ۵۷ میں سیف کی روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے: سیف بن عمر نے یوں کہا ہے جبکہ دوسرے مؤرخین و دانشوروں کا عقیدہ یہ ہے کہ بیت المقدس سنہ ۱۶ھ میں فتح ہوا ہے[9] اس کے بعد مؤرخین کی ان روایتوں کو بیان کیا ہے جن سے سیف کی معین کردہ تاریخ سے اختلاف معلوم ہوتا ہے اور بلاذری نے اپنے طریقہ پر روایت کی ہے کہ یہ واقعہ ۱۶ ۔ ۱۷ میں رونما ہوا ہے، من جملہ وہ فتوحات ہیں جو الجزیزہ میں رونما ہوئی ہیں[10] طبری

---

[1] تاریخ ابن عساکر ج، ۱، ۱۵۹۔
[2] فحل شام میں ایک جگہ کا نام ہے جہاں پر مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان مڈ بھیڑ ہوئی تھی ۔
[3] تاریخ ابن کثیر ، ج۷ ص ۴۵۔
[4] فتوح البلدان، ۱۲۱ ۔
[5] تاریخ طبری، ج ۳ ص ۹۹۔
[6] تاریخ ابن اکثیر ،ج ۷ ص ۵۳۔
[7] فتوح البلدان ،ص ۱۴۳۔
[8] تاریخ طبری، ج ۳/ ۱۰۳۔
[9] تاریخ ابن کثیر ، ج ۸ ص ۵۷۔
[10] فتوح البلدان ، ص ۱۳۵ ۔ ۱۴۶۔

نے اپنی تاریخ میں کہا ہے: اور بقول سیف الجزیزہ ۱۷ھ میں فتح ہوا ۔ لیکن ابن اسحاق کہتا ہے کہا الجزیرہ ۱۹ھ میں فتح ہوا اور اسی اختلاف کو ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں ا ور حموی نے معجم البلدان میں ذکر کیا ہے، بلاذری نے فتوح البلدان میں ابن اسحاق کی روایت کی تائید کی ہے اور فتح جزیرہ کو ۱۹ھ میں اور اس کے بعد جانا ہے من جملہ اس میں عمواس کا طاعون ہے، طبری کہتا ہے حقیقت میں عمواس میں طاعون پھیلنے کی خبر اور یہ کہ یہ کس سال میں واقع ہوا ، اس میں اختلاف ہے ۔ ابن اسحاق کہتا ہے : اس کے بعد ۱۸ھ میں پہنچا کہ اسی سال عمواس میں طاعون پھیلا تھا[2] اس کے بعد اس قول کے قائل افراد کی روایتوں کو نقل کرتے ہوئے کہتا ہے : لیکن سیف : نے دعویٰ کیا ہے کہ عمواس کا طاعون ۱۷ھ میں پھیلا تھا ۔

ابن کثیر نے اس روایت کو تفصیل سے نقل کیا ہے اور سیف کی غلطی کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہتا ہے : محمد ابن اسحق، ابو معشر اور دوسرے متعدد افراد نے سیف سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ واقعہ ۱۸ھ میں پیش آیا تھا[3] بلاذری نے بھی فتوح البلدان میں روایت کی ہے عمواس کا طاعون ۱۸ھ میں پھیلا تھا[4] دوسری تحریفات میں مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان واقع ہوئی نبرد آزمائی ہے، طبری کہتا ہے : سیف نے کہا ہے کہ یہ ۱۵ھ میں واقع ہوئی ہے اور ابن اسحق و اقدی نے کہا ہے کہ ۱۶ھ میں واقع ہوئی ہے اور ابن کثیر نے اسی اختلاف کو اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے[5] اس کی دوسری تحریفات میں خراسان کی جنگ ہے طبری[6] نے سیف سے نقل کیا ہے کہ خراسان کی جنگ ۱۸ھ میں واقع ہوئی ہے.

اور دوسروں نے کہا ہے کہ یہ جنگ ۲۲ھ میں واقع ہوئی ہے طبرستان کی جنگ کے بارے میں بھی سیف نے تحریف کی ہے واقدی، ابو معشر اور مدائنی نے روایت کی ہے کہ اس جنگ کو سعد بن عاص نے ۳۰ھ میں لڑا ہے اور وہ پہلا آدمی ہے جس نے

[1] فتوح البلدان ، ص ۱۷۶ ۔ ۱۸۴۔
[2] تاریخ طبری ،ج ۳، ۱۶۱۔
[3] تاریخ طبری ،ج ۳ ص ۱۶۳۔
[4] فتوح البلدان، ص ۱۲۶۔
[5] تاریخ ابن کثیر ،ج ۷ ص ۶۰۔
[6] تاریخ طبری ، ج ۳ ص ۲۴۴ اورـتاریخ ابن کثیر ،ج ۷ ص ۱۲۶

طبرستان کی جنگ شروع کی ہے لیکن سیف کہتا ہے: ۳۰ھ سے پہلے سوید بن مقرن نے قضیہ کو صلح کرکے خاتمہ دے دیا اس سلسلہ میں تاریخ طبری[1] اور ابن کثیر[2] اور بلاذری[3] کی فتوح البلدان کی طرف رجوع کیا جائے ۔یہ تھا تاریخ کی سالوں اور دسیوں دوسرے واقعات کے بارے سیف کی اداکاریوں کا ایک خلاصہ کہ سیف نے وقائع اسلام کی تاریخوں کے بارے میں حقیقت کے برخلاف بیان کیا ہے۔

[1] تاریخ طبری ،ج ۳ ص ۳۲۳ ۔
[2] تاریخ ابن کثیر ،ج ۷ ص ۱۵۴ ۔
[3] فتوح البلدان ،ج ۷ ص ۳۴۲۔

خاتمہ

سیف کی جھوٹی روایتوں کے پھیلنے کے اسباب قد وجدوا فی أحادیث سیف ما رغبوا جو کچھ حکومتوں کے طرفدار اور مستشرقین چاہتے تھے اسے انہوں نے سیف کی روایتوں میں پالیا ہے سیف کی روایتیں، طاقتوروں اور ان کے حامیوں کے فائدے میں ہیں فتوح اور ارتداد کے بارے میں سیف کی روایتوں پر تحقیق کرنے سے حیرت انگیز حد تک اس امر کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں جتنی بھی صحیح روایتیں موجود ہیں، انھیں ترک کرکے ان سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے ۔ اور اس کا راز یہ ہے کہ سیف نے ان روایتوں کو ایسے لوگوں کی خوشنودی کیلئے جعل کیا ہے جو تاریخ کو غیر حقیقی روپ میں پیش کرنا چاہتے ہیں ۔اس قسم کے تمام افراد کی آرزوئیں سیف کی روایتوں میں پوری ہوتی ہیں یہی سبب ہے کہ سیف کی جھوٹی روایتوں کو دوسرے با اعتبار مؤرخین کی صحیح اور اصلی روایتوں پر ترجیح دی گئی ہے اور ان کی تشہیر اور پھیلاؤ میں زیادہ کوشش کی گئی ہے ۔

حقیقت میں سیف کی روایتوں کے طرفداروں اور حامیوں نے اس کی روایتوں میں اپنے مقاصد پالئے ہیں کیونکہ وہ ایک طرف دیکھتے ہیں کہ ان روایتوں میں مسلمانوں کے فرمانرواؤں اور سرداروں کیلئے فرشتوں کے اوصاف اور بے مثال و غیر معمولی بہادریاں اور کرامتیں بیان کی گئی ہیں جیسے : بیابان کی ریت کا پانی میں تبدیل ہونا سمندر کے پانی کا اسلام کے سپاہیوں کیلئے ریت میں تبدیل ہونا اور گائے کا اپنی مخفی گاہ کے بارے میں خبر دینے کیلئے گفتگو کرنا.... تا آخر دوسری طرف سے انہوں نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ صدر اسلام کے فرمانرواؤں اور شخصیتوں کے ناشائستہ اور ناپسند اعمال کے ارتکاب کی سیف نے اپنی روایتوں میں عذر خواہی کی ہے اور اس سلسلے میں ان پر اعتراض و تنقید کرنے والوں کے حملوں کو روکا ہے ۔ جیسے:وہ دیکھتے ہیں کہ سیف کی روایتوں میں آیا ہے کہ علی ابن ابطالب ؑنے اسی پہلے دن جب دوسروں نے ابوبکر کی بیعت کی، انتہائی جلد بازی میں ابوبکر کی بیعت کیلئے پیش قدمی کی ہے !! نہ یہ کہ بیعت کو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد تک تاخیر میں ڈالا ہے ۔وہ دیکھتے ہیں کہ سیف کہتا ہے کہ : سعد بن عبادہ

نے جبر و اکراہ کی حالت میں بیعت کی ہے !! نہ یہ کہ وہ بیعت کئے بغیر اپنی جلاوطنی کی جگہ ''حوران '' میں بیعت نہ کرنے کے جرم میں قتل کیا گیا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ بقول سیف بیعت کے سلسلہ میں جو حالت خالد بن سعید کیلئے پیش آئی، وہ علی علیہ السلام کی تائید کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اس لئے تھی کہ عمر نے اس کے ریشمی لباس کو پھاڑ ڈالا تھا !! وہ دیکھتے ہیں کہ عرب قبائل کے اتنے لوگوں کا قتل عام اور ان کے سروں پر کھانا پکانے کی دیگ کے پایہ قرار دینا ور ان کی عورتوں کی اسیری اس لئے نہیں تھی کہ انہوں نے ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا تھا بلکہ یہ سب ان لوگوں کے مرتد ہوکر خدا کے دین سے منحرف ہونے کے جرم میں تھا !! وہ دیکھتے ہیں کہ اونٹ پر سوار وہ عورت، جس کے بارے میں پیغمبر خداؐ نے پیشنگوئی فرمائی تھی، ام المؤمنین عائشہ نہیں ہیں بلکہ ام زمیل نامی دوسری عورت ہے۔

وہ دیکھتے ہیں کہ سیف کی روایت نے ام جمیل کے گھر میں مغیرہ بن شعبہ کے چہرے پر ایسا پردہ کھینچا ہے تاکہ کوئی اسے ام جمیل پر سوار ہوکر زنا میں مشغول نہ ہو پائے بلکہ ان لوگوں کی بات پر یقین کرے جنہوں نے یہ شہادت دی ہے کہ مغیرہ کو انہوں نے اپنے گھر میں ایک عورت پر سوار دیکھا ہے اور یہ واضح نہیں ہو سکا کہ وہ عورت کون تھی ؟ شاید خود مغیرہ کی اپنی بیوی ہو !! اصولی طور پر مغیرہ کیلئے اس طرح کا کیس درست کرنا اس لئے تھا کہ مغیرہ اور اس کے گواہوں میں پہلے سے ھماھنگی تھی۔ وہ دیکھتے ہیں کہ سیف کی روایتوں میں ابو محجن ثقفی شراب نوشی کے جرم میں زندان نہیں بھیجا گیا ہے بلکہ ایک شعر کے جرم میں جیل گیا ہے جو اس نے شراب کے سلسلہ میں کہا تھا !تا آخر۔ سیف کے روایتیں مستشرقین کے فائدے میں[1] شاید بعض مستشرقین بھی اس لحاظ سے سیف کی روایتوں کے طرفدار بنے ہیں کہ جو کچھ وہ اسلام کے فوجیوں کے بارے میں بے رحمانہ قتل عام اور قساوت قلب جیسی چیزیں سننا چاہتے تھے انھیں سیف کی روایتوں میں مشاہدہ کیا ہے کیونکہ مستشرقین نے دیکھا کہ سیف کی روایتوں میں ذکر ہوا ہے کہ خالد نے بعض جنگوں میں تین دن اور تین رات تک اسیروں کے سر قلم کرنے کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا ہے اور ہر گزرنے والے کو پکڑ کر

---

[1] کتاب عبدا للہ بن سبا ،ج۲ کی پہلی فصل ملاحظہ ہو ۔

اس کا سر تن سے جدا کرتا تھا اگر چہ وہ مخالف بھی نہ ہو، یہ سب قتل عام او ر انسانیت سوز رفتار صرف اس لئے انجام دیتا تھا کہ خالد نے قسم کھائی تھی کہ ان کے خون کی ندی جاری کرے!!! مستشرقین نے دیکھا ہے کہ سیف کی روایتوں میں اکثر جنگوں میں مقتولین کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی اس کے علاوہ ایک اور چیز جو سیف نے دکھائی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کے سپاہیوں کو ہلاکو کی طرح بے رحم اور درندہ خصلت دکھایا ہے اور اس طرح اسلامی جنگیں بشریت کو نابود کرنے کیلئے انجام پائی ہیں!! مستشرقین نے سیف کی روایتوں میں دیکھا ہے کہ پیغمبر خداؐ کی رحلت کے بعد حرمین (مکہ و مدینہ) سے باہر رہنے والے مسلمان، عام طور پر مرتد ہوکر دین سے خارج ہوئے ہیں اور انھیں تلوار کی نوک پر پھر سے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہے اور نتیجہ کے طور پر اسلام غنڈہ گردی اور تلوار کے ذریعہ پھیلا ہے ۔

مستشرقین نے سیف کی روایتوں میں دیکھا ہے کہ عبد اللہ بن سبا نامی ایک یہودی نے یہ طاقت پیدا کی ہے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان ایک ایسی سازش کرے جس کے نتیجہ میں اصحاب رسول خداؐ اور آپ کے ماننے والوں کو گمراہ کر سکے اور یہودی ایسے مطالب مسلمانوں کے ذہنوں میں ڈالتے رہتے ہیں جو ان کے عقائد کا حصہ نہیں تھے اور اس طرح مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دے اور سب کو خلیفہ کے قتل پر اکسائے اور سب مسلمان واقعات کے بارے میں ایک غیر معروف شخص کے اثر میں قرار پاتے ہیں و....شائد مستشرقین نے ان اوصاف کے ساتھ مسلمانوں کے چہرہ کو سیف کی روایات کے آئینہ میں دیکھا ہے کہ اس قدر اس کے گیت گارہے ہیں اور اپنے تاریخی تجزیہ و تحلیل کی بنیاد صرف سیف کی روایتوں کو قرار دیا ہے اور دوسری صحیح روایتوں کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔

بحث کا نتیجہ

ہم ''فتوح''اور ''ارتداد'' کے بارے میں سیف کی روایتوں کی مکمل تحقیق کے دوران اس حقیقت کو پاتے ہیں کہ اس شخص کی روایتیں صدر اسلام سے بحث کرنے والی معتبر اور مستند تاریخی اور علمی کتابوں کی نسبت گہرے اور قابل توجہ اثرات رکھتی ہیں اور اس کے علاوہ سیف کی روایتوں اور دوسروں کی روایتوں کے درمیان تطبیق اور موازنہ کے دوران ہم علم رجال کے دانشوروں کی اس حقیقت کی تائید کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ سیف جھوٹا اور جھوٹ گڑھنے والا تھا۔لیکن، سیف کے زندیق ہونے کے بارے میں جس کا دانشوروں نے سیف پر الزام لگایا ہے ہم نے خدا کی مدد سے کتاب '' ۱۵۰ جعلی اصحاب '' میں مفصل بحث و تحقیق کی ہے ۔

کتاب کے مطالب کا خلاصہ

ہم نے کتاب کے مقدمہ میں '' مباحث پر ایک نظر '' کے عنوان سے کہا ہے کہ ہم نے حدیث و تاریخ میں مسلسل وسیع و عمیق مطالعہ کیا ہے اور ان مطالعات کے دوران اس حقیقت کو پایا ہے کہ اسلامی علوم اور ثقافت اور مآخذ میں صحیح اسلامی احادیث اور حقیقی تاریخی واقعات کے نام پر موجود تین قسم کی روایتوں کی جانچ پڑتال انتہائی لازم و ضروری ہے اور صحیح اسلام کو پہچاننے میں یہ کام انتہائی مؤثر و واضح کنندہ ہے روایتوں کے یہ تین دستے، جن کی تحقیقضروری ہے حسب ذیل ہیں: ۱۔ ام المؤمنین عائشہ کی روایتیں

۲۔ پیغمبر خدا کے بعض اصحاب کی روایتیں۔

۳۔ سیف بن عمر کی روایتیں

ہم خدا کی مدد سے مذکورہ تین قسم کی روایتوں اور دوسری روایتوں کو اپنی تالیفات کے سلسلہ میں '' حدیث و تاریخ '' کی چھان بین کے عنوان سے تحقیق کرنا چاہتے ہیں ہم نے سیف کی روایتوں کے ایک حصہ کی اسی کتاب میں جانچ پڑتال کی ہے، اس کی باقی بچی روایتوں کو بھی انشاء اللہ اس کتاب کی جلد دوم و سوم میں بحث و تحقیق کریں گے، اس فصل میں ہم گزشتہ بحث و تحقیق کا خلاصہ بیان کریں گے ۔

١۔ عبد اللہ بن سبا کے افسانہ کی پیدائش ایک ہزار سال سے یہ افسانہ مؤلفین اور مؤرخین کی زبان پر جاری ہے مؤرخین کہتے ہیں: اس مشن کو چلانے والا ، عبد اللہ بن سبا نامی ایک یہودی تھا اس نے عثمان کے زمانہ میں ظاہری اسلام قبول کیاتا کہ اپنے فتنہ انگیز منصوبوں کے ذریعہ مسلمانوں کے درمیان رخنہ اندازی کرے ۔ کہتے ہیں: یہ شخص دو موضوع کا پروپیگنڈا کرتا تھا ۔١۔ پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد رجعت ۔

٢۔ یہ کہ ہر ایک پیغمبر کا کوئی نہ کوئی وصی اور جانشین تھا ، پیغمبر آخر الزمانؐ کے وصی و جانشین علیؑ ہیں اور عثمان ان کا حق غصب کرنے والے ہیں ۔

لہذا عثمان کے خلاف بغاوت کی جانی چاہئے تا کہ حق حقدار کے حوالے کیا جا سکے ۔ کہتے ہیں : عثمان کے خلاف بغاوت اسی پروپگنڈہ کے نتیجہ میں ہوئی تھی بغاوت کرنے والوں میں اصحاب اور تابعین کا ایک گروہ تھا کہتے ہیں کہ وہ عبد اللہ بن سبا کے گرویدہ تھے انھی سبائیہ کہتے تھے ۔ کہتے ہیں: بصرہ سے باہر واقع ہونے والی جنگ جمل میں سبائی فتنہ برپا کرنے کی غرض سے رات کی تاریکی میں دو لشکروں میں گھس گئے پو پھٹتے ہی کمانڈروں کی لاعلمی میں دونوں طرف سے تیر اندازی شروع ہوگئی اور اس طرح اچانک جنگ کے شعلوں کو بھڑکا دیا ، لہذا ان تمام فتنوں کا سرچشمہ یہی یہودی ہے ۔اس کے علاوہ اسی شخص نے مسلمانوں میں رجعت اور علی علیہ السلام کی جانشینی کا عقیدہ پھیلایا ہے!!

۲۔ عبدا للہ بن سبا کے افسانہ کے راوی مؤرخین اور مصنفین معاصر اور غیر معاصر نے اس افسانہ کو سیف بن عمر نامی ایک شخص سے نقل کیا ہے، درج ذیل اشخاص،ان میں مشہور ترین افراد میں سے ہیں ۔

۱۔ ابن اثیر

۲۔ ابن کثیر

۳۔ ابن خلدون

مذکورہ تین اشخاص نے اپنی تاریخ کی کتابوں میں عبد اللہ بن سبا کے افسانوں کو طبری سے نقل کیا ہے ۔

۴۔ فرید وجدی نے ''دائرۃ المعارف'' میں ۔

۵۔ احمد امین نے ''فجر الاسلام''میں ۔

۶۔ حسن ابراہیم نے ''تاریخ سیاسی اسلام'' میں ۔

۷۔ میر خواند نے ''روضۃ الصفا'' میں ۔

مستشرقین

۸۔ فان فلوٹن نے ''تاریخ شیعہ'' میں ۔

۹۔ نیکلسن نے ''تاریخ ادبیات عرب'' میں ۔

۱۰۔ ولھاوزن نے 'الدولۃ العربیۃ و سقوطھا'' میں ۔

۱۱۔ انسائیکلوپیڈیا کے مصنفین ''دائرۃ المعارف اسلامی'' میں ۔

۱۲۔ دوایت ۔ ایم ۔ ڈونالڈسن نے ''عقیدۃ الشیعہ'' میں ۔

تمام مذکورہ اشخاص نے اس افسانہ کو طبری سے بلا واسطہ نقل کیا ہے ۔

۱۳۔ غیاث الدین نے اس افسانہ کو ''حبیب السیر'' میں روضۃ الصفا سے نقل کیا ہے ۔

۱۴۔ ابو الفداء نے اپنی تاریخ میں ۔

۱۵۔ رشید رضا نے ''السنۃ و الشیعہ'' میں ۔

مذکورہ دونوں افراد نے ابن اثیر سے نقل کیا ہے ۔یہاں تک مذکورہ دانشوروں نے ابن سبا کے افسانوں کو بلاواسطہ یا ایک واسطہ سے طبری سے نقل کیا ہے، طبری نے یہ افسانہ کہاں سے ذکر کیا ہے ؟

۱۶۔ طبری نے اپنی تاریخ میں اس افسانہ کو تفصیل کے ساتھ ''سیف بن عمر تمیمی'' سے روایت کیا ہے ۔ ۱۷۔ ذہبی نے ''تاریخ اسلام'' میں اس افسانہ کو ''سیف بن عمر'' کی کتاب سے ذکر کیا ہے اور طبری سے بھی روایت کیا ہے ۔

۱۸۔ ابن ابی بکر نے ''التمہید'' میں اس افسانہ کو ''سیف'' کے علاوہ ابن اثیر سے بھی نقل کیا ہے۔

۱۹۔ ابن عساکر نے ''تاریخ دمشق'' میں ''سیف بن عمرؔ'' سے روایت کیا ہے ۔

۲۰۔ ابن بدارا ن نے تاریخ ابن عساکر کو خلاصہ کرکے اسے ''تہذیب تاریخ دمشق'' نام رکھا ہے اور جو کچھ تہذیب میں ذکر کیا ہے اسے ابن عساکر سے نقل کیا ہے۔

۲۱۔ سعید افغانی نے ''عائشه و السیاسة'' میں طبری، ابن عساکر ابن بدران اور ابن ابی بکر سے نقل کیا ہے ۔اس تحقیق کے بعد واضح ہوجاتا ہے کہ ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزرہا ہے کہ تمام دانشور اور مؤرخین اس افسانہ کو سیف بن عمر سے نقل کررہے ہیں لهذا سیف بن عمر کی شخصیت کے بارے میں تحقیق کرنا ضروری ہے ۔اس بنا پر تاریخ اسلام کی تصنیف میں سیف کی روایتوں کا انتهائی اہم اثر رہا ہے اور مناسب ہے کہ ان روایتوں کو جعل کرنیوالے (سیف بن عمر) کو اچھی طرح پہچان لیں تا کہ اسکی روایتوں کی قدر و قیمت معلوم ہو سکے ۔

۳۔ عبد اللہ بن سبا کے افسانہ کو خلق کرنے والا سیف بن عمر کی زندگی کے حالات: علم رجال کے علماء نے تیسری صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک سیف بن عمر کی زندگی کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سیف بن عمر دوسروں کی روایتوں میں دخل و تصرف کرکے حدیث جعل کرتا تھا اور وہ زندیق تھا!! اس نے ۱۷۰ھ کے بعد وفات کی ہے اور یادگار کے طور پر درج ذیل اپنی دو کتابیں چھوڑی ہیں: ۱۔ کتاب ''الفتوح و الردة'' کہ اس سے پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد عثمان کی خلافت تک کے واقعات پر بحث کی گئی ہے ۔

۲۔ کتاب ''الجَمل و مَسیر عليّ و عائشة'' کہ اس میں عثمان کے قتل اور جنگ جمل پر بحث و گفتگو کی گئی ہے ...یہی دو کتابیں ان دانشوروں وغیرہ کیلئے مآخذ بن گئی ہیں ۔ ہم نے اس کتاب میں ثابت کیا ہے کہ سیف نے بعض تاریخی حوادث اور اسلامی فتوحات کے بر خلاف واقع،بیان کیا ہے اور بعض کو افسانہ کے طور پر مضحکہ خیز انداز میں نقل کیا ہے ۔ اس نے بہت سے افسانوی سورماؤں کو ایسے خلق کیا ہے جو بعد میں اسلامی شخصیات اور اصحاب پیغمبرؐ کی فہرست میں قرار پائے ہیں بعض دانشوروں، جیسے ابن عبد البر نے ''الاستیعاب'' میں، ابن اثیر نے ''اسد الغابہ'' میں اور ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں سیف کی روایتوں پر استناد کرکے سیف کے افسانوی سورماؤں کے حالات پر اصحاب پیغمبرؐ کی حیثیت سے روشنی ڈالی ہے ۔اس کے علاوہ جغرافیہ شناسی کی کتابوں کے مؤلفین جیسے ''معجم البلدان'' اور ''الروض المعطار'' کے مصنفین نے سیف کی روایتوں سے استناد کرکے ایسے شہروں اور

اماکن کانام لے کر ان کی تفصیلات لکھی ہیں کہ سیف کی روایتوں کے علاوہ انھیں کہیں نہیں پایا جاتا ہے اور حقیقت میں ان کا کہیں وجود ہی نہیں ہے ۔

۴ ۔ اسامہ کا لشکر سیف نے لشکر اسامہ کے بارے میں روایت کی ہے ''؛ پیغمبر خدا نے اپنی رحلت سے پہلے روم سے جنگ لڑنے کیلئے ایک لشکر کو آمادہ کیا تھا اور اسامہ کو اس لشکر کی کمانڈری سونپی تھی، لشکر کے روانہ ہونے کے بعد ابھی اس کی آخری فرد مدینہ کی خندق سے نہ گزری تھی کہ پیغمبر خداؐ نے رحلت فرمائی ۔ اسامہ وہیں پر رک گئے اور عمر کو رسول خداؐ کے خلیفہ ابوبکر کے پاس بھیجا اور ان سے واپس لوٹنے کی اجازت طلب کی انصار نے بھی اس سے مطالبہ کیا کہ کمانڈری کو اسامہ سے چھین لیں اور کسی اور کو سونپیں جب عمر نے مذکورہ پیغام کو ابوبکر کے یہاں پہنچایا ابوبکر نے اٹھ کر عمر کی داڑھی پکڑی اور کہا : تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے ! اسامہ کو پیغمبرؐ نے سپہ سالار معین فرمایا ہے اور تم یہ کہتے ہو کہ میں اس سے یہ عہدہ چھین لوں ؟ اس کے بعد ابو بکر آئے اور لشکر کو روانہ کیا اور انھیں رخصت کرتے ہوئے کہا : چلے جاؤ تا کہ خداوند عالم تمہیں قتل و طاعون کے ذریعہ نابود نہ کرے''

ہم نے جو معتبر روایتیں اس سلسلے میں سیف کے علاوہ دوسروں سے نقل کی ہیں ان کی جانچ پڑتال کرنے سے واضح ہوا کہ سیف نے تاریخ کو کس حد تک حقیقت کے برخلاف دکھایا ہے اور اس روایت میں کس قدر جھوٹ اور غیر واقعی مطالب موجود ہیں ۔

۵ ۔ سیف کی روایتوں میں سقیفہ کی داستان سقیفہ کی روداد نقل کرنے کے سلسلے میں سیف بن عمر سے سات روایتیں نقل ہوئی ہیں، ان میں یوں کہتا ہے ''؛ پیغمبر اسلام کی وفات کے دن، تمام مہاجرین نے کسی دعوت کے بغیر ابوبکر کی بیعت کی ! اور کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی، مگر وہ جو مرتد ہوئے تھے ۔ حضرت علی علیہ السلام گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ خبر ملی کہ ابو بکر بیعت لینے کیلئے اٹھے ہیں پس جب انہوں نے یہ سنا، صرف ایک کرتا پہن کر گھر سے روانہ ہوئے اور مسجد کی طرف دوڑ پڑے اور ابوبکر کی بیعت کی ۔ اس کے بعد ان کا لباس لایا گیا تب وہ لباس پہن کر ابوبکر کے پاس بیٹھ گئے ۔ مزید روایت کی ہے : ابوبکر نے اپنے خطبہ میں کہا : ہوشیار رہنا ! میرا ایک شیطان ہے جو میرے حواس خمسہ میں اور میرے رگ وریشہ میں تصرف کرتا ہے خبر دار رہنا، اگر ایسا ہو تو مجھ

سے اجتناب کرنا ، ایسا نہ ہو کہ میں تمہارے پیراہن اور بدن سے اپنے حق میں استفادہ کروں۔ان روایتوں کے علاوہ دوسری روایتیں بھی حقیقت کے خلاف نقل کی ہیں ۔ ہم نے چوں کہ اس سلسلہ میں سیف کی روایتوں کی اسناد کی چھان بین کی ہے اس سے معلوم ہوجاتاہے ان سات روایتوں میں سے چار روایتوں کو سیف نے اپنے چار افسانوں کے سورماؤں سے نقل کیا ہے اور ان چار سورماؤں کے نام سیف کی روایتوں کے علاوہ ہم کہیں نہیں پاتے ۔ ہم نے اس سات روایتوں کے متن کی جانچ پڑتال کیلئے ناچار ہوکر اہل سنت کی کتابوں سے معتبر روایتیں نقل کی ہیں، اور اس طرح سیف کی روایتوں میں بہت زیادہ جھوٹ کی موجودگی کو ثابت کردیا ہے ۔

٦۔ سقیفہ کی داستان صحیح روایتوں میں: ان روایتوں میں ملتا ہے کہ پیغمبر خداؐ کو زندگی کے آخری لمحات میں عمر نے یہ موقع فراہم ہونے نہ دیا کہ آپ ایک وصیت نامہ لکھیں !اس نے پیغمبر کی رحلت کے بعد تلوار کھینچ لی اور کہتا تھا : پیغمبرؐ نے وفات نہیں کی ہے !اور جو بھی یہ کہے گا کہ آپ نے وفات کی ہے، اس کا سر قلم کردوں گا ! اس نے ان الفاظ کی اس قدر تکرار کی کہ یہاں تک کہ ابوبکر آگئے اور اس وقت عمر نے اچانک خاموشی اختیاری کی جبکہ اہل بیت پیغمبرؐ رسول خداکے بدن کو غسل دینے میں مشغول تھے، انصار سقیفہ میں جمع ہوئے تھے تاکہ سعد بن عبادہ کی بیعت کریں، یہ خبر جب ابوبکر اور عمر کو پہنچی تووہ ابو عبیدہ اور چند دوسرے افراد کے ہمراہ سقیفہ کی طرف روانہ ہوگئے اور انصار کے ساتھ جنگ و جدل کیا، نتیجہ کے طور پر ابوبکر کے حامی گروہ نے فتح پائی اور ابوبکر کی بیعت کی گئی، اس کے بعد اسے مسجد النبی لے آئے اور لوگوں سے اس کیلئے بیعت لی، اس پوری مدت کے دوران پیغمبر خداؐ کا جنازہ آپ کے گھر میں پڑا رہا اورآنحضرت کے اہل بیتؑ اور انصار میں سے ایک شخص کے علاوہ کوئی وہاں پر موجود نہ تھا سقیفہ اور مسجد النبی میں بیعت کا کام مکمل کرنے کے بعد یہ لوگ پیغمبر خداؐ کے جنازہ پر نماز پڑھنے کیلئے حاضر ہوئے ۔ آنحضرتؐ کا جنازہ سوموار سے منگل کی شب تک اپنے گھر میں پڑا رہا اور منگل کی نصف شب کو اہل بیتؑ نے آپؐ کی تجہیز و تکفین کا کام انجام دیا ۔ علی علیہ السلام، اہل بیت پیغمبرؐ، اصحاب میں سے ایک جماعت اور تمام بنی ہاشم نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی اور انہوں

نے پیغمبرؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؑ کے گھر میں دھرنا دیا، عمر چند لوگوں کے ہمراہ آئے تا کہ دھرنا دینے والوں کو لے جا کر ابوبکر کی بیعت کرائیں ۔ لیکن علی علیہ السلام اور بنی ہاشم نے چھ مہینہ تک ابوبکر کی بیعت نہیں کی، مگر پیغمبر خداؐ کی بیٹی کی رحلت کے بعد اس کتاب میں یہ تمام روداد تفصیل سے بیان ہوئے ہیں، ان وقائع کو بیان کرنے کے بعد ہم نے بعض اصحاب جیسے ابن عباس، ابوذر، مقداد، ابو سفیان، معاویہ، اور عمر بن خطاب کے نقطۂ نظر پیش کئے ہیں اور اس کے علاوہ سعد بن عبادہ کی زندگی کے آخری ایام کے حالات کا ایک خلاصہ بھی بیان کیا ہے اس کے بعد پھر سے سقیفہ کے بارے میں سیف کی روایتوں کا دوسروں کی صحیح روایتوں سے موازنہ کیا ہے اور نتیجہ کے طور پر سیف کی روایتوں کے حقیقت کے خلاف اور جھوٹے مواقع کو واضح کر دیا ہے ۔

سیف کی روایتوں کی چھان بین

اس تحقیق اور جانچ پڑتال کے بعد سیف کی روایتوں میں موجود جھوٹ کا پول کھل گیا اور مکمل طور پر واضح ہوگیا کہ ''سیف بن عمر'' اصحاب کی زندگی کے بارے میں، وقت کے حکام کی خواہش اور اس زمانے کے لوگوں کے جذبات کے مطابق جو چیز کسی بھی کتاب میں نہ لکھی گئی تھی، کو مختلف صورتوں میں نقل کر کے اپنی روایتوں کیلئے اسناد جعل کرتا تھا اس کام کے نتیجہ میں اس نے اپنے اصل مقصد یعنی تاریخ اسلام کو مضحکہ خیز اور برعکس دکھانے کی ضمانت فراہم کی ہے اور آج صدیاں گزرنے کے بعد بھی سیف کے افسانے تاریخ اسلام کے نام پر زبان زد ہیں ۔ کیا ابھی بھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ہم اس جھوٹ (سیف اور اس کی جیسی روایتوں) کی جڑ کو تاریخ اسلام سے اکھاڑ کر پھینک دیں ؟ اور تحقیق و مجاہدت کے ذریعہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے خاندان کے خوبصورت چہرہ سے جھوٹ کے پردوں کو اٹھالیں، تا کہ اسلام کا حقیقی روپ اپنے جمال و جلال کے ساتھ نمایاں ہو جائے ؟ یا یہ کہ ابھی بھی ان مضحکہ خیز افسانوں کے ساتھ دلچسپی دکھا کر اسلام کے دفاع پر ان افسانوی اور انکے خالق کا دفاع کر کے، اسلام کے حقائق کو پھیلانے کے راستہ میں ایک بڑی رکاوٹ ایجاد کریں ؟ !!ہم نے خداوند عالم کی مدد سے اس کتاب کی پہلی جلد میں حقائق اسلام کو پہچاننے کی راہ میں ایجاد کی گئی بڑی رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے ۔ انشاء اللہ دوسری جلد میں بھی اسی

راستے پر آگے بڑھتے ہوئے اس کے پہلے حصہ میں سیف کی ان روایتوں پر بحث و تحقیق کریں گے جن کے ذریعہ اسلام کو تلوار اور خون کا دین بتایا گیا ہے۔ ہم اس حصہ میں سیف کی ان فرضی اور خیالی جنگوں کی بحث و تحقیق کریں گے جنھیں اس نے تایخ اسلام میں شامل کیا ہے یہ جنگیں ابوبکر کی خلافت کے دوران ''مرتدین کی جنگ'' کے نام سے مشہور ہوئیں جیسے : ابرق الربذہ کی جنگ، زی القصہ پر لشکر کشی، قبیلۂ طی کا ارتداد اور ان سے جنگ، ارتداد اور جنگ ام زمل، مہرہ کے باشندوں کا ارتداد، عمان کے باشندوں کا ارتداد ،اہل یمن کے ساتھ مرتدین کی پہلی جنگ ، ارتداد اور جنگ اخابث اور یمن میں مرتدین کی دوسری جنگ۔ تاریخ اسلام میں چند دوسری جنگیں بھی 'فتوح اسلامی'' کے نام پر درج کی گئی ہیں کہ ان کی بھی کوئی اصلیت یا بنیاد نہیں تھی، جیسے : جنگِ سلاسل یا فتح ابلہ ، واقعہ مذار، فتح وبجہ ،فتح الیس ،فتح امغیشیا ،فتح فرات باذقلی ، جنگ حصید، جنگ مصیخ، جنگ ثنی ، جنگ زمیل اورجنگ فراضیف ان افسانوی جنگوں کو تاریخ اسلام میں نشر کرکے اسلام کو خون اور تلوار کا دین بتادینے میں کامیاب ہوا ہے جبکہ بحث و تحقیق کے بعد واضح ہوتا ہے کہ یہ سب داستانین جھوٹی اور افسانہ کے علاوہ کچھ نہیں تھی ۔کتاب کے دوسرے حصہ میں، سیف کی چند ایسی روایتوں کی تحقیقات کی جائے گی جو اسلام کے عقائد کی توہمات کے ساتھ ملاوٹ کا سبب بنیں ہیں جیسے: خالد بن ولید پرزہرکے اثر نہ کرنے کی مہمل داستان ،عمر بن خطاب کے بارے میں پیغمبر کی بشارتیں اور پیشگوئیاں ، مسلمانوں کے نعروں کی آواز سے شہر حمص کی فتح.

اس کتاب میں مذکوربعض اصحاب پیغمبرؐ کی زندگی کے حالات اس کتاب میں مذکور اصحاب کے اسماء: الف :ا۔ابی بن کعب

۲۔ ابوالدرداء (عویمر)

۳۔ اسید بن حضیر

۴۔ ابن ام مکتوم (عمرابن قیس)

۵۔ ابو ذؤیب

۶۔ ام مسطح

۷۔ اوس بن خولی

ب: ۸۔ براء بن عاذب

ث: ۹۔ ثابت بن قیس

ح: ۱۰۔ حباب بن منذر

خ: ۱۱۔ خالد بن ولید

ز: ۱۲۔ زبیر بن عوام

۱۳۔ زیاد بن لبید

۱۴۔ زید بن ثابت

س: ۱۵۔ سالم بن عبید

۱۶۔ سلمان محمدی

۱۷۔ سلمۃ بن سلامۃ

ص: ۱۸۔ صالح

ط :۱۹۔ طلحۃ بن عبید اللہ

ع :۲۰۔ ابو الولید عبادۃ بن صامت

۲۱۔ عبد الرحمان بن عوف

۲۲۔ عبد اللہ بن عباس

۳۔ عمرو بن قیس

۲۴۔ عویم بن ساعدہ

ف :۲۵۔ فضل بن عباس

ق :۲۶۔ قثم بن عباس

م :۲۷۔ محمد بن مسلمہ

۲۸۔ مغیرۃ بن شعبہ

۲۹۔ مقداد بن اسود

مذکورہ اصحاب کی زندگی کے حالات) حرف اول کی ترتیب سے)

۱۔ابی ابن کعب ابی بن کعب قبیلہ خزرج اور انصار میں سے تھا اس نے عقبۂ دوم میں شرکت کی ہے وہیں پر پیغمبر خداؐ کی بیعت کی ہے اس نے غزوۂ بدر اور دوسرے غزوات میں شرکت کی ہے پیغمبر خداؐ کی خدمت میں آپ کے کاتبوں اور نامہ نویسوں میں شامل تھا اور خلافت عثمان کے آخری ایام میں وفات پائی ہے[1]

۲۔ ابو الدرداء اس کا نام عویمر تھا ،اس کے حالات حرف ''ع'' میں بیان کئے جائیں گے ۔

۳۔ اسید بن حضیر یہ ان انصار میں سے ہے جو بیعت عقبۂ دوم میں حاضر تھا اور اس نے پیغمبرؐ کے تمام غزوات میں شرکت کی ہے اور جنگ احد میں اس نے استقامت کا مظاہرہ کیا ہے سقیفہ میں ابو بکر کی حمایت کرنے کے سبب ابوبکر، انصار میں سے کسی ایک کو اس پر مقدم نہیں جانتے تھے، سنہ ۲۰ھ یا ۲۱ھ میں فوت ہوا ہے عمر ان کے جنازہ میں پیش پیش تھے[2] ۔

۴۔ ابو ذویب اس کا نام خویلد تھا ،وہ ایک شاعر تھا جو پیغمبرؐ کے زمانے میں مسلمان ہوا ، لیکن رسول خداؐ کا دیدار نہ کرسکا جب اس نے سنا کہ پیغمبر خداؐ بیمار ہوئے ہیں مدینہ کی طرف روانہ ہوا ،ابوبکر کی بیعت میں حاضر تھا ،پھر صحرا کی طرف چلا گیا کہا جاتا ہے کہ وہ رومیوں سے جنگ کے دوران سرزمین روم میں شہید ہوگیا[3] ۔

۵۔ ام مسطح ام مسطح بن اثاثہ کا نام سلمی تھا ،وہ ابو رہم بن مطلب بن عبد مناف کی بیٹی ہے اس کی ماں ریطہ بنت صخر تمیمی ہے، وہ ابوبکر کی خالہ زاد بہن تھی[4] ۔

٦۔ اوس بن خولی اوس بن خولی، قبیلۂ خزرج اور انصار میں سے تھا ،غزوۂ بدر اور اسکے بعد والے غزوات میں شرکت کی ہے عثمان کے زمانے میں مدینہ میں فوت ہوا ہے[1]۔

---

[1] استیعاب ،ج ۱، ۲۷ ـ۳۰ ، اصابہ ج ۱، ص ۲۰ـ ۳۰ ۔
[2] استیعاب ،ج ۱، ۳۱، اصابہ ج ۱، ص ۶۴۔
[3] استیعاب، ج ۲، ۶۴۶ ، اصابہ ،ج۴، ص ۳۸۸ میں ایجاز مخلی ذکر ہوا ہے اسد الغابہ ،ج ۵، ۱۸۸ ،اس کی زندگی کے حالات تفصیل کے ساتھ کتاب اغانی طبع دار الکتب ، مصر ج ۶، ۲۴۶ ۔ ۲۷۹ میں درج ہوئے ہیں ۔
[4] استیعاب ،ج ۳، ۴۷۰ ، اصابہ، ج ۴، ص ۴۷۲ ۳۔ استیعاب ،ج ۱، ۴۸، اصابہ ج ۱، ص ۱۴۵ و ص ۹۵

۷۔ براء بن عازب براء بن عازب انصاری کی کنیت ابو عمر تھی وہ قبیلہ اوس میں سے تھا ،اور ان لوگوں میں سے تھا کہ جنکو رسول خدا نے جنگ بدر میں عمر کم ہونے کی وجہ سے جہاد کی اجازت نہیں دی تھی اور انھیں لوٹا دیا تھا اس کے بعد چار غزوات میں رسول خدا کے ساتھ شرکت کی اور جنگ جمل، صفین اور نہروان میں علی علیہ السلام کے ہمراہ تھا،آخر میں ساکن کوفہ ہوا اور مصعب بن زبیر کی حکومت کے دوران کوفہ میں اس دنیا سے چلا گیا [۲]۔

۸۔ ثابت بن قیس انصاری ثابت بن قیس شماس خزرجی انصاری، قبیلۂ اوس میں سے تھا ،اس نے غزوۂ احد اور اس کے بعد والے غزوات میں شرکت کی ہے جنگ یمامہ میں خالد کی کمانڈری میں قتل ہوا [۳]۔

۹۔ حباب بن منذروہ قبیلۂ انصار میں سے تھا ،اس نے غزوۂ بدر اور پیغمبر اسلام کے دوسرے غزوات میں شرکت کی ہے، عمر کی خلافت کے دوران فوت ہوا ہے [۴]۔

۱۰۔ خالد بن ولید خالد بن ولید کی کنیت ابو سلیمان تھی وہ قریش کے قبیلۂ مخزوم سے تھا اس کی ماں لبابۂ خزان ہلالیہ کی بیٹی اور پیغمبر کی بیوی میمونہ کی بہن تھی، دوران جاہلیت سواروں کی سرداری اس کے ذمہ تھی، صلح حدیبیہ کے بعد اس نے مدینہ مہاجرت کی اور فتح مکہ میں حاضر تھا ،ابوبکر کی خلافت کے دوران قشون اسلامی کا کمانڈر مقرر ہوا اور اسے سیف اللہ کہتے تھے حمص یا مدینہ میں ۲۱ھ یا ۲۲ھ میں فوت ہوا ہے [۵]۔

۱۱۔ زبیر بن عوام زبیر بن عوام قرشی اسدی،اس کی ماں پیغمبر کی پھوپھی صفیہ تھی، کہتے ہیں: زبیر نے ۱۲ سال یا ۸ سال کی عمر میں مکہ میں اسلام قبول کیا وہ ان افراد میں سے تھے جو عثمان کے مخالف تھے ،جوں ہی عثمان قتل ہوئے ،اس نے علی علیہ السلام کی

---

[۱] استیعاب ،ج ۳, ۴۷۰ ، اصابہ، ج ۴., ص ۴۷۲ ۳۔ استیعاب ،ج ۱, ۴۸، اصابہ ج ۱., ص ۱۴۵ و ص ۹۵
[۲] استیعاب ،ج ۱, ۷۴، اصابہ ،ج ۱., ص ۱۹۹، اسد الغابہ، ج ۱, ۲۲۹۔
[۳] استیعاب ،ج ۱, ۳۶۴ اصابہ، ج ۱., ص ۲ ۳۰ ۔
[٤] استیعاب ،ج ۱, ۳۵۳ ، اصابہ ،ج ۱., ص ۲ ۳۰۔ اسد الغابہ، ج۱, ۳۶۴ ۔ ۴۔
[٥] استیعاب ،ج ۱, ۴۰۵ ، اسد الغابہ، ج ۲., ص ۹۳۔

بیعت کرنے میں پیش قدمی کی، بیعت کرنے کے بعد عثمان کی خونخواہی کیلئے بصرہ چلا گیا جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے صف آراء ہوئے تو حضرت علی علیہ السلام نے زبیر کو طلب کیا اور اس سے کہا ؛ کیا رسول خداؐ کی فرمائش تجھے یاد ہے کہا آنحضرت نے فرمایا : اگر علی سے جنگ کروگے تو تم ظالم قرار پاؤگے ؟

زبیر نے یہ سن کر جنگ سے منہ موڑلیا اور واپس لوٹا عمرو بن جرموز تمیمی اس کے پیچھے چلا گیا اور اسے فوراً قتل کر ڈالا یہ واقعہ ۳۶ھ میں پیش آیا اور زبیر کی عمر اس وقت ۶۶ سال یا ۶۷ سال تھی[1]۔

۱۲ زیاد بن لبید وہ قبیلۂ بنی بیاضہ سے تعلق رکھتا ہے نیز مہاجرین و انصار دونوں میں شمار ہوتا تھا جب پیغمبرؐ مکہ میں تھے زیاد بن لبید آپ کے حضور آکر آپ کے ساتھ رہتا تھا ، یہاں تک آنحضرتؐ نے مدینہ ہجرت فرمائی اس نے بیعت عقبہ، غزوۂ بدر اور اس کے بعد والے غزوات میں شرکت کی، خلافت معاویہ کے آغاز میں فوت ہوا ہے[2]۔

۱۳۔ زید بن ثابت انصاری وہ قبیلۂ بنی نجار کا ایک انصار تھا ، بدر کے دن رسول خداؐ نے اسے کم عمر ہونے کی وجہ سے لشکر میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دی لیکن اس نے بعد والی جنگوں میں شرکت کی، عمرو عثمان جب کبھی مدینہ سے باہر چلے جاتے تھے تو زید بن ثابت کو اپنا جانشین مقرر کرتے تھے وہ عثمان کے نڈر طرفداروں میں سے تھا اور علی علیہ السلام کی کسی بھی جنگ میں شرکت نہیں کی اس کی وفات کا سال معلوم نہیں ہے۔

۱۴۔ سالم بن عبید اللہ شجعی وہ اہل صفہ میں سے تھا ، اپنی آخری عمر میں کوفہ میں رہائش کرتا تھا[3]۔

[1] طبری و ابن اثیر حوادث ۳۶ھ ملاحظہ ہو ، طبقات ابن سعد، ج ۳، ق ۱، ۷۷ ، اصابہ ج ۳، ق ۱، ۷ حرف ''ز'' صواعق المحرقہ ، باب ہشتم کے آخر پر خلافت علی علیہ السلامؑ کے بیان میں کنزل العمال جمل کے ذکر میں کتاب فتن و العقد الفرید، ج ۳، ۹۲ ، ۹۶ ، ۹۸ ۔ ۰۹ جنگ جمل کی ذکر میں ، مسند احمد حنبل، ج ۱، ۱۱۶۵ ، اور شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱، ۵۷ ۔۵۸)

[2] استیعاب ،ج ۱، ۵۴۵، اصابہ، ج ۱، ص ۵۴۰

[3] استیعاب، ج ۳، ۷۰، اصابہ، ج ۲، ص ۵ ،اسد الغابہ، ج ۲/ ۲۴۷

۱۵۔ سلمان فارسی ان کی کنیت ابو عبدا للہ تھی، وہ اصفہان یا رام ہرمز کا باشندہ تھے، مشہور ہے کہ انھوں نے ایک طولانی عمر کی ہے اورانھیں حضرت عیسی کے بعض اولیاء سے ملاقات کی توفیق حاصل ہوئی ہے ایک واقعہ میں اسیر ہوئے اور انھیں مدینہ میں ایک یہودی عورت کے ہاتھوں فروخت کیا گیا، سلمان نے اس عورت کی ملکیت میں خود کو خرید کر آزاد کیا اور شرائط پورے ہونے پر مکمل طور پر آزاد ہوئے غزوہ خندق اور اس کے بعد واقع ہوئے دوسرے غزوات میں شرکت کی ۔ عمر کے زمانے میں مدائن کے گورنر مقرر ہوئے اور انھوں نے عمر کی خلافت کے اواخر یا عثمان کی خلافت کے ابتدائی دنوں میں وفات پائی[1]۔

۱٦۔ سلمۃ بن سلامہ اس کی کنیت ابو عوف تھی اور قبیلۂ عبدا لاشہل کے انصار میں سے تھا .اس کی ماں کا نام سلمی تھا اور وہ انصار میں سے تھی، وہ سلمۃ بن خالد کی بیٹی تھی، سلمۃ بن سلامہ نے بدر اور پیغمبر کے دیگر غزوات میں شرکت کی ہے ۔ ۱۴ھ میں ''جسر'' ابی عبید واقعہ میں قتل ہوا ۔

۱۷۔ صالح وہ پیغمبرؐ کا آزاد کیا ہوا غلام تھا اس کا نام شقران تھا ،اس نے غزوہ بدر میں شرکت کی ہے[2]۔

۱۸۔ طلحہ بن عبید اللہ ابو محمد طلحہ بن عبید اللہ قرشی تیمی، خلیفۂ اول ابوبکر کا چچیرا بھائی تھا ،اس کی ماں صعبہ بنت خضرمی اہل یمن تھی، طلحہ نے غزوہ احد میں شرکت کی اور اسی جنگ میں اس کی انگلی زخمی ہوکر مفلوج ہوئی،رسول خداؐ نے اسے زبیر کا بھائی قرار دیا تھا ، وہ ان افراد میں سے تھا جنھوں نے عثمان کے خلاف شدید بغاوت کی تھی جب عثمان قتل کردیئے گئے تو حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کرنے میں پیش قدمی کی، لیکن بیعت کے بعد عثمان کی خون خواہی کے عنوان سے بصرہ روانہ ہوا، روز جمل مروان بن حکم نے اسے دیکھ کر کہا : ''اس کے بعد ہم خون خواہی کیلئے نہیں اٹھیں گے، پھر بعد میں ایک تیر پھینک کر اسے ہلاک کیا[3]۔

---

[1] استیعاب ،ج ۲، ۳ ۵۔۵۹، اصابہ، ج ۲، ص ٦۰ ، اسد الغابہ، ج ۳/ ۳۳٦۔
[2] استیعاب، ج ۲، ۸۳، اصابہ ج ۲، ص ٦۱ ، اسد الغابہ، ج ۲/ ۳۲۸
[3] طبقات ابن سعد ،ج ۳/ ق۱/ ۱۵٦ و ۱۸۹ ، استیعاب و اسد الغابہ، ج ۳/ ۵۹ ، اصابہ، ج ۳/ ۳۹۳ ق ۱/ از حرف " ط" مسعودی مروج الذہب، ج ۲/ ۱۱ ، و تہذیب ابن عساکر، ج ۷/ ۸۴ ، تاریخ ابن کثیر ،ج ۷/ ۲۴۷ و انساب الاشراف بلاذری ، ج ۵/ ۴۴۔ ۹۰ و الریاض النضرہ، ج ۲/ ۲۵۵ ،، عقد الفرید ، ج ۳/ ۹۲ ، ۹٦، ۹۸، ۱۰۹۔

۱۹۔ عبادۃ بن صامت اس کا نام ابو الولید عبادۃ بن صامت انصاری تھا اس کی ماں کا نام قرۃ العین تھا اور وہ عبادۃ بن فضلۃ العجلان کی بیٹی تھی ۔ عبادہ اپنے قبیلہ کا سردار تھا ،اس نے غزوۂ بدر میں شرکت کی ہے اور اس کے علاوہ رسول خداؐ کی تمام جنگوں میں شرکت کی ہے ۔ عمر نے اسے فلسطین بھیجا تا کہ وہاں کے باشندوں کو قرآن مجید اور دینی مسائل سکھائے ۔معاویہ کے ساتھ عبادہ کی داستانیں ہیں بعض امور میں وہ معاویہ پر اعتراض کرتا تھا اور بعض مسائل میں معاویہ اس کے مشورہ پر عمل کرتا تھا،۳۴ھ میں ''رملہ'' کے مقام پر فوت ہوا ہے بعض نے کہا ہے کہ وہ ۴۵ھ تک زندہ تھا[1]۔

۲۰۔ عبدا لرحمان بن عوف اس کا نام عبد الرحمان بن عوف قرشی زہری تھا ،اس کی ماں کا نام شفا تھا اور وہ عوف بن عبد بن حرث بن زہرہ کی بیٹی تھی، وہ عام الفیل کے دس سال بعد پیدا ہوا ہے دوران جاہلیت میں اس کا نام عبد عمرو یا عبد الکعبہ تھا ،رسول خداؐ نے اس کا نام عبد الرحمان رکھا ،ابتداء میں اس نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اس کے بعد مدینہ ہجرت کی،اس نے غزوہ بدر اور دیگر غزوات میں شرکت کی وہ ان چھ افراد میں سے ایک ہے جنہیں عمر نے شورائے خلافت کے طور پر انتخاب کیا تھا،۳۱ھ یا ۳۲ھ میں مدینہ میں فوت ہوا اور اسے بقیع میں دفن کیا گیا[2]۔

۲۱۔ عبدا للہ ابن عباسوہ ابن عباس کے نام سے مشہور تھے ان کی کنیت ابو العباس تھی ، ان کے باپ پیغمبر خداؐ کے چچا عباس ابن عبدالمطلب تھے ،ابن عباس ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے اور جنگ جمل ، صفین ،اور نہروان میں حضرت علی علیہ السلام کی حمایت میں شرکت کی ہے، حضرت علی علیہ السلام نے انھیں بصرہ کا گورنر مقرر کیا ۔ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے آخری ایام میں انھوں نے عہدہ سے کنارہ کشی کی، عبد اللہ بن زبیر کی خلافت کیلئے بیعت کے دنوں وہ مکہ میں تھے،ابن زبیر نے انھیں جلا وطن کر کے طائف بھیج دیا اور ٦٨ میں وہیں پر وفات پائی[3]۔

---

[1] استیعاب ،ج ۳، ۱۰۶، اصابہ، ج ۴، ص۲۸ ، ق ا/ از حرف " ع" ، طبقات ابن سعد ، ج ۳/ ق ۲/ ۹۴ مسند احمد، ج ۵/ ۳۲۹ اسد الغابہ، ج ۲/ ۳۳۶۔
[2] استیعاب ،ج ۲/ ۳۹۵ ۔ ۳۹۰ ، اسد الغابہ ،ج ۳/ ۳۱۳ ، ۲۱۷ ، اصابہ، ج ۲/ ۴۰۸ ، ۴۱۰ ،
[3] استیعاب، ج ۲/ ۴۹۴ ۔ ۴۹۵ ، اسد الغابہ، ج ۴/ ۱۲۷ ، اصابہ، ج ۲/ ۵۱۶ ،۔

۲۲۔ عمرو بن قیس یہ وہی ابن مکتوم مؤذن ہے اس کی ماں کا نام عاتکہ تھا وہ عبدا للہ بن عنتکہ بن عائذ مخزومی کی بیٹی ہے، وہ مہاجرین کے طبقہ اول سے تعلق رکھتا ہے، یہاں تک رسول خداؐ نے مدینہ سے باہر جاتے وقت تیرہ بار اسے اپنا جانشین مقرر فرمایا ہے کہتے ہیں سورہ ''اعمی'' میں لفظ ''اعمی'' سے مراد یہی ابن مکتوم ہے اس نے جنگ قادسیہ میں شرکت کی ہے اور وہیں پر شہید ہوا، بعض نے کہا ہے کہ جنگ قادسیہ کے بعد مدینہ میں اس دنیا سے چلا گیا[1]۔

۲۳۔ عویمر اس کا نام ابو الدرداء یا عامر ہے، اس کے باپ کا نام ثعلبہ یا عبدا للہ یا زید یا عامر بن قیس بن امیتبن عامر بن عدی بن کعب بن خزرج انصاری تھا عویمر بدر کے دن اسلام لایا ہے معاویہ نے اسے خلافت عمر کے دوران دمشق کا قاضی مقرر کیا تھا، وہ ۳۲ھ میں فوت ہوا ہے[2]۔

۲۴۔ عویم بن ساعدہ وہ ایک انصاری ہے اور قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتا ہے اس نے بیعت عقبہ، جنگ بدر اور دوسری جنگوں میں شرکت کی ہے، عمر کی خلافت کے دوران اس نے وفات پائی ہے، عمر نے اس کی قبر پر بیٹھ کر کہا: روئے زمین پر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ میں اس قبر کے صاحب سے بہتر ہوں[3]۔

۲۵۔ فضل بن عباس اس کی ماں کا نام لبابہ صغری. تھا وہ حرث بن حزن ہلالیہ کی بیٹی تھی، فضل بن عباس اپنے بھائیوں سے بڑا تھا اور ان افراد میں سے تھا جنھوں نے غزوہ حنین میں شرکت کی ہے اور ثابت قدم رہے ہیں ۔ وہ خلافت ابوبکر یا عمر کے دوران اس دنیا سے چلا گیا ہے[4]۔

۲۶۔ قثم بن عباس قثم بن عباس، قیافہ کے لحاظ پیغمبر خداؐ سے شباہت رکھتا تھا، حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے مکہ کا حاکم مقرر ہوا اور حضرتؑ کی شہادت تک اسی عہدہ پر قائم تھا، معاویہ کے زمانے میں سمرقند میں شہید ہوا[1]۔

---

[1] استیعاب ،ج ۲/ ۴۹۴ ۔ ۴۹۵ ، اسد الغابہ ،ج ۴/ ۱۲۷ ، اصابہ، ج ۲/ ۵۱۶ ،
[2] استیعاب ،ج ۳/ ۱۷۰ ، اسد الغابہ ،ج ۴/ ۱۵۹ ، اصابہ، ج ۵/ ق۱/۴۶ ۔
[3] استیعاب، ج ۳/ ۱۷۰ ، اسد الغابہ، ج ۴/ ۱۵۸ ، اصابہ ،ج ۵/ ق۱/۴۵ ۔
[4] استیعاب ،ج ۳/ ۲۰۲ ، اسد الغابہ ،ج ۴/ ۱۸۴ ، اصابہ، ج ۵/ ۴۶ ۔

۲۷۔ محمد بن مسلمہ وہ قبیلۂ اوس کا ایک انصاری تھا اس نے غزوہ بدر اور دیگر غزوات میں شرکت کی ہے وہ ان افراد میں سے تھا جنھوں نے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت نہیں کی ہے۔ ۴۳ھ یا ۴۶ھ میں فوت ہوا ہے[۲]۔

۲۸۔ مغیرۃ بن شعبہ مغیرہ بن شعبۂ ثقفی کی ماں خاندان نصر بن معاویہ سے تھی، مغیرہ نے غزوۂ خندق کے سال اسلام قبول کیا اور مدینہ آیا، صلح حدیبیہ میں شرکت کی رسول خداؑ نے اسے قبیلۂ ثقیف کے بتوں کو توڑنے کیلئے ابو سفیان کے ہمراہ طائف روانہ کیا تھا اس نے جنگ یرموک میں شرکت کی ہے اور وہیں پر اس کی آنکھ زخمی ہوئی۔ خلافت عمر کے زمانے میں اس کی طرف سے بصر کا حاکم مقرر ہوا، جب کچھ لوگوں نے عمر کے پاس شہادت دی کہ مغیرہ مرتکب زنا ہوا ہے تو اسے بصرہ کی حکمرانی سے معزول کیا گیا، اس کے بعد اسے کوفہ کا حاکم معین کردیا گیا معاویہ کے زمانہ میں دوبارہ کوفہ کا حاکم مقرر ہوا ۵۰ھ تک اسی منصب پر برقرار تھا کہ فوت ہوگیا کہتے ہیں اس کی تین سو اور ایک قول کے مطابق ایک ہزار بیویاں تھیں[۳]۔

۲۹۔ مقداد بن اسود وہ قبیلۂ کندہ سے ہیں اور عمرو بن ثعلبۂ بہرانی کے فرزند ہیں کہتے ہیں کہ اپنے قبیلہ میں ان پر قتل کا الزام لگ گیا اور قبیلۂ کندہ کی طرف مہاجرت کی اور اس قبیلہ کے ساتھ عہد وپیمان باندھا زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ انکے اور قبیلۂ کندہ کے ایک شخص کے درمیان اختلاف اور جھگڑا پیدا ہوا مقداد نے کندی کی ٹانگوں پر ایک تلوار مار کر مکہ کی طرف فرار کر گئے اور اسود بن عبد یغوث زہری سے دوستی کا عہد وپیمان باندھا، اسود نے انھیں منہ بولا بیٹا بنالیا۔

اسی لئے انھیں مقداد بن اسود کہتے ہیں مقداد اسلام کے اعتبار سے سابقین میں سے تھے انھوں نے پہلے حبشہ ہجرت کی اس کے بعد مدینہ ہجرت کی۔ جب مدینہ میں آیۃ نازل ہوئی کہ ہر ایک کو اس کے باپ سے پکارا جائے تو مقداد کو بھی مقداد بن عمر پکارنے لگے ،رسول خداؑ نے فرمایا: خداوند عالم نے مجھے اپنے اصحاب میں سے چار افراد کی دوستی کا حکم فرمایا ہے اور مجھے خبر دی ہے کہ وہ (

---

[۱] استیعاب ،ج ۲/ ۲۶۲،، اسد الغابہ، ج ۴/ ۱۹۷ ، اصابہ، ج ۳/ ۲۱۸)
[۲] استیعاب ،ج ۳/ ۲۱۶ ، اسد الغابہ، ج ۴/ ۲۳۰ ، اصابہ، ج ۳/۳۶۳۔
[۳] استیعاب ،ج ۳/ ۴۵۳ ، اسد الغابہ، ج ۴/ ۴۰۹، اصابہ ،ج ۳/ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔

خدا) انھیں دوست رکھتا ہے آپ سے سوال کیا گیا : وہ چار افراد کون ہیں ؟آپ نے فرمایا : علی علیہ السلام، مقداد ، سلمان اور ابوذر ، مقداد نے ۳۳ھ میں وفات کی اور انھیں بقیع میں دفن کیا گیا[1] ۔

[1] استیعاب، ج ۳/ ۴۵۳ ، اسد الغابہ، ج ۴/ ۴۰۹، اصابہ، ج ۳/ ۴۳۳، ۴۳۴۔